خطباتِ ہند
جلد اول
صاحب خطبات
محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ
مرتب
حضرت مولانا
بلال سجاد نعمانی صاحب
مکتبۃ الفقیر

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ
جلد اول
خطباتِ ہند
حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ
کے دورۂ ہند اپریل ۲۰۱۱ء کے بیانات کا مجموعہ
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل
ناشر:
مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

نام کتاب............خطبات بنر جلد اول

صاحب خطبات حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب مدظلہ

کمپوزنگ حضرت مولانا اختر معروفی قاسمی صاحب

اشاعت اول اکتوبر 2011ء

اشاعت دوم دسمبر 2011ء

تعداد 1100

ناشر: مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

☆فہرست خطبات☆

صفحہ نمبر	عناوین

عرض ناشر

سرزمینِ ہند جو ہمیشہ سے روحانیت کا مرکز، اہل اللہ کا مسکن اور علم و دانش کا گہوارہ رہی ہے، اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور خصوصی انعام ہوا، جب عمومی طور پر باشندگانِ ہند اور خصوصاً **مسلمانانِ ہند** کو شرابِ ہدایت سے سیراب کرنے کے لئے اُس نے اپنے ایک مستانے، شمع رسالت کے پروانے کو یہاں بھیجا، وہ محبت کا پیام بر آیا، اور خلقِ خدا کے درمیان علوم و معارف کے دریا بہا گیا۔ جس شوق اور امنگ کے ساتھ خلقِ خدا اُس کو دیکھنے، سُننے، اسکی صحبت میں ایک لمحہ گذارنے کیلئے امڈی پڑ رہی تھی، ہمارا تو ذکر ہی کیا ہے، بڑے بڑوں کی زبان سے ہم نے یہی سنا کہ بہت دن کے بعد آسمان کی آنکھیں ایسی عام محبوبیت کے مناظر دیکھ رہی ہوں گی۔ اور اب تو ہر زبان سے یہ تقاضا سننے کو مل رہا ہے کہ ؎

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی!

شخصیت کے تعارف کا نہ یہ موقع ہے اور نہ یہ اس طفلِ مکتب کی اوقات ہے، بڑوں کی بڑی باتیں آپ ہمارے بڑوں سے ہی سُنیں، آئندہ صفحات میں آپ والد ماجد حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی نقشبندی مدظلہ العالی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں گے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت والا کے خطبات پڑھ کر، ارشادات سُن کر شاعرِ اسلام کا یہ شعر سمجھ میں آنے لگتا ہے کہ ؎

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی

کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

زیر نظر کتاب ''خطباتِ ہند'' ہمارے جن چند انتہائی مخلص دوستوں کے تعاون کی بدولت منظر عام پر آرہی ہے، ان کا تذکرہ، تشکر و امتنان کے ساتھ میرے ذمے فرض ہے۔ پورے دورۂ ہند اپریل ۲۰۱۱ء کے تمام بیانات ریکارڈ کرنے کے سلسلے میں، ہم نعمانی اکیڈمی اور Taubah

org کی ٹیم کے ہر فرد اور خصوصاً اس ٹیم کے امیر رضوان بھائی موزہ والا کے بہت مشکور ہیں، کہ انہوں نے بیانات عمدہ طریقہ پر محفوظ کیے، اور فراہم کیے، ساتھ ساتھ رفیق محترم مولانا اختر معروفی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے پوری لگن کے ساتھ اسکی کمپوزنگ کا کام کیا، جناب عبد المولیٰ بھائی نے اسکے سرِ ورق کو معنی خیز زینت بخشی، ان تمام لوگوں کی محنت ومحبت کو اللہ قبول فرمائے، اس کے بدلے اپنی رضا اور اپنا قرب عطا فرمائے۔

کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ ہر خطاب سے پہلے، اُس کے بارے میں مختصر معلومات فراہم کی گئی ہیں، مثلاً یہ کب، کہاں، اور کس تاریخ میں ہوا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ مجمع کی تعداد کا محتاط اندازہ بھی پیش کیا گیا ہے، تاکہ ہم قارئین کرام کو اُن مناظر اور اس ماحول کی ایک ہلکی سی جھلک دکھا سکیں، جن کے درمیان یہ خطابات ہو رہے تھے۔ اس جلد اول میں، بمبئی، خانقاہ نعمانیہ نیرل، (مہاراشٹر) خانقاہ فیض اولیاء ترکیسر (گجرات)، دہلی، اور دار العلوم دیوبند کے بیانات شامل ہیں، بقیہ مقامات کے بیانات جلد دوم میں شامل کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کی طباعت واشاعت کے جملہ حقوق نعمانی اکیڈمی کے نام محفوظ ہیں، محدث عصر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہ کی یادگار اس ادارے کی یہ کوشش بارگاہِ خداوندی میں شرف قبولیت سے سرفراز ہو جائے، اور راقم آثم کے لئے ذخیرۂ آخرت بن جائے، یہی دعاء، تمنا، اور ربّ ذو الجلال والاکرام سے یہی التجا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ صاحب خطبات، ریحانۃ العصر، محبوب العلماء والصلحاء، حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کی اور تمام اہل علم وذکر کی کماحقہٗ قدر، احترام اور ان سے بھرپور استفادہ کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں صالحین کے سلسلہ میں افراط اور تفریط دونوں طرح کی غلطیوں سے محفوظ رکھے۔

محتاج دعا

بلال سجاد نعمانی ندوی

۳۱ر جولائی ۲۰۱۱ء

کچھ صاحب خطبات کے بارے میں

بڑی مدت سے ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور مے خانہ

پندرھویں صدی ہجری کے ابتدائی دو عشروں تک برصغیر میں اکابر اہل علم وفکر اور مصلحین کی ایک تعداد موجود تھی، ۱۴۰۲ھ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی، عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا فقیر محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد اشرف خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ پشاور، حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ، اور ان کے علاوہ اور بھی ربانی علماء موجود تھے، جن سے لاکھوں لوگوں کو فیض مل رہا تھا، پھر اچانک تیز رفتاری کے ساتھ یکے بعد دیگرے یہ سب اپنے اپنے وقت پر راہی ملک بقا ہو گئے، اور یہ حال ہو گیا کہ ایسے پرنور چہرے دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں، اور اہل طلب رنج وغم کی کیفیت میں ڈوب کر کہنے لگے کہ ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

لیکن اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت کو کبھی بھی بے سہارا نہیں

چھوڑے گا، یہ تو وہی جانے کہ کس ٹوٹے دل والے کی آہ اُسے پسند آئی ؟ اور کس کے ذوق جستجو پر اس کو رحم آیا؟ ہم کوتاہ بینوں نے تو بس یہی دیکھا کہ اچانک مغربی پنجاب کے ایک مقام "جھنگ" سے ایک شخصیت برصغیر کے افق پر ہلال رشد وہدایت بن کر ابھری، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روشنی سے پورا مطلع روشن ہونے لگا، دلوں کی زمین اس ابرِ رحمت سے سیراب ہونے لگی اور یاس آس میں بدلنے لگی۔ آپ خود ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ میرا اشارہ صاحب خطبات ریحانۃ العصر حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم سے ہے۔

اس ضرورت کے احساس کے تحت کہ وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ جن کے دل میں صاحب خطبات کی طرف غیر معمولی محبت وانجذاب دن بہ دن بڑھتا ہی جا رہا ہے، مگر وہ اپنے اس "انجانے" محبوب کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا اشتیاق رکھتے ہیں، یہ عاجز راقم سطور معتبر و مستند ذرائع سے جو کچھ جانتا ہے ——— اور اسے اعتراف ہے کہ وہ بہت کم جانتا ہے ——— سطور ذیل میں اپنے محترم اور باذوق قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

ولادت اور ایام طفولیت:

صاحب خطبات (متّعنا اللّٰہ بطولِ بقائِہٖ) کی ولادت یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو جھنگ (پنجاب، پاکستان) میں ہوئی۔ ان کے والد بچوں کو، لوجہ اللہ، ناظرۂ قرآن پڑھایا کرتے تھے، نہایت نیک صالح اور عبادت گذار تھے، روزانہ تہجد کے بعد تین سے پانچ پارے قرآن مجید کی تلاوت کا معمول تھا، والدۂ ماجدہ بھی نیک صالح خاتون تھیں ——— خود صاحب خطبات نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "راقم جب تین برس کی عمر کا تھا اور والدہ صاحبہ کے ہمراہ ایک بستر پر سوتا تھا تو رات کے آخری پہر میں والدہ صاحبہ کو بستر پر موجود نہ پا کر اٹھ بیٹھتا، دیکھتا تھا کہ وہ سرہانے کی طرف مصلیٰ بچھا کر نماز تہجد پڑھنے میں مشغول ہیں، راقم منتظر رہتا کہ نماز کب ختم ہوگی؟ والدہ صاحبہ نماز کے بعد دامن پھیلا کر اونچی آواز سے رو رو کر دعائیں مانگتیں، راقم نے اپنی زندگی میں تہجد کے وقت جس قدر اپنی والدہ صاحبہ کو روتے دیکھا ہے کسی اور کو اس قدر روتے نہیں دیکھا۔ بعض اوقات والدہ صاحبہ راقم کا نام لے کر دعائیں

کرتیں تو راقم خوشی سے پھر بستر پر سوجاتا"۔

حضرت کی ابتدائی تعلیم وتربیت اور نگرانی میں ان کے بڑے بھائی جناب ملک احمد علی صاحب کا بھی نمایاں حصہ رہا — حضرت کو خود اعتراف ہے کہ ان ہی کی مشفقانہ مگر سخت نگرانی کی بدولت وہ غلط لڑکوں کی دوستی اور صحبت سے بالکل محفوظ رہے۔

تبلیغی جماعت سے تعلق:

حضرت جب پانچویں کلاس کے طالب علم تھے، تب ہی سے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ تبلیغی جماعت میں نکلنے کا معمول شروع ہو گیا، یہ تعلق آگے چل کر اور زیادہ مستحکم ہو گیا — دوسری طرف اسکول اور کالج کی تعلیم کے ساتھ فارسی اور عربی کی کتابیں اور صرف ونحو کی تعلیم بھی جاری رہی، B.S.C. کے بعد حدیث کی کچھ کتابیں بھی پڑھیں۔ اسی دوران تذکرۃ الاولیاء، غنیۃ الطالبین اور کشف المحجوب جیسی کتابوں کا مطالعہ کیا، اور ان ہی کتابوں کے مطالعہ کے اثر سے معرفت الٰہی کے حصول کا وہ جذبہ جو فطرت میں پہلے ہی سے ودیعت کردیا گیا تھا ، جاگ اٹھا، اور پھر مختلف خانقاہوں میں جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا، لیکن خود حضرت کے الفاظ میں:

"ہر جگہ اتباع سنت میں کوتاہی اور بدعات کی پابندی دیکھ کر راقم نامراد واپس آجاتا"

(حیات حبیب ص ۴۵)

محبت الٰہی کی چنگاری:

اسی دوران شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فضائل ذکر" میں جب یہ واقعہ اس صالح نوجوان کی نظر سے گذرا کہ:

"حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جرجانی کو دیکھا کہ ستو پھانک رہے ہیں، میں نے پوچھا، یہ خشک ہی پھانک رہے ہو، کہنے لگے، میں نے روٹی چبانے اور ستو پھانکنے کا جب حساب لگایا تو چبانے میں اتنا وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے کہ اس میں آدمی ستر مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے، اس لئے میں نے چالیس برس سے روٹی کھانا چھوڑ دی، ستو پھانک کر گذارا کر لیتا ہوں"۔

تو اس واقعہ کا اثر اس کی حساس اور جویائے حق طبیعت پر ایسا پڑا کہ صبح وشام لیٹے چلتے پھرتے ہر وقت سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ذکر اس کی زبان پر جاری ہو گیا، اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ قلت کلام، قلت طعام اور قلت منام کی عادت پڑ گئی۔ (ایضاً ص ۴۶-۴۷)

ڈھائی سال تک یہ نوجوان بس سبحان اللہ! سبحان اللہ کا ورد کرتا رہا۔ مگر اب طبیعت کسی رہبرو مربی کے پانے کے لئے بے قرار ہوتی جارہی تھی، یہ احساس ہر دم بے چین کئے رہتا کہ:

”کوئی ایک متبع سنت، مبتقی شخصیت سامنے نہ تھی، جسے پیر و مرشد کی حیثیت سے دل میں سمایا جاتا، آنکھوں میں بسایا جاتا اور من کی دنیا میں سجایا جاتا“

پورے دو سال تک روزانہ صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر یہ تڑپتی ہوئی تمنا دعا بن کر ان کی زبان پر آتی رہی کہ:

”بار الہا! کسی سچے اور کامل مرشد کی صحبت وارادت نصیب فرما!“

رحمت خداوندی کی ایک نظر

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اللہ کا ایک بندہ، اور وہ بھی بالکل نوجوان، سالہا سال سے اللہ کی محبت کے لئے تڑپتا رہے اور بارگاہ احدیت وصمدیت سے کوئی التفات نہ ہو، وہ التفات ہوا، اور خوب ہوا، آیئے اس کی داستان خود ان ہی کی زبانی سنئے! حضرت لکھتے ہیں:

”1791 میں تبلیغی جماعت محلے کی مسجد میں ٹھہری ہوئی تھی، راقم نے سوچا کہ اعتکاف کی نیت سے مسجد میں ہی سویا جائے، حسب عادت رات تہجد کی نماز کے لئے اٹھنے کی توفیق ہوئی، نماز کے بعد تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہوا تو، ابھی صبح صادق میں ایک گھنٹہ باقی تھا، راقم مصلے پر ہی لیٹ گیا، خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ آئے اور راقم کے قلب پر انگلی رکھ کر کہنے لگے...... اللہ...... اللہ...... اچانک آنکھ کھلی تو راقم کے بدن پر رعشہ طاری تھا، سینے میں قلب کی تیز اور نرم حرکت ایسی واضح محسوس ہو رہی تھی کہ گویا سینے میں گدگدی ہو رہی ہو۔ راقم کے لئے اس کیفیت کو برداشت کرنا مشکل ہو گیا، حتی کہ سینے پر رومال کس کے باندھ لیا، جب رومال کھولا جاتا وہی گدگدی محسوس ہوتی، کئی دن کپڑوں کے نیچے رومال باندھ کر گذارے۔ (اب) نماز . . . . . .

ذکر...... تلاوت کا مزہ ہی نرالا تھا، ہر چیز میں لذت .... ہر بات میں لذت......" (حیات حبیب ص ۷۴۶-۷۴۷)

یاد رہے کہ یہ زمانہ وہ تھا جب یہ خوش نصیب وخوش خصال نوجوان انجینئرنگ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا، اس عجیب وغریب تجربے کے بعد اس بندۂ خدا نے اسی یونیورسٹی میں زیر تعلیم اپنے ایک صالح دوست جناب محمد امین صاحب سے اپنے اِن حالات کا تذکرہ کیا، انھوں نے ایک اور مردِ صالح سے اپنے دوست کے یہ حالات سنائے، انھوں نے معاملے کی اہمیت محسوس کر کے ایک اور خضر صفت بزرگ کو ان حالات کی اطلاع دے کر رہنمائی لینے کا مشورہ دیا ـــــ

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی تعارف کرا دیا جائے، جن کا ہمارے ممدوح (حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی) کی شخصیت سازی میں مشیت خداوندی نے اپنا اپنا حصہ لگوایا۔

وہ پہلے بزرگ جن سے صاحب خطبات کے دوست نے ان کے مذکورہ بالا خواب اور اس کے بعد کے احوال کا تذکرہ کیا تھا وہ تھے حضرت شیخ وجیہ الدین صاحب، یہ تھے تو انجینئر، اور وہ بھی انڈیانا یونیورسٹی، امریکہ کے سند یافتہ، لیکن فطری طور پر ان کو تقوی اور احتیاط والی زندگی کا غیر معمولی اہتمام نصیب تھا، ان کا تعلق بھی تبلیغی جماعت سے تھا، اور اسی کی بدولت اُن کے دل میں اللہ کی محبت وقرب کے حصول کی طلب وجستجو پیدا ہوئی۔ انھوں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی سے بیعت کا رابطہ بھی قائم کیا ـــــ اور میرپور خاص کے ایک صاحب دل اور صاحب مقام بزرگ بابو جی عبداللہ سے بھی والہانہ محبت کے رشتے میں منسلک ہو گئے، یہ ایک عجیب وغریب اور پُراسرار شخصیت تھی، نیز اس بات کی واضح نشانی کہ اللہ جس کو چاہے نواز دے، دیکھنے میں تو وہ ایک ایمان دار سرکاری ملازم اور اسٹیشن ماسٹر تھے، لیکن درحقیقت وہ ایک مخفی شخصیت تھی، اُن کے مقام کا اندازہ کرنے کے لئے صاحب خطبات کی یہ گواہی غور سے پڑھیں کہ:

"حضرت بابو جی رحمۃ اللہ علیہ کو بارگاہ رسالت میں ایسی قبولیت نصیب ہوئی تھی کہ آپ جس شخص کے بارے میں دعا فرما دیتے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو، عموماً اسے تین دن کے اندر زیارت ہو جاتی۔ تبلیغی جماعت جھنگ کے امیر جناب

صوفی محمد دین صاحب نے راقم الحروف سے رائے ونڈ کے اجتماع پر کہا: "اپنی طرف سے تو اعمال صالحہ کی بہت کوشش کرتا ہوں، لیکن عجیب بات ہے کہ ابھی تک نبی ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب نہیں ہوئی، راقم الحروف نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے ان کی ملاقات حضرت بابوجیؒ سے کرادی اور حضرت بابوجیؒ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے ازراہ کرم دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

جناب صوفی محمد دین صاحب کو تین دن کے اندر حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو انھوں نے شکریہ کا خط لکھا۔

(حیات حبیب ص ۸۳۔۲۸۲)

ہم لوگوں نے متعدد بار حضرت سے بابوجی کا ذکر خیر سنا ہے، حضرت نے حیات حبیب میں بھی ان کا خاصا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ وہیں سے ایک واقعہ اور نقل کرتا ہوں:

"ایک مرتبہ حضرت بابوجیؒ کو خواب میں تاجدار مدینہ ﷺ کی زیارت ہوئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا کہ "یہ عبداللہ مجھ تک آنا چاہتا ہے مگر اس میں اتنی ہمت نہیں کہ آسکے آپ اسے مجھ تک پہنچادیں، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کے قلب پر انگلی رکھ کر فرمایا: "کہو اللہ...... اللہ...... اللہ، ایک دم آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ کے رگ و ریشے میں اللہ کا ذکر سرایت کر چکا تھا۔ صدیق اکبرؓ کی ایک توجہ ہی نے واصل کر دیا۔

عشق کی ایک جست نے طے کردیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

تو یہ تھے وہ بزرگ جن سے محبت کا رشتہ جوڑ رکھا تھا شیخ وجیہ الدین صاحب نے جو ایک صاحب دل صاحب باطن بزرگ تھے، وہ ان ہی کے زیر نگرانی سلوک کے معمولات پورے کرتے رہے ـــــ آگے چل کر شیخ وجیہ الدین، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ اور مسلّم فقیہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے، ان کے بھی احوال جو حضرت نے

"حیات حبیب" میں بیان کئے ہیں وہ بھی نہایت بلند اور پاکیزہ ہیں۔

اب ہم واپس آتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف، تذکرہ چل رہا تھا کہ حضرت نے اپنی جوانی میں ایک خواب دیکھا جس کے بعد قلب کی عجیب وغریب کیفیت محسوس ہونے لگی۔ اس خواب کا تذکرہ آپ نے اپنے ایک دوست سے کیا، جنھوں نے ان ہی بزرگ یعنی حضرت شیخ وجیہ الدین سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے یہ رائے دی کہ:

"بہتر ہے کہ بابوجی کو خط لکھ دیا جائے"

چنانچہ حضرت نے بابوجیؒ کو ایک خط لکھا، جس کے جواب میں انھوں نے حضرت کو لکھا:

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قلب جاری ہو چکا ہے، آپ فوراً کسی شیخ سے بیعت ہو جائیں، ورنہ شیطان مردود فتنے میں نہ ڈال دے۔"

یہ خط پڑھ کر حضرت نے اپنے ان ہی دوست کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ ان ہی بزرگ سے جن سے حضرت شیخ وجیہ الدین صاحب کا تعلق ہے، ان ہی سے بیعت ہو جائیں، یعنی حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، اور اسی ارادے سے لاہور آکر شیخ وجیہ الدین صاحب سے ملاقات کی، اور ان کے مشورہ سے حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کی خدمت میں بیعت کی درخواست کے لئے خط بھیجا، (یہ زمانہ ہندو پاک کی جنگ کا زمانہ تھا، شاید اس لئے لاہور سے کراچی کا سفر مشکل تھا) وہاں سے جواب آیا کہ "آپ کو غائبانہ بیعت کرلیا گیا ہے"۔ اور بقول حضرت: "یہ مژدۂ جاں فزا ان کے لئے ایک نئی زندگی کی خوشخبری لایا"۔

شیخ وجیہ الدین سے تربیتی رابطہ

اس کے بعد تقدیر الٰہی نے ایک کرم اور یہ کیا کہ ہمارے ممدوح کو خود لاہور کی اسی انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا جہاں یہ شیخ وجیہ الدین انجینئرنگ کے پروفیسر تھے —— ویسے تو یہ ان کے پیر بھائی ہی تھے، مگر راہ سلوک میں وہ بہت اگلے مراحل پر تھے —— مادی اور روحانی دونوں قسم کی انجینئرنگ کے اس حوصلہ مند نوجوان طالب علم نے ان کی شاگردی صرف انجینئرنگ ہی میں نہیں، بلکہ سلوک میں بھی اختیار کرلی —— شیخ وجیہ الدین کی تربیت کا رنگ ان کے شاگردوں پر کس طرح چڑھا کرتا تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حضرت نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

"انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں آپ نے ایسے متبع سنت نوجوان ذاکرین کی جماعت تیار کی کہ شاید من حیث الجماعت پوری دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی"۔

ہمارے حضرت نے اپنے ان استاذ و مربی کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، چند باتیں نمونے کے طور پر نقل کی جارہی ہیں تاکہ ان کی شخصیت کے مقام اور ذوق و مزاج کا کچھ اندازہ کیا جاسکے:

☆ "آپ بیع فاسد کے پھلوں سے پرہیز فرماتے ہیں، سوائے کیلا، گاجر، مولی یعنی وہ سبزیاں اور پھل جو بیع باطل کے زمرے سے خارج ہیں، انھیں استعمال فرماتے۔

☆ آپ بازار کی تیار کردہ کھانے پینے کی اشیاء مثلاً بسکٹ، امپورٹڈ دودھ، ڈبل روٹی، جام، کولڈ ڈرنک، آئس کریم، روسٹ بروسٹ، اور مٹھائیوں وغیرہ سے مکمل پرہیز کرتے ہیں۔

☆ آپ میں عاجزی وانکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، گمنام رہ کر زندگی بسر کرنا آپ کا معمول ہے۔

☆ اپنے آپ کو شیخ صاحب کے الفاظ ہی سے پکارنے کی اجازت دیتے ہیں، اگر کوئی صاحب "حضرت" کا لفظ استعمال کریں تو فوراً ٹوک دیتے ہیں۔

☆ ایک مرتبہ آپ سائیکل پر یونیورسٹی میں جارہے تھے، ایک نووارد طالب علم نے آپ کو روک کر پوچھا: آپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا: وجیہ الدین، اس نے کہا کہ مجھے آپ فلاں جگہ چھوڑ دیں گے؟ آپ نے اس طالب علم کو پیچھے سائیکل پر بیٹھا لیا اور مطلوبہ جگہ پر چھوڑ آئے، اس کو احساس تک نہ ہونے دیا کہ آپ یونیورسٹی کے لیکچرر ہیں۔

☆ راقم نے پانچ سال سفر و حضر میں دن رات آپ کی صحبت میں رہ کر یہ نتیجہ نکالا کہ "آسمان کی زینت ستاروں سے ہے، زمین کی زینت پرہیزگار انسانوں سے ہے...... پانچ سال کے عرصے میں راقم الحروف نے آپ سے ایک عمل بھی خلاف سنت سرزد ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، جو شخص بھی چند دن آپ کی صحبت میں رہتا ہے، وہ دو رنگی چھوڑ کر یک رنگی اختیار کر لیتا ہے"   (حیات حبیب ص ۶۸۹ تا ۶۹۵)

اصلاح وتکمیل کی مسلسل کوشش اور اسفار

انجینئرنگ کے آخری سال کا امتحان دینے کے بعد ہمارے ممدوح نے جو اُن دنوں ایک نوجوان تھے، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں چار ماہ کا عرصہ گذارا، جہاں روزانہ سات گھنٹے مراقبہ کرنے کا معمول تھا، اس کے بعد صرف اس مقصد سے کراچی کا رخت سفر باندھا کہ وہاں ایک دوست کے یہاں قیام کرکے اپنے شیخ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوتی رہے گی، اس زمانہ میں وہ اپنی مشہور ومعتبر کتاب ''عمدۃ الفقہ'' کی تالیف فرمارہے تھے، کراچی کے قیام کے دوران معمول یہ رہا کہ صاحب خطبات اپنی رہائش گاہ پر سارا دن ذکر ومراقبہ میں لگے رہتے اور عصر کے بعد حضرت شاہ صاحب کے یہاں حاضری ہوتی، حضرت شاہ صاحب مجددی علوم ومعارف کے زبردست ماہر تھے، انھوں نے حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات کا ترجمہ بھی کیا ہے، چنانچہ اس موقع کو غنیمت جان کر حضرت نے یہ معمول بنالیا کہ دن میں مکتوبات کا مطالعہ کرتے اور عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت شاہ صاحب سے مشکل مقامات کے بارے میں سوالات کرتے۔ کچھ عرصہ اس طرح اپنے شیخ کی صحبت میں گذارنے کے بعد حضرت کراچی سے اپنے وطن واپس پہنچے اور وہاں ملازمت کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن اور عربی ودینی تعلیم کی تکمیل میں لگ گئے۔

بیعت ثانی

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اپنی اصلاح کی فکر وطلب نے حضرت کو حضرت مولانا شاہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں تک پہنچادیا، جو چکوال کو اپنا مستقر بناکر قرب وجوار اور دور دراز کے علاقوں تک بلکہ دنیا کے مختلف ممالک میں دین کی تبلیغ واشاعت اور اہل طلب کی تعلیم وتربیت کے نبوی کام میں دن رات مصروف رہتے تھے ـــــ ہمارے حضرت نے اس بیعت کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے:

''راقم نے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد استخارہ کیا تو تجدید بیعت کے لئے حضرت مرشد عالم (مولانا شاہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف توجہ مائل

ہوئی، راقم نے حضرت مرشد عالم کو دس سال پہلے سکین پور شریف کے اجتماع پر دیکھا تھا اور بیان بھی سنا تھا، چنانچہ راقم دل گرفتہ پیوستۂ منزل ہونے کی آرزو میں چکوال پہونچا، اس وقت مسجد کی توسیع کا کام جاری تھا اور نئی بنیاد کھودی جارہی تھی، استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت مرشد عالم تو مری گئے ہوئے ہیں، کل واپس آئیں گے۔ حضرت مرشد عالم اگلے دن عصر کے بعد تشریف لائے، اہل خانہ نے اطلاع دی تو راقم کو بلوایا اور پوچھا کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا "حضرت! میں یتیم ہو گیا ہوں، اور یہ کہہ کر زار و قطار رونا شروع کر دیا، راقم اس درد سے رویا کہ حضرت مرشد عالم بھی آبدیدہ ہو گئے، فرمایا بیعت کن سے تھی؟ عرض کیا حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، فرمایا ان کی نسبت قوی اور صحیح تھی۔ پھر پوچھا خود آئے ہو یا کسی نے بھیجا ہے؟ عرض کیا خود آیا ہوں، استخارہ کیا تھا، دس سال پہلے آپ کی زیارت بھی کی تھی، بیان بھی سنا تھا، بہت متاثر بھی ہوا تھا، فرمایا اگر متاثر ہوئے تھے تو پھر ملے کیوں نہیں؟ عرض کیا حضرت توجہ کا قبلہ ایک ہی تھا، دوسری طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھتا تھا، فرمایا ماشاء اللہ ایسے ہی ہونا چاہئے —— چنانچہ حضرت مرشد عالم نے بیعت فرمایا۔　　　　(حیات حبیب ص ۵۱-۷۵۰)

حضرت شاہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ احوال

جی تو چاہتا ہے کہ اس موقع پر مرشد عالم حضرت مولانا شاہ غلام حبیب صاحب قدس اللہ سرہ کے تفصیلی احوال ذکر کیے جائیں، مگر صفحات کی گنجائش محدود ہے۔

اہل ذوق حضرات "حیات حبیب" کا مطالعہ کر لیں، تاہم اسی کتاب سے مختصراً کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

سلسلۂ نسب:

ہمارے صاحب خطبات کے بیان کے مطابق حضرت شاہ غلام حبیب صاحب کا سلسلۂ نسب ۳۴ واسطوں سے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

تعلیمی سلسلہ:

آپ کے والد ماجد بچپن ہی سے آپ کو حافظ کہہ کر مخاطب کرتے، جب کہ آپ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے دل میں بھی یہی شوق انگڑائیاں لیتا تھا.......... آپ نے اپنے لڑکپن ہی میں علاقے کے معروف استاذ حضرت قاری قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک حفظ کیا...... آپ نے علمی کتابیں اپنے چچازاد بھائی شیخ الحدیث حضرت مولانا سید امیر رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، جو دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ساتھ "در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری" کا مصداق بھی تھے، آپ کا علمی ذوق وشوق دیکھ کر انھوں نے مروجہ نصاب کے بجائے چیدہ چیدہ کتابیں ایسے انداز سے آپ کو پڑھائیں کہ آپ کا سینہ علم نافع کا خزینہ بن گیا۔"

حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہما سے تلمذ کا شرف

ہمارے اہل علم ان دونوں حضرات کے علمی وروحانی مقام بلند سے بخوبی واقف ہیں، خصوصاً فہم قرآن میں اور عقیدۂ توحید میں صلابت کے ساتھ کامل اتباع رسول میں ان دونوں حضرات کا مقام بہت بلند بتایا جاتا ہے ۔حضرت مولانا شاہ غلام حبیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو مدتوں حضرت مولانا حسین علی شاہ [1] صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر تفسیر قرآن کا درس لیا، جو براہ راست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور عقیدۂ توحید میں صلابت اور تفسیر قرآن میں ممتاز مقام رکھتے تھے، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا، ان دونوں حضرات کی محبت اور توجہات نے ان کے سینے میں علم اور عشق کی جامعیت، عقیدۂ توحید پر پختگی نیز دین کی اشاعت واقامت کا بے پناہ جذبہ بھر دیا اور اکابر دارالعلوم دیوبند کے مسلک ومشرب سے

---

[1] حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب کے انتقال کی خبر سن کر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تعزیتی نوٹ الفرقان: شوال ۱۳۶۰ھ میں لکھا تھا، اس کے چند جملے یہاں نقل کئے جا رہے ہیں:

'میں نے سب سے پہلے حضرت استاذ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ سے حضرت ممدوح کا تذکرہ بہت بلند کلمات میں سنا تھا، بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲ پر......

گہری اور مبنی بر بصیرت وابستگی کی دولت بخشی۔

بیعت وارادت:

حضرت شاہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کو شروع ہی سے اپنے چچازاد بھائی مولانا سید امیر رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں ایک صاحب نظر اور انتہائی خیر خواہ مربی مل گئے تھے، انھوں نے اپنے اس بھائی اور شاگرد کے دل میں محبت الٰہی اور محبت صالحین کے جذبات کے بیج بچپن ہی میں ڈال دیئے تھے۔ پھر وقت آنے پر وہ خود حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں انھیں لے کر حاضر ہوئے اور بیعت کرایا ـــــ اس کے بعد سے حضرت شاہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے پورے ذوق وشوق، والہانہ جذبے اور شدید محنت کے ساتھ سلوک کے معمولات پورے کرنے شروع کر دیئے، اور بہت جلد وہ اپنے شیخ کے انتہائی منظور نظر ہو گئے اور پھر وہ وقت آیا کہ حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ نے انھیں "تکمیل وتصدیق" کے لئے اپنے شیخ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا، جنھوں نے اشارہ پاکر انھیں سلسلہ عالیہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔ اسی موقع پر ایک اور صاحب کو بھی اجازت وخلافت دی گئی تھی، ان کا نام تھا جناب غلام حیدر معروف بہ حافظ بڈھن خاں ـــــ جنھوں نے بعد میں اپنا ایک خواب حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کو سنایا، انھوں نے کہا حضرت! میں نے چند دن پہلے یہ خواب دیکھا کہ آپ مجھے بھی خلافت دے رہے ہیں اور ایک شخص کو بھی جس کا نام "باغ علی" ہے..... یہ سن کر حضرت قریشیؒ مسکرائے اور اپنا داہنا ہاتھ شاہ غلام حبیبؒ کے کندھے پر رکھ کر فرمایا: "یہی علی کا باغ ہے، یہی علی کا باغ ہے....."

حضرت شاہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے چند اہم پہلو

ا۔ دینی حمیت اور مجاہدانہ مزاج:

صفحہ ۳۱ کا بقیہ حاشیہ:.... اواخر ۱۳۵۵ھ میں قضا وقدر نے ایک عجیب وغریب اتفاق سے مجھے دو تین دن کے لئے خدمت بابرکت میں پہنچا دیا، اخلاص، توحید اور اس کی دعوت وتبلیغ کے ساتھ اتنا شغف، شرک وشوائب شرک سے اتنی بیزاری بلکہ ایسی عداوت اور اتباع سنت کے ساتھ اس قدر اہتمام مجھے کہیں اور دیکھنا یاد نہیں........ اس زمانے میں مجددی طریق سلوک کے وہ سب سے بڑے صاحب ارشاد شیخ اور ان دیار میں مجددی نسبت کے واحد حامل وامین تھے.......'

حضرت شاہ غلام حبیبؒ نے شروع سے جن علماء سے استفادہ کیا تھا، ان کی صحبت وتلمذ کی برکت سے ان کے اندر عقیدۂ توحید میں صلابت، بدعات سے نفور اور امت کی اصلاح کی فکر سرایت کرگئی تھی، چنانچہ جیسے ہی وہ اپنے آبائی گاؤں سے وعولہ (ضلع چکوال) منتقل ہوئے، انھوں نے عام لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح ہی کے مقصد سے جگہ جگہ درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا، اور ایک مدرسہ عربیہ حبیبیہ کی داغ بیل ڈالی ——— اس کے بعد ایک وقت آیا کہ چکوال کے کچھ لوگوں نے آپ کو درس قرآن کے لئے مدعو کیا، دوران درس جب آپ نے صاف لفظوں میں بدعات کے رد میں بولنا شروع کیا تو سامعین میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے ہاتھوں سے قرآن مجید چھین لیا، آپ کو منبر سے اتار دیا اور طوفان بدتمیزی بپا کیا ——— اس کے بعد آپ نے فیصلہ کرلیا کہ اب چکوال میں ہی کام کرنا ہے کہ یہاں ضرورت زیادہ ہے، چنانچہ آپ نے چکوال میں ایک صاحب کے یہاں قیام کیا جو آپ سے مانوس تھے، چندروزہ قیام کے بعد پتہ چلا کہ سرکاری کالج کے قریب ایک مسجد ویران پڑی ہے، بس آپ وہاں گئے، خود صفائی کی اور نماز قائم کی۔ وہاں آہستہ آہستہ کالج کے کچھ نوجوان آنے لگے، جن کے درمیان آپ نے قرآن کا درس دینا شروع کیا۔ جس کے ذریعہ ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی۔ مگر یہ مسجد شہر سے دور تھی، اور اہل شہر کی اصلاح کا کام یہاں بیٹھ کر حسب منشا نہیں ہو پا رہا تھا، اسی دوران آپ کو پتہ چلا کہ شہر میں ایک اور چھوٹی سی مسجد ہے جو غیر آباد ہے، آپ نے اس مسجد میں نماز کا سلسلہ شروع کردیا، بقول صاحب خطبات:

> ”آپ نے بنفس نفیس اس مسجد کو گندگی ونجاست سے پاک صاف کیا اور نماز با جماعت کا اجراء کیا، مسجد کا نیا نام ”مسجد دار العلوم حنفیہ“ رکھا، ابتداء میں آپ ہی مؤذن، آپ ہی مکبر، آپ ہی مقتدی، آپ ہی امام ہوتے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اذان دے کر نمازیوں کے انتظار میں بیٹھ جاتا، جب کافی دیر گذرنے کے بعد بھی کوئی نہ آتا تو میں اپنی نماز پڑھ لیتا اور ذکر ومراقبہ کا اہتمام کرتا ——— آپ کی دعائیں رنگ لائیں اور ایک دو نمازیوں نے مسجد میں آنا شروع کردیا، آپ نے درس قرآن پاک کا سلسلہ جاری کردیا تو نمازیوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا.....“
>
> (حیات حبیب ص ۱۱۲)

عمومی اصلاح کے لئے مسلسل اسفار:

دور دور سے تماشا دیکھنے اور تبصرہ کرنے والے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف وسلوک کے مزاج میں امت کی عمومی اصلاح کی فکر وسعی نہیں ہے —— پوری تاریخ دعوت واصلاح گواہ ہے یہ بات سراسر غلط ہے اور صرف جہالت پر مبنی ہے —— حضرت شاہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا جس سلسلہ سے تعلق تھا، اس سلسلہ کے تمام مشائخ بھی اپنے اپنے دور میں گاؤں گاؤں، قریہ قریہ عمومی اصلاح کے لئے مسلسل سفر کرتے تھے۔ اور اپنے خلفاء کو بھی عمومی اصلاح کے کام کی سخت تاکید کرتے تھے ۔ یہی ذوق ومزاج حضرت شاہ غلام حبیبؒ کا بھی تھا۔ صاحب خطبات گواہ ہیں کہ:

"آپ نے إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَّنَهَارًا (بیشک میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن) کی یادیں تازہ کردیں۔ دین کے کاموں میں تھکنا آپ کو آتا ہی نہ تھا، جہاں کہیں سے تقاضا آتا تو آپ اپنے ذاتی تقاضوں کو قربان کرکے (انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا نکلو ہلکے اور بوجھل) پر عمل پیرا ہوتے ہوئے وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسے کہ چاہئے اس کے واسطے محنت) کی بلندیوں کو چھو لیتے ۔ آپ کے سیماب صفت قلب کو احیائے دین کا غم چین وآرام نہ لینے دیتا تھا......." (حیات حبیب ص۲۲۶)

قرآن سے والہانہ شغف اور غیر معمولی مناسبت

حضرت شاہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ماہر فن اور عاشق قرآن اساتذۂ کرام سے تفسیر قرآن کا علم حاصل کیا تھا، کہ خود ان کی رگ وپے کے اندر قرآن کا علم وفہم اور اس کے عشق کا نور بھی سرایت کر گیا تھا، ان کا ہر بیان بے شمار آیات قرآنی سے مزین ہوتا تھا، ایک آیت پڑھتے تھے، پھر اس کی تشریح کے لئے دوسری آیت پڑھتے تھے، پھر تیسری، چوتھی ....اس طرح پورا بیان تفسیر قرآن بالقرآن کا شاندار نمونہ ہوتا تھا۔ صاحب خطبات نے اپنے شیخ ومرشد کے اس کمال کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

"دوران بیان آپ قرآن پاک کی آیات دلیل کے طور پر اس روانی سے پیش فرماتے

جیسے کہ موتیوں کی مالا ٹوٹ پڑی ہو اور موتی تواتر سے گر رہے ہوں۔

تفسیر قرآن بالقرآن کے معاملے میں آپ کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ آپ فرماتے تھے "جیسے ٹی وی چلتا ہے اور لوگ سامنے بیٹھے تصویریں دیکھتے رہتے ہیں، اسی طرح دوران تقریر میرے سامنے قرآن پاک کا ٹی وی چل پڑتا ہے اور میں آیتیں دیکھتا رہتا ہوں" (حیات حبیب ص ۳۹)

آپ کا اپنی زندگی کے زیادہ تر ایام میں روزانہ بعد نماز فجر درس قرآن کا معمول رہا۔ ایک مرتبہ آپ کو دربار نبوت سے بھی یہ اشارہ ملا کہ "ہمیں تمہارا قرآن بہت پسند ہے" اس کے بعد تو آپ نے اور زیادہ پابندی اور اہتمام بڑھایا۔ آپ کے درس قرآن سے بلا مبالغہ لاکھوں لوگوں کی اصلاح ہوئی۔ صاحب خطبات راوی ہیں کہ:

"حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ" آپ کا درس قرآن سنتے تو عش عش کر اٹھتے اور فرماتے: اس دور میں اگر کسی نے قرآن کو سمجھا ہے تو حضرت مولانا پیر غلام حبیب صاحب نے سمجھا ہے"۔ (حیات حبیب ص ۴۴۶)

معاصر اکابر و مشائخ سے تعلق

حضرت مولانا شاہ غلام حبیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا محبت و احترام پر مبنی رابطہ ہمارے اکابر میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت قریبی تھا، ان کے ساتھ حج بھی کیا تھا، پھر ان کی وفات پر تعزیت کی نیت سے وہ سفر کر کے مرکز نظام الدین تشریف لائے، اور وہاں سے ایک جماعت کے ساتھ کلکتہ کا سفر کیا۔ حضرت مولانا عبدالغفور نقشبندی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں تھے، ان سے بھی بہت گہرا تعلق تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا آپ کی ملاقاتیں مدینہ منورہ میں ہوئی تھیں۔ بلکہ کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ حضرت شیخؒ جس مدرسۃ العلوم الشرعیۃ میں قیام فرماتے تھے، اسی کے بالائی منزل والے کمرے میں آپ حضرت شاہ غلام حبیبؒ کے قیام کا بندوبست کروا دیتے تھے، صاحب خطبات نے لکھا ہے:

"آپ کو حضرت شیخ الحدیثؒ سے اتنی محبت تھی کہ مجالس میں تذکرہ کرتے ہوئے وفور محبت میں آبدیدہ ہو جاتے تھے، جب حضرت شیخ الحدیث کی وفات حسرت آیات

کی جان کا وہ خبر ملی تو آپ بہت دیر تک اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھتے رہے، اور آپ پر ایسی کیفیت طاری تھی جیسا کہ افراد خانہ میں سے کسی نے داعی اجل کو لبیک کہا ہو۔"
(حیات حبیب ص ۱۸۰)

مشہور محدث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی آپ سے بے حد محبت وعقیدت تھی، جب بھی آپ کراچی میں ہوتے تو حضرت بنوریؒ آپ سے اپنے مدرسہ کے لئے پروگرام طلب فرماتے تھے، طلبہ کو بار بار تاکید فرماتے کہ وہ آپ سے باطنی رشتہ استوار کر کے اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کو شدید محبت تھی۔ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے آپ ایک بار تھانہ بھون بھی تشریف لے گئے تھے۔

صاحب خطبات کی شخصیت کا ایک اہم پہلو:

علم، عقل اور عشق کی جامعیت:

حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت و خلافت دی تھی، اس وقت ان سے کہا تھا:

"باری تعالیٰ ترا علم وعقل وعشق عطا فرمودہ است"
(باری تعالیٰ نے تم کو علم، عقل اور عشق عطا فرمادیا ہے۔)

ہمارے صاحب خطبات کی شخصیت کا قریب سے مطالعہ کرنے پر صاف نظر آتا ہے کہ بلاشبہ ان کی ذات میں بھی توفیق الٰہی نے مذکورہ بالا تینوں صفات جمع فرمادی ہیں ـــــ علم کا حال یہ ہے کہ وہبی اور کسبی دونوں طرح کے علوم ان کے پاس جمع ہیں۔ ان کی راتوں کا بیشتر حصہ کتابوں کے مطالعہ میں گذرتا ہے۔ ان کا ہر بیان سیکڑوں صفحات کے مطالعے کا نچوڑ ہوتا ہے ـــــ وہ طلبہ اور طالبات کے کئی کئی مدارس دنیا کے مختلف ملکوں میں چلا رہے ہیں۔ ایسے پروفیشنل نوجوانوں کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے جو ان سے وابستہ ہونے کے بعد پورے درس نظامی سے فارغ ہوئے، وہ ذکر کے ساتھ ساتھ علم پر بے حد زور دیتے ہیں۔ خود حدیث کی مشہور کتاب شمائل ترمذی کا درس دیتے ہیں جو طلبہ ہی میں نہیں علماء واساتذہ میں بھی بے حد مقبول ہے۔ مختلف وقتی ضرورت کے موضوعات پر بھی

ان کے علمی دروس کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، مثلاً انکار تقلید کے رائج الوقت فتنے کے سدباب کے لئے انھوں نے درس کے حلقے منعقد کئے ہیں ــــــ

جہاں تک وہبی علم کا سوال ہے تو اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا مجھے اپنی حدود سے تجاوز معلوم ہوتا ہے اور ان کے افکار و تعبیرات اس کے شاہد عدل ہیں۔

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری صفت عقل بیان کی ہے۔ تو اس کا گواہ ہر وہ شخص ہے جس نے ان سے نجی معاملات میں رہنمائی طلب کی ہو یا اجتماعی معاملات میں، کہ عقل معاد اور عقل معاش دونوں سے اللہ نے ان کو خوب خوب نوازا ہے، اور بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ان اللہ والوں کو صرف دماغ کی ذہانت نہیں ملتی، قلب اور روح کی ذہانت بھی ان کو ملتی ہے۔

اور رہ گیا عشق تو اس کی بابت یہ ہیچ مداں کچھ بھی عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا، اس لئے کہ پورا زمانہ اس بات کا گواہ ہے کہ اس دور میں مشرق و مغرب، شمال و جنوب اور عرب و عجم ہر طرف ''دوائے دل'' کی تقسیم کا کام شاید سب سے زیادہ ان ہی سے لیا جا رہا ہے ــــ

وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

مبارکاھادیاللناس　محتسباً　علی الانام بلامنٍ ولاثمن
یلقی الیہ رفاق الناس کلھم　علی المحامل والاقتاب والسفن
یظل منعفرللّٰہ مبتھلا　یدعوالالٰہ بقلب دائم الحزن

اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ان کی شخصیت سازی میں ایک سے ایک بڑھ کر اہلِ دل شریک رہے ہیں۔

کتنے عالم ہیں جو غنچے پہ گزر جاتے ہیں
تب کہیں جاکے وہ رنگین قبا ہوتا ہے

بس اب میں قلم روکتا ہوں، صاحب خطبات کی شخصیت کا تعارف کرانا میرے بس کی بات کہاں ہے کیونکہ

یہ رمزی بے بصیرت ہے تیرے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا وہی تیرے اوصاف پہچانے

اور ؎

گلچین بہار تو ز تنگی داماں گلہ دارد

اور کیا خوب ہو کہ اہل ذوق تماشا کی باتوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود قریب سے دیکھیں ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

بس اب مجھے درمیان سے ہٹ جانا چاہئے اب آپ ہیں اور حضرت کے ارشادات، پڑھئے اور فائدہ اٹھایئے! اور اپنی دعاؤں میں ہم سب کو یاد رکھئے۔

آپ سب کی دعاؤں کا محتاج وطالب
خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی نقشبندی
خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ نعمانیہ
مدا پور نیرل (کرجت)
ضلع رائے گڈھ (مہاراشٹر)
۲۸/ شعبان ۱۴۳۲ھ / ۳۱ جولائی ۲۰۱۱ء

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنّم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

اگلے صفحہ پرآپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، وہ بمبئی کے علاقے ،گووونڈی کے ایک وسیع میدان ''چھیڈا گراؤنڈ'' میں، ۱/۳ اپریل ۲۰۱۱ء بروز اتوار بعد نماز مغرب ہوا تھا، مجلس میں علماء، خواص و عوام کے علاوہ ایک الگ جگہ پر مستورات بھی کثیر تعداد میں حاضر تھیں، شرکاءِ مجلس کی کل تعداد کا محتاط تخمینہ ۸۰ ہزار بتایا گیا

احترام انسانیت

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین، والحمد للہ رب العٰلمین
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم

انسان کی چند خصوصیات:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی، اکرام اور احترام قریب المعنی الفاظ ہیں، اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں یہ پیغام دیا ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو عزت بخشی۔ اس کی چند صورتیں ہیں، سب سے پہلی صورت الصورۃ الحسنۃ انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ دوسری "مَنْحَۃُ الْعَقْلِ" اس کو عقل کی نعمت سے نوازا، یہ وہ نعمت ہے جو انسان کو باقی جانداروں سے ممتاز کرتی ہے، اس عقل کی نعمت کے صدقے آج انسان Most modern scientific world (سائنسی ترقی یافتہ دنیا) میں زندگی گذار رہا ہے۔ تیسری "مَنْحَۃُ النُّطْقِ" اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی صفت سے نوازا، آپ دیکھئے کہ باقی جاندار بھی ایک دوسرے سے Communicate (رابطے کرنا) کرتے ہیں، مگر اشارات میں، اور جس فصاحت اور بلاغت کے ساتھ انسان اپنے مافی

الضمیر کو بیان کرتا ہے، دوسرے جاندار کو یہ نصیب نہیں ہے۔ چوتھی ''اَکْرَمَهُ بِالنِّعَمِ'' اللہ رب العزت نے انسان کو لاتعداد نعمتوں سے نوازا۔ پانچویں ''خَلَقَهُ بِيَدَيْهِ'' اللہ رب العزت نے انسان کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا۔ چھٹی ''فَضَّلَهُ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ'' باقی جانداروں سے زیادہ اس کو فضیلت بخشی، چنانچہ انسان اپنے دونوں ہاتھوں کو استعمال کر کے اپنے کام کرتا ہے، دوسرا کوئی جانور یا جاندار اپنے ہاتھوں کو اس طرح استعمال نہیں کر پاتا۔ ساتویں ''بِاِرْسَالِ الرُّسُلِ'' اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے معصوم ہستیوں کو بھیجا، اپنے انبیاء کو دنیا میں بھیجا، یہ اللہ رب العزت کی بندوں سے محبت کی واضح دلیل ہے۔ آٹھویں اللہ رب العزت نے انسان کے سینے میں دل رکھا ہے جو احساس اور جذبات کا مقام ہے، چنانچہ فطری طور پر ہر انسان میں ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ پایا جاتا ہے، اگر کسی جگہ چند لوگ ہوں اور کوئی بچہ رونے لگ جائے تو ہر بندہ فوراً متوجہ ہوگا کہ بچہ کیوں رو رہا ہے؟ حالانکہ وہ اس کا بیٹا نہیں، رشتہ دار نہیں، لیکن انسان کا بچہ تو ہے۔ معلوم ہوا کہ حساس دل کا نصیب ہونا یہ ایک انسان کے لئے کمال کا درجہ ہے۔ ہم لوگ کالج کے زمانے میں پڑھا کرتے تھے ایک انگریزی زبان میں مضمون تھا، کسی Writer (مصنف) نے اپنا Section (مقالہ) لکھا اس نے Forecast (پیشن گوئی) کیا کہ آنے والے وقت میں سائنسی ترقی کتنی ہوجائے گی، اس نے تمہید باندھنے کے بعد یہ لکھا کہ انسان Robot (سائنسی دنیا کی انسان نما مشین) بنائے گا اور وہ اتنا اچھا ہوگا کہ ہر اعتبار سے انسان سے بہتر ہوگا، مثال کے طور پر انسان رات میں نہیں دیکھ پاتا، دن میں دیکھتا ہے، روبوٹ دن میں بھی دیکھے گا اور Night vision instruments (رات میں دیکھنے والے آلات) ہوں گے تو رات میں بھی دیکھے گا، پھر انسان ایک Limited frequency (محدود صوتی سطح) کی آواز کو سن سکتا ہے، نہ اس سے اُوپر سنتا ہے، نہ اس سے نیچے، لیکن روبوٹ کی Frequency کا Band (آواز کو قبول کرنے کا دائرہ) بہت وسیع ہوگا، پھر انسان دو سے تین زبانیں بولتا ہے،

وہ روبوٹ دنیا کی ساری زبانیں بولے گا، پھر انسان کے پاس ایک ٹیکنالوجی ہوگی یا انجینئرنگ ہوگی یا میڈیکل ہوگی یا مینجمنٹ پڑھی ہوگی، اس روبوٹ کے اندر ایسی Hard disc فٹ ہوگی جو Thousand tera byte power کی ڈسک ہوگی اور دنیا جہان کے علوم اس میں ہوں گے، کوئی Question (سوال) پوچھو تو فوراً جواب دے گا۔ پھر اس کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہوگی، انسان بیمار بھی ہوتا ہے، وہ Stainless steel (زنگ لگنے سے محفوظ اسٹیل) کا بنا ہوگا، نہ خراب ہوگا نہ کچھ ہوگا، Production (پیداوار) نکالے گا، Non stop 24 hours (مسلسل شب و روز) کام کرے گا، حتی کہ وہ ایک Model (نمونہ) قسم کا روبوٹ ہوگا۔ پھر آگے اس Author (مصنف) نے کہا کہ یہ بندہ اللہ رب العزت کے سامنے دعوی کرے گا کہ اے پروردگار عالم! آپ نے بھی بندے بنائے، انسان بنائے، اور میں نے اس کے مقابلے میں روبوٹ بنایا، میرا روبوٹ اس بندے سے تو کئی درجے بہتر تھا، اللہ فرمائیں گے کیسے؟ تو اس کے بنے ہوئے جو چند روبوٹ ہوں گے وہ ان کو کوئی Command (ہدایت) دے گا، سارے روبوٹ ایک لائن میں چلنے لگیں گے اللہ رب العزت اپنی قدرت سے ان میں ایک میں Fault (خرابی) ڈالیں گے اور کڑک کر کے اس کا کوئی Part (پرزہ) ٹوٹ جائے گا، جب پرزہ ٹوٹ جائے گا تو وہ روبوٹ وہیں کھڑا ہو جائے گا، اور باقی روبوٹ اسی طرح بے پرواہ لائن میں چلتے رہیں گے۔ اللہ رب العزت فرمائے گا کہ دیکھ لیا تم نے اپنی مشینوں کو کہ ایک مشین میں Fault (خرابی) ہوا۔ باقی Function (کام) کر رہی ہیں، ان کو پرواہ ہی نہیں ہے، پھر اللہ تعالی اپنے چند بندوں کو کھڑا کریں گے اور اپنی قدرت سے ان میں سے ایک کے پیٹ میں درد کر دیں گے تو جیسے ہی اسے درد ہوگا تو باقی سارے لوگ اپنا کام چھوڑ کے قریب آجائیں گے، اسے بٹھائیں گے، کوئی پاؤں دبائے گا، کوئی ہاتھ دبائے گا، کوئی پوچھے گا کہ کیا ہوا، درد اس کو ہو رہا ہوگا اور آنسو دوسرے بندے کے گر رہے ہوں گے، جب دوسرے کی آنکھ سے آنسو گریں گے تو اللہ تعالی

فرمائیں گے کہ میرے بندے! دیکھو تمہارے روبوٹ کے اندر یہ احساس ہے؟ یا یہ بے حس چیز ہے، وہ کہے گا: بے حس چیز ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے بندے کا کمال یہ ہے کہ میں نے اسے حساس دل عطا کیا ہے۔ تو بندے کی عظمت یہ ہے کہ اس کے سینے میں حساس دل ہونا چاہئے، جو بے حس انسان ہو اس میں اور جانور میں پھر کیا فرق ہوتا ہے۔

انسانی ہمدردی کے دو بنیادی اصول

چنانچہ شریعت کی خوبصورتی دیکھئے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں انسانی ہمدردی اور اخوت کے دو بنیادی اصول Fundamental law بتائے وہ یہ ہیں؛ کہ جب ہم کسی سے بات کرنے لگتے ہیں تو دوسرا بندہ سب سے پہلے ہمارے Facial expressions (چہرے کے تاثرات) کو دیکھتا ہے، اگر اپنائیت ہو، محبت ہو، مسکراہٹ ہو تو دوسرا بندہ دوست سمجھتا ہے اور اگر چہرے کے اوپر اجنبیت ہو اور سنجیدگی ہو اور غصہ کے آثار ہوں تو دوسرا بندہ بدک جاتا ہے، تو معلوم ہوا کہ سب سے پہلا Message (پیغام) جو ملتا ہے وہ انسان کے چہرے کے آثار سے ملتا ہے، اس لئے شریعت نے ہمیں حکم دیا ''وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ'' اس آیت میں صرف ایمان والوں کا تذکرہ نہیں ہے ''لِلنَّاس'' کہا کہ تم انسانوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے چہرے کو مت پھلاؤ، کھلے چہرے سے بات کرو، شگفتہ چہرے سے بات کرو، اب دیکھئے کیا خوبصورت Message (پیغام) ہے جو اللہ رب العزت نے دیا کہ جس سے بھی بات کر رہے وہ اللہ کا بندہ تو ہے، لہٰذا بات کرتے ہوئے سب سے پہلی چیز کہ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ ہو اپنائیت ہو، محبت ہو، جب تمہارے چہرے کے اثرات کو وہ دیکھے گا تو اور قریب ہو جائے گا۔

دوسری چیز انسان کی گفتگو ہوتی ہے، اگر الفاظ کا چناؤ اچھا ہو تو وہ بندہ محبت کرنے لگ جاتا ہے اور اگر Rough & Tough (غیر مہذب اور سخت) الفاظ والے بندے ہوں تو وہ آدمی پریشان ہو جاتا ہے، اس بارے میں شریعت نے ایک Ruling (ضابطہ) دی

فرمایا "قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا" "تمام انسانوں کے ساتھ تم اچھے انداز سے گفتگو کرو، یہ دو اصول ایسے ہیں کہ جن کو پڑھ کر انسان دینِ اسلام کی خوبصورتی پر حیران ہوتا ہے، ہم کسی سے بھی گفتگو کر رہے ہوں، اس کا کوئی مذہب ہو، کوئی ذہن ہو، جو بھی ہو اللہ کا بندہ تو ہے۔ لہٰذا دو باتیں ہمیں سامنے رکھنی ہیں، ایک تو ہم شگفتہ چہرے سے بات کریں اور دوسرے الفاظ کا چناؤ ایسا ہو کہ دوسرے کے دل میں خوشی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو اور Explain اور Elaborate (واضح اور مفصل) کر دیا۔ مسلم شریف کی روایت ہے فرمایا: "تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ" انسانوں کو اپنے شر سے بچاؤ، ہم میں سے ہر بندے کے اندر خیر بھی ہے شر بھی ہے، خوش موڈ میں ہوں گے تو خیر نکلے گا اور اگر غصہ آ جائے گا تو پھر شر نکلے گا، چہرہ بدل جائے گا، الفاظ Different (مختلف) ہوں گے، ایسے لگے گا جیسے کوئی خونخوار جانور ہوتا ہے تو شر تو ہوتا ہی ہے، لیکن شریعت نے کہا کہ "تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ" انسانوں سے تم اپنے شر کو الگ رکھو اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ۔

شریعت کا ایک مسئلہ سن لیجئے کہ اگر مجلس میں بیٹھے ہیں اور آپ کے دل میں ایک بات پیدا ہوئی کہ میں فلاں کا مذاق اڑاؤں لیکن آپ اس کا مذاق نہیں اڑاتے تو چونکہ آپ نے اپنے آپ کو روکا، لہٰذا اس روکنے پر اللہ رب العزت نیکیاں عطا فرمائیں گے، کیا تو کچھ نہیں ہے لیکن جو ایک Bad temptation ہو رہی تھی (برا خیال آ رہا تھا) کہ فلاں کی K i d لگاؤ، اس کا مذاق اڑاؤ لیکن میں نے اپنے جذبات کو روکا، کہ نہیں مجھے کسی کو Humiliate (بے عزت) نہیں کرنا ہے، کسی کی Public insult (عزت اچھالنا) نہیں کرنی ہے، اب اگر میں نے اپنے اس جذبہ پہ قابو پا لیا تو اس قابو پانے پر مجھے صدقے کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ تو پہلا اصول بتایا "تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ" انسانوں سے اپنے شر کو تم ایک طرف رکھو۔

اور دوسری بات فرمائی: "اَحَبُّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ اَنْفَعُھُمْ لِلنَّاسِ" کہ انسانوں

میں سب سے زیادہ اللہ رب العزت کو وہ شخص محبوب اور پیارا ہوتا ہے جو انسانوں کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے، ایک Litmus test (زبردست کسوٹی یا پیمانہ) بتادیا کہ کسی بندے کے بارے میں معلوم کرنا چاہو کہ یہ اللہ کا پیارا ہے کہ نہیں، تو یہ دیکھو کہ وہ بندوں کو کتنا نفع پہنچاتا ہے، جو اللہ کے بندوں کو جتنا نفع پہنچائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا اتنا ہی پیارا ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے وبالِ جان بنا پھرتا ہوگا تو پھر وہ اپنا مقام بھی اللہ کی نظر میں دیکھ لے۔

اسلام میں مساوات انسانی

پھر تعلیمات اسلامی میں دو باتیں ہیں، فرمایا ایک تو جتنے بھی انسان ہیں سب برابر ہیں، نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''لافضلَ لِعربيٍ علی عَجمِيٍ و لا لِعَجميٍ علی عرَبيٍ ولالِاَبیضَ علی اَسودَ ولالِاَسودَعلی اَبیضَ اِلّاَبِالتَقوٰی'' گورے کو کالے پر فضیلت نہیں، عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، گو یا رنگ، نسل اور زبان کی وجہ سے کوئی کسی سے بہتر نہیں ہے، آج چودہ سو سال گذرتے کے بعد جو Progressive nations (ترقی یافتہ ممالک) ہیں وہ کہتی ہیں (No discrimination of colour and race، ہمیں یہ پیغام چودہ سو سال پہلے دے دیا گیا کہ دیکھو رنگ کی وجہ سے، زبان کی وجہ سے کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں، ہاں! جو تم میں سے بہتر تقوے والا انسان ہوگا اس کو دوسرے کے اوپر فضیلت حاصل ہوگی۔

اب اس کے بارے میں ایک عجیب واقعہ سن لیجئے، ابوذر رضی اللہ عنہ کا ایک خادم تھا، ایک مرتبہ اس سے کوئی غلطی ہوگئی، غلطی پر جب ابوذر کو غصہ آیا تو انھوں نے فرمایا: ''یاابنَ السوداء'' او کالی کے بیٹے، وہ حبشن کی بیٹے تھے، اس کی ماں حبشن تھی، تو انھوں نے یہ الفاظ کہدیئے، اس پر دیکھئے نبی ﷺ نے کیا بات سمجھائی، بخاری شریف کی روایت ہے ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''اِنِّي سَابَبتُ رجلاً فعَيَّرتُهُ بِاُمِّهِ'' میں نے ایک آدمی پر غصہ کیا اور میں نے ماں کے بارے میں اس کو عار دلائی کہ تیری ماں کالی ہے، ''فقَالَ لِی النبیﷺ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یا اَباذرٍ'' ''اے ابوذر!'' ''اَعیَرتَهٗ بِاُمِّه'' تم نے اس کو ماں کی وجہ سے عار دلائی؟ ''اِنَّکَ امرؤٌ فِیکَ جاهِلِیَة'' تو ایسا بندہ ہے کہ ابھی تیرے اندر جاہلیت کی باتیں موجود ہیں، ''اِخوانکم خَوَلکم'' یہ جو تمہارے خادم اور غلام ہیں یہ تمہارے بھائی ہیں ''جَعَلَهُمُ اللهُ تَحتَ اَیدِیکُم'' اللہ نے ان کو تمہارا ماتحت بنادیا ہے'' فَمَنْ کَانَ اَخوهٗ تحتَ یدِه ''جس بندہ کا بھائی اس کا ماتحت ہو'' فَلْیُطعِمهُ مِمَّا یَاکُلُ'' اس کو چاہئے کہ اس کو وہ کھانا کھلائے جو خود کھائے'' وَلیُلبِسهُ مِمَّا یَلبَسُ' 'جو خود پہنتا ہے وہ کپڑے پہنائے'' وَلَاتُکَلِّفوهُمْ مَایَغلِبُهُمْ'' ان پر تم کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ کرنہ سکیں ''فَاِنْ کَلَّفتُموهُم ''اور اگر کام کا بوجھ ڈالو ''فَاَعِینُوهُم ''تو پھر تم بھی ان کا ساتھ دے کر کام میں ان کی مدد کیا کرو۔ اب جب یہ بات ابوذر رضی اللہ عنہ نے سنی تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہونے کا حق ادا کردیا۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو اپنے اس غلام کے

پاس گئے اور اس کے پاس جاکر زمین پر لیٹ گئے اور کہا کہ جب تک تم میرے رخسار پر اپنا پاؤں نہیں رکھوگے میں زمین سے اوپر نہیں اٹھوں گا، غلام نے رخسار پر پاؤں رکھا تب وہ اٹھے کہ اب میری غلطی معاف ہوگئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہونے کا حق ادا کردیا۔ تو ایک تو انسان سب اللہ کے بندے ہیں یہ تو مساوات انسانی اعتبار سے ہے اور ایک یہ کہ سب اولادِ آدم کے بیٹے ہیں، لہٰذا انسان ہونے کے ناطے سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لاتَحَسَّسوا ولا تَجَسَّسوا ولاتَباغَضوا'' نہ تم دوسرے کے اندر عیب ڈھونڈو، نہ اس کی ٹوہ میں لگو، نہ دوسروں کے ساتھ بغض رکھو، نہ دوسروں سے پیٹھ پھیرو'' وکونوا عبادَاللہ اِخوانًا'' اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، اب یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کے لئے ایک پیغام ہے کہ ہم آپس میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزاریں۔

صلہ رحمی کی اہمیت

ہم اگر اپنی زندگی کو دیکھیں تو ہمارے گرد مختلف رشتوں کے چار دائرے ہیں، یوں سمجھیں کہ چار Concentric circle ہیں جن کا سینٹر ایک ہے، پہلا چھوٹا دائرہ، پھر ذرا بڑا، دوسرا اس سے بھی بڑا، تیسرا اس سے بھی بڑا، اور چوتھا اس سے بھی بڑا، ہر انسان کی زندگی میں یہ چار دائرے موجود ہیں، سب سے پہلا دائرہ، یہ گھر کے لوگوں کا دائرہ ہے، اس کو کہتے ہیں ''Blood relative'' یعنی نسب کا دائرہ Same blood آپس میں رشتہ دار Relative ہیں، چنانچہ شریعت نے کہا کہ جو آپس میں نسب کا رشتہ دار ہو وہ ایک دوسرے سے رشتہ داری کو جوڑے، اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتے ہیں، شریعت نے گھر کے سب لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت و پیار کی زندگی گذارنے کی تعلیم دی ہے، اولاد کو ماں باپ کے حقوق سکھائے، ماں باپ کو اولاد پر شفقت سکھائی، ایک ایک Individual (فرد) کے بارے میں شریعت نے فضیلت بتائی۔

ماں کا درجہ

ذرا سنئے! ماں کے بارے میں فرمایا: ''الجنَّةُ تحت اَقدامِ اُمَّھاتِکُم'' جنت تمہارے لئے ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اب بتایئے کہ جس شخص کو یہ تعلیم دی گئی کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے وہ اپنی ماں کی کتنی Respect (عزت) کرے گا، اس کو کتنا Obey (فرمانبرداری) کرے گا اور پھر ساتھ یہ بھی کہا کہ جس طرح اللہ رب العزت اولیاء اللہ کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں، ماں اگرچہ بے عمل ہو، اولاد کے بارے میں اس کی دعاؤں کو اسی طرح قبول فرماتے ہیں۔ اس لئے کہتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے جن کی والدہ فوت ہوگئیں، اللہ رب العزت نے انھیں الہام فرمایا کہ ''میرے بندے! ذرا سنبھل کے رہنا، جس کی دعائیں تیری حفاظت کرتی تھیں وہ ہستی اب دنیا سے چلی گئی''۔ اور اسی لئے کہتے ہیں کہ ''ماں کی دُعا جنت کی ہَوا''

والد کا درجہ

پھر اس کے بعد والد کا درجہ ہے، حدیث مبارک ہے: ''رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الوَالِدِ'' کہ باپ کی خوشی میں اللہ رب العزت کی خوشی موجود ہے، جس نے اپنے والد کو راضی کرلیا گویا اس نے اپنے پروردگار کو راضی کرلیا، کیا مقام دیا ہے والد کا شریعت میں۔

میاں بیوی کا تعلق

پھر میاں بیوی کا تعلق ہے تو خاوند کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''لَوْ اَمَرْتُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا'' اگر میں کسی کو کسی کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، تو خاوند کا اتنا اونچا مقام بتایا۔

پھر بیوی کا معاملہ آیا شریعت نے کہا: ''خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِه'' تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنے بیوی بچوں کے لئے بہتر ہے۔ لہٰذا انسان کی اچھائی کا اندازہ کاروبار سے نہیں لگائیں گے، دوستوں سے نہیں لگائیں گے، باہر کے کاموں سے نہیں لگائیں گے، اس کے لئے Yardstick (میزان) بتادی کہ دیکھو اگر تمہیں کسی بندے کو دیکھنا ہے کہ یہ کیسا ہے، کتنے پانی میں ہے؟ تو دیکھو کہ اس کا گھر والوں کے ساتھ Interaction (میل ملاپ، برتاؤ) کیسا ہے، اگر محبت پیار کے ساتھ رہتا ہے تو یہ اچھا انسان ہے، اور اگر نہیں تو یہ برا انسان۔ چنانچہ حدیث مبارک ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ شریعت نے یہاں تک کہا کہ جتنا محبت و پیار کی زندگی گذارو گے اتنا تمہیں اس پر اجر ورتبہ ملے گا۔

اولاد کا درجہ

پھر اس کے بعد بیٹا اور بیٹی کا رشتہ، تو شریعت نے بیٹے کے بارے میں بتایا، طبرانی شریف کی روایت ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رِیْحُ الْوَلَدِ مِنْ رِیْحِ الْجَنَّۃِ'' کہ باپ اپنے بیٹے کو محبت سے اگر بوسہ دے تو بوسہ دیتے ہوئے جو اس کو بیٹے کی مہک محسوس ہوتی ہے فرمایا کہ بیٹے کے جسم کی خوشبو جنت کی خوشبوؤں میں سے ہے، اگر یہ سمجھ لیا جائے تو انسان بچہ سے کتنی محبت کا اظہار کرے گا۔ پھر بیٹی کے بارے میں فرمایا: ''مَنْ کَانَتْ لَہٗ اُنْثٰی فَلَمْ یَئِدْھَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَہٗ علیھا اَدْخَلَہُ الجنَّۃَ'' جس کو اللہ بیٹی عطا فرمائے، وہ اس کی اچھی تربیت کرے اور بیٹے کو اس کے اوپر ترجیح نہ دے، بیٹی سے بھی اسی طرح محبت کرے، اس بیٹی کا فرض ادا کرے گا تو فرمایا کہ اللہ رب العزت اس بیٹی کے بدلے اس بندے کو جنت عطا فرمائے گا۔

بہن بھائی کا تعلق

بہن اور بھائی کا بھی رتبہ بتایا، چنانچہ بھائی کو کہا کہ دیکھو! بہن تمہارے لئے ناموس ہے، اس کا بوجھ زندگی بھر تم کو اٹھانا ہے اور بہن کو کہا کہ دیکھو تم کو بھائی سے محبت رکھنی ہے۔ یہ محبتیں ایسی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک حاکمِ وقت نے ناراض ہو کر ایک عورت کے خاوند کو، اس کے بیٹے کو اور بھائی کو تینوں کو گرفتار کروالیا اور اس نے حکم دے دیا کہ ان تینوں کو قتل کر دیا جائے، وہ عورت بے چاری روتی ہوئی وہاں پہنچی، اس نے کہا کہ میرے تو تین ہی محرم ہیں، تینوں کو قتل کر دیں گے تو میرا کیا بنے گا؟ تو حاکمِ وقت نے کہا اچھا تم ان تین میں سے ایک کو select (منتخب) کرلو، میں اس کو چھوڑ دوں گا، وہ امید کر رہا تھا کہ یہ خاوند کو چنے گی اور اگر خاوند کو نہ چنا تو بیٹے کو چنے گی کیونکہ ماں ہے، عورت نے تینوں پر نظر ڈالی اور اپنے بھائی کو چنا، تو حاکم وقت بڑا حیران ہوا، اس نے پوچھا کہ تم نے بیٹے اور خاوند کو چھوڑ دیا؟ تو عورت

نے جواب دیا کہ میرا خاوند اگر مجھ سے جدا ہو گیا، اللہ میرے لئے نصیب بنائیں گے تو کوئی دوسرے نکاح کی صورت نکل آئے گی، بیٹا مجھ سے جدا ہو گیا اگر میرا دوسرا نکاح ہو گا اللہ مجھے پھر کوئی دوسرا بیٹا عطا فرمائیں گے، مگر چونکہ میرے والدین دنیا سے جا چکے ہیں اس لئے اب میرا کوئی دوسرا بھائی دنیا میں نہیں ہو سکتا، اس عورت کا جواب اس کو اتنا پسند آیا کہ اس نے ان تینوں مردوں کو چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ اس لئے شریعت نے کہا کہ بہن بھائی جو سگے ہیں وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ محبت کی زندگی گذاریں۔

پھر بھائیوں میں آپس کا تعلق کیسا ہو، تو شریعت نے کہا: ''حَقُّ کَبِیرِ الِاخوۃِ علی الصغیر کحقِّ الوالِدِ علی الولِدِ'' جس طرح باپ کا حق بیٹے پر ہوتا ہے بڑے بھائی کا حق بھی چھوٹے کے اوپر ایسے ہی ہوا کرتا ہے۔ اب اگر آپس میں بھائی اس طرح محبت اور پیار سے رہیں تو ہمارے گھر تو جنت کے نمونے بن جائیں گے۔

تو شریعت نے ہر ہر فرد کی اہمیت بھی بتائی اور کہا کہ تم ایک دوسرے سے محبت اور پیار کی زندگی گزارو، یہ زندگی کا سب سے Closed circle (قریبی دائرہ) ہے، اس کو کہتے ہیں نسب کا دائرہ اور آپس میں ان کا تعلق رکھنا اس کو صلہ رحمی کہتے ہیں، حدیث مبارک میں ہے کہ جو بندہ صلہ رحمی کرتا ہے یعنی اپنے Blood relative (نسبی رشتہ دار) کے ساتھ اچھا اور محبت کا سلوک رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کے رزق میں اور اس کی عمر میں برکت عطا فرمائیں گے۔ ایک حدیث مبارک میں ہے کہ جو بندہ رشتوں کو جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں، تو دیکھئے ان رشتہ ناطوں کو جوڑنا اللہ کو کتنا پسند ہے۔

پڑوسی کا درجہ

اس کے بعد ایک دوسرا دائرہ ہے اس کو کہتے ہیں ''جیران'' یعنی پڑوس کا دائرہ، شریعت نے کہا کہ جہاں تمہارا گھر ہے اس سے ۴۰ گھر دائیں بائیں آگے پیچھے یہ جو ایک محلہ بن جاتا ہے یہ تمہارے پڑوسی ہیں، ان پڑوسیوں کے ساتھ بھی پڑوس میں ہونے کی وجہ

سے تمہارا ایک تعلق ہے، اس کو کہتے ہیں Neighborhood (پڑوس) کا رشتہ۔ ایک حدیث مبارک سن لیجئے نبی ﷺ نے فرمایا: ''واللہ لَایُؤمِنُ، واللہ لَایُؤمِنُ، واللہ لَایُؤمِنُ'' اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں، اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں، اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں، ''مَنْ لَایَأمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ'' جس بندے کی ایذاء سے اس کا پڑوسی بچا ہوا نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ کہ جو اپنے پڑوسیوں کو ایذاء پہنچائے تو نبی ﷺ نے قسم کھا کے تین مرتبہ کہا کہ وہ ایمان والا بندہ نہیں ہوسکتا۔ تو شریعت ہمیں حکم دیتی ہے کہ ہم ایک اچھا پڑوسی بن کے زندگی گذاریں۔ حدیث مبارک ہے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مازالَ جبرئیلُ یُوصِینِیْ بِالْجارِ حتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ'' کہ جبرئیلؑ پڑوسی کے حق کے بارے میں اتنی بار میرے پاس آئے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید مرنے کے بعد انسان کی وراثت میں پڑوسی کو بھی حق دیا جائے گا۔ اب اس سے اندازہ لگایئے کہ شریعت نے ہمیں ایک اچھا پڑوسی بن کر رہنے کی کیسی تلقین کی۔ حدیث مبارک میں ہے: ''اِنَّ الْجِیْرَانَ ثَلٰثَۃٌ'' پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں ''جارٌ لہٗ حقٌ واحدٌ'' ایک وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہوتا ہے۔ ''وجارٌ لہٗ حقّانِ'' ایک وہ پڑوسی جس کے دو حق ہوتے ہیں۔ ''وجارٌ لہٗ ثلٰثۃُ حُقُوقٍ'' ایک وہ پڑوسی جس کے تین حق ہوتے ہیں۔ ''فالجارُ الذی لہٗ ثلٰثۃُ حقوقٍ: الجارُ المُسلِمُ ذُوالرَّحِمِ'' وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں وہ ہے مسلمان رشتہ دار پڑوسی۔ تین حق کیسے ہوئے؟ مسلمان ہونے کا حق، رشتہ دار ہونے کا حق، اور پڑوسی ہونے کا حق، پھر فرمایا: ''واَمّا الذی لَہٗ حقّانِ'' وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں ''فالجارُ الْمُسْلِمُ'' مسلمان پڑوسی، جس سے رشتہ داری نہیں ہے، لیکن مسلمان بھی ہے، پڑوسی بھی ہے۔ اس کا ایک تو مسلمان ہونے کے ناطے حق ہے اور ایک پڑوسی کے ہونے کی وجہ سے۔ ''واَمّا الذی لَہٗ حَقٌّ واحدٌ'' اور وہ بندہ جس کا ایک حق ہے ''فَالْجارُ الْمُشْرِکُ'' وہ کافر اور مشرک پڑوسی ہے کسی اور دین مذہب کا ہے، فرمایا اس کا بھی تمہارے او پر حق ہے۔

اس لئے ہمارے اکابر اپنے پڑوس کے لوگوں کا بہت لحاظ وخیال کیا کرتے تھے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی تھا اور وہ یہودی تھا، وہ اپنی ضروریات کی وجہ سے کہیں Move (منتقل) کرنا چاہ رہا تھا، ایک آدمی اس جگہ مکان خریدنے میں Interested (خواہاں) تھا، وہ آیا اور اس نے آکر کہا کہ بھائی آپ اس مکان کی مجھ سے کتنی قیمت لیں گے؟ اس نے کہا دو ہزار دینار، وہ بندہ بڑا حیران ہوا، اس نے کہا یار! Neighborhood (آس پڑوس) میں ایسے مکانات ایک ہزار دینار میں مل جاتا ہے، تم مجھ سے دوگنی قیمت مانگ رہے ہو تو، یہودی نے جواب دیا کہ تمہاری بات ٹھیک ہے، مکان کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور دوسرا ایک ہزار دینار امام احمد بن حنبلؒ کے پڑوس کی قیمت ہے۔ جب ہم صحیح معنوں میں Practicing (عملاً) مسلم تھے تو ہمارے پڑوس کے گھروں کی قیمتیں بڑھ جایا کرتی تھیں، قریب رہنے سے لوگ اتنا خوش ہوتے تھے تو معلوم ہوا کہ ایک اچھا مسلمان ہمیشہ ایک اچھا پڑوسی ہوا کرتا ہے، یہ دوسرا دائرہ ہوا۔

ایمان والوں کا آپسی تعلق

ایک تیسرا دائرہ ہے ایمان کا دائرہ کہ جہاں بھی کوئی ایمان والا ہے ہمارا اس کے ساتھ ایک رشتہ ہے، مشرق میں ہو، مغرب میں ہو، جنوب میں ہو، شمال میں ہو، نبی ﷺ نے فرمایا: ''المُسلِمُ أخو المُسلِمِ'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا ہمارے دل میں ایک مومن کے ساتھ ہمدردی، محبت اور غم خواری ہونی چاہئے۔ حدیث مبارک ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں مومن کا غم نہیں وہ میری امت میں سے نہیں۔ ابوداؤد شریف کی روایت ہے نبی ﷺ طواف فرما چکے، بیت اللہ پر نظر پڑی تو فرمایا: بیت اللہ! تیرا مقام اللہ کے یہاں بہت ہے مگر ''حُرمةُ المُؤمِنِ أَرْجَحُ مِنْ حُرمةِ الكَعبةِ'' اللہ کے یہاں مومن کی حرمت بیت اللہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے، اب بیت اللہ کا تو غلاف پکڑ کے ہم آنسو بہاتے ہیں اور مومن

کا گریبان پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ہمیں یہ ایمان کا رشتہ بھی نبھانا ہے۔

مومن کا اکرام

نبی ﷺ ایمان والے کا اتنا اکرام فرماتے تھے کہ کوئی اگر سائل آجاتا تو نبی ﷺ اس کو رد نہیں فرماتے تھے۔ کیا خوبصورت بات ہے کہ اگر کبھی کوئی صحابی نبی ﷺ کو دور سے آواز دیتے تو نبی اس کے جواب میں لبیک فرمایا کرتے تھے۔ نبی ﷺ سفر میں ہیں، آپ نے دو مسواک بنائے، ایک مسواک بڑا سیدھا خوبصورت تھا، دوسرا ذرا ٹیڑھا سا تھا اتنا خوبصورت نہیں تھا تو نبی ﷺ نے ٹیڑھا مسواک اپنے پاس رکھ لیا اور خوبصورت مسواک صحابی کو دے دیا، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا جی چاہتا ہے یہ زیادہ اچھا خوبصورت مسواک آپ استعمال کریں، نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا: میرا بھی جی چاہتا ہے تم میرے رفیق سفر ہو، میں تمھیں استعمال کرنے کے لئے اچھی چیز دوں، نبی ﷺ کا سینہ بے کینہ تھا، دل میں کسی کے بارے میں رنجش نہیں ہوتی تھی۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میں رات میں سوتا ہوں تو میرا سینہ کینہ سے خالی ہوتا ہے، یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت پر عمل کرے گا وہ شخص جنت میں میرے ساتھ اکٹھا ہوگا، لہٰذا ہم بھی دل سے کینے کو ختم کردیں، نفرتیں، عداوتیں اور دشمنیاں دلوں کے اندر رکھنا، غصے رکھنا، یہ مومن کا شیوہ نہیں ہوتا، مومن کا سینہ کینے سے خالی ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے بھائی کے عیبوں کی پردہ پوشی کرو، جس بندہ نے مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی کی "سَتَرَہُ اللّٰہُ یومَ القیٰمۃ" اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کے عیبوں کی ستر پوشی فرمائیں گے۔

اس سے بھی آگے کی بات سنئے! بخاری شریف کے ان الفاظ کو پڑھ کے طبیعت میں عجیب سرور آتا ہے کہ دین ہمیں کیا سکھاتا ہے، سبحان اللہ! نبی ﷺ نے ایک دعا مانگی جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں "باب قولِ النبیِّ ﷺ: مَنْ آذَیْتُہٗ فَاجْعَلْہُ لَہٗ

زکاۃ ورحمۃ'' کے تحت نقل کیا: ''عن أبي هريرة'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کو روایت کرتے ہیں کہ ''أنه سمع النبي ﷺ يقول'' وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا نبی ﷺ اللہ سے یہ دعا کررہے تھے: ''اللهم'' اے میرے اللہ! ''فأيما مؤمن سببته'' اگر میں نے کسی ایمان والے کو کبھی ڈانٹا ہے ——— چونکہ تربیت کرنی تھی، سمجھانا تھا، معلم بن کے رہنا تھا تو بعض مرتبہ انسان سختی سے بات کردیتا ہے ——— تو ذرا سنئے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ دعا کررہے ہیں اے اللہ! اگر میں نے زندگی میں کسی ایمان والے کو ڈانٹا ہے ''فاجعل ذلك له قربة إليك يوم القيمة'' میری اس ڈانٹ کو قیامت کے دن اپنے قرب کا ذریعہ بنادے، کیا رحمت اور کیا شفقت ہے کہ اول تو اللہ کے حبیب ﷺ رحیم وکریم تھے اور اگر کبھی کسی کو ڈانٹا بھی تو اس کے لئے بھی دعا مانگی کہ اے اللہ! میری اس ڈانٹ کو بھی اپنے اس بندے کے لئے قرب کا ذریعہ بنادے۔ آج اگر خاوند کسی بیوی کو ڈانٹتا ہے تو کبھی نماز کے بعد دعا بھی مانگی کہ اللہ میں بے جا ڈانٹ کے آیا ہوں، میری اس ڈانٹ کو اپنے قرب کا ذریعہ بنالے؟ ہمارا تو حال یہ ہے کہ ہم دوسرے کو ایذاء پہنچانے کے لئے ڈانٹتے ہیں۔

ایک اور بات بخاری شریف میں ''باب قول النبي ﷺ: من ترك مالا فلأهله'' کے تحت یہ روایت بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم'' میں مومنوں کو ان کی جان سے بھی زیادہ محبوب ہوں ''فمن مات'' جو کوئی ایمان والا مرا ''وعليه دين'' اور اس کے اوپر قرضہ ہو ''ولم يترك وفاء'' اور اس نے وراثت میں کوئی مال نہیں چھوڑا ''فعلينا قضاؤه'' نبی ﷺ نے فرمایا اس کا قرضہ ہم ادا کریں گے، سبحان اللہ! آج کوئی بندہ فوت ہوتا ہے، لوگ یتیموں کا حق کھا جاتے ہیں، جائداد سے محروم کردیتے ہیں، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے ہوتے ہیں، اللہ کے حبیب ﷺ کا معاملہ دیکھو، فرمایا: جو مومن فوت ہوجائے اور اس کے ذمہ قرضہ ہے مگر اس کی وراثت اتنی نہیں فرمایا ''فعلينا قضاؤه'' اس

بندے کا قرضہ میرے ذمہ ہے، میں ادا کروں گا، ''وَمَنْ تَرَکَ مالاً'' اور جو بندہ اس طرح مرا کہ اس نے مال کو چھوڑا ''فَلِوَرَثَتِہ'' اس کے مال کو اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا، تو مال اس کے وارثوں میں تقسیم کریں گے، نبی ﷺ نے فرمایا قرضہ میں ادا کروں گا، ہے کوئی مجمع میں نیت کرنے والا کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ایسی محبت کا تعلق رکھوں گا؟ یہ آسان کام نہیں ہے، اس کے لئے بڑا دل چاہئے، بڑا حوصلہ چاہئے، ہم تو ذرا سی بات پہ اس کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے پتہ نہیں کیسی دشمنی ہو، اللہ کے حبیب ﷺ نے رأفت و رحمت کا سبق دے دیا کہ دیکھو جو انسان ہے اور اس نے کلمہ پڑھا وہ تمہارا بھائی ہے، اب تمہاری اس کے ساتھ اتنی ہمدردی ہونی چاہئے کہ قرضہ چھوڑ کے اگر وہ چلا گیا تو اس کا قرضہ بھی تم ادا کرو گے، اللہ کے یہاں تمہیں اس کا اجر ملے گا، اس کو کہتے ہیں ''اللہ کے بندوں کے ساتھ اللہ کے لئے محبت کرنا''

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

نبی ﷺ کی یہ شان مبارک تھی:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

غریبوں کا ملجا یتیموں کا ماوی
خطا کار سے درگذر کرنے والا

آج نبی ﷺ کے امتی ہونے کے ناطے ہمیں چاہئے کہ ہم بھی ایسا احساس دل پیدا کریں کہ جو دوسروں کو محبتیں دینے والا ہو، پیار دینے والا ہو، خوشیاں دینے والا ہو

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا کہ میرے ہیں

اچھوں سے ہر کوئی محبت کرتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا تم بروں سے بھی محبت کرو، آخر وہ ہیں تو اللہ ہی کے بندے، اللہ کے بندے ہونے کی نسبت سے ان سے محبت کرو۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک واقعہ سن لیجئے، عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے محدث گذرے ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نمایاں شاگردوں میں ان کا نام آتا ہے، اللہ رب العزت نے ان کو دنیا کا مال بھی بہت دیا تھا، ایک دفعہ ایک مسلمان ان کے پاس آیا، کہنے لگا حضرت! میرے اوپر کسی کے سات سو دینار دینے ہیں اور مجھے ہر وقت اس کی فکر سوار رہتی ہے، اگر آپ میری مدد کریں اور میں قرضہ ادا کر دوں تو میں یکسوئی سے عبادت کروں گا، اللہ اللہ کروں گا، تو حضرت نے ایک چٹھ لی اور چٹھ کے اوپر اپنے قلم سے لکھ دیا کہ اس بندے کو Seven hundred (سات سو) دینار کے بجائے Seven thousand (سات ہزار) دینار دئے جائیں، مانگنے والے نے سات سو دینار مانگے تھے اور انھوں نے Seven thousand (سات ہزار) کی چٹھ بنا کردے دی، وہ بندہ خوشی خوشی وہ چٹھ لے کے ان کے Cashier (محاسب) کے پاس گیا کہ میرے اوپر سات سو دینار کا قرضہ ہے اور

عبداللہ ابن مبارک نے قرضہ ادا کرنے کے لئے مجھے چٹھ بنادی ہے، برائے مہربانی مجھے دیدیں، اب Cashier (محاسب) نے جب چٹھ دیکھی تو اس پر لکھا ہوا تھا Seven thousand (سات ہزار) وہ Confuse (شش و پنج میں پڑ جانا) ہوگیا، یہ کہتا ہے کہ Seven hundred (سات سو) میں نے مانگے اور حضرت نے سات ہزار لکھے، ایک Zero (صفر) کی غلطی ہوگئی ہوگی، اس نے کہا میں ذرا Clarify (وضاحت) کرلوں، وہ خود حضرت کے پاس آیا کہ حضرت! یہ کہتا ہے کہ Seven hundred (سات سو) کی ضرورت ہے، آپ نے Seven thousand (سات ہزار) لکھ دیئے تو میں اس کو کتنے Pay (ادا) کروں، فرمایا کہ چٹھ لاؤ، چٹھ لی اور سات ہزار کو کاٹ کے اس کے اوپر Fourteen thousand (چودہ ہزار) لکھ دیئے، وہ Accountant (منشی) بہت حیران ہوا، خیر اس نے Fourteen thousand (چودہ ہزار) دے تو دیئے، وہ بندہ بڑا خوش چونکہ اس کو Unexpected (اچانک، غیر متوقع) خوشی ملی تھی اور وہ دعائیں دیتا ہوا چلا گیا، یہ Accountant (منشی) واپس حضرت کے پاس آیا، حضرت! مجھے سمجھ میں نہیں آیا، اس نے سات سو مانگے تو آپ نے سات ہزار لکھے، میں Clarify (وضاحت) کرنے آیا تو اس کو Fourteen thousand (چودہ ہزار) کردیا، یہ کیا مسئلہ ہے؟ حضرت نے فرمایا: کہ بھائی دیکھو اس نے سات سو ہی مانگے تھے؛ میں نے یہ سوچ کر Intentionally (ارادتاً) Seven thousand (سات ہزار) ہی لکھ کر بھیجا تھا کہ اس کو Expectation (توقع) سے زیادہ ملے، تم نے کام خراب کیا کہ اس کے سامنے آکے پوچھنے لگے کہ سات ہزار لکھا ہے، اب سات ہزار دے دیتا تو اتنی خوشی نہ ہوتی، تو میں نے چودہ ہزار کردیا، حضرت! ایسا کیوں؟ کہنے لگے کہ میں نے نبی ﷺ کی حدیث سنی ہے، ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مومن کو ایسی خوشی پہنچائے جس کی وہ توقع نہ کرتا ہو تو اس خوشی کے پہنچانے پر اللہ اس بندے کی زندگی کے سب گناہوں کو معاف فرمادیں گے، سبحان اللہ! کتنا

خوبصورت یہ دین ہے اور نبی ﷺ نے کیا محبتوں والی زندگی گذارنے کی ہمیں تعلیمات دیں۔ تو یہ ایک تیسرا دائرہ ہے جس کو کہتے ہیں ایمان کا دائرہ۔

انسانیت کا احترام

اور ایک چوتھا دائرہ ہے اس کو کہتے ہیں انسان ہونے کا ناطہ، ہم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں لہٰذا جو بھی کوئی انسان ہے ہمارا اس کے ساتھ ایک رشتہ ہے، کہ ہم اللہ کے بندے ہیں، اس کو کہتے ہیں Respect of humanity انسانیت کا احترام دل میں ہونا، اکرام دل میں ہونا، اب ذرا حدیث مبارک سنئے گا، بخاری شریف کی روایت ہے: ''کان سھل ابن حنیف و قیس ابن سعد قاعدین بالقادسیہ'' سہل بن حنیف اور قیس ابن سعد دو صحابی ہیں یہ قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے ''فمرّوا علیھما بجنازۃ'' ان کے قریب سے ایک جنازہ لے جایا گیا ''فقاما'' دونوں کھڑے ہو گئے ''فقیلَ لھما'' انھیں بتایا گیا ''انّھامِن اَھلِ الاَرضِ أیْ مِن اَھلِ الذمۃ'' کہ یہ تو ذمی ہے، یہ غیر مسلم کا جنازہ ہے، ''فقالا'' انھوں نے بتایا ''انَّ النبیَ ﷺ مرّت بہ جنازۃ'' کہ نبی ﷺ کے قریب سے جنازہ لے جایا گیا ''فقام'' نبی ﷺ کھڑے ہو گئے ''فقیل'' صحابہ نے عرض کیا ''انّھا جنازۃ یھودیٍ'' یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے ''فقال: اَلَیسَتْ نَفْسًا'' نبی ﷺ نے فرمایا، کیا یہ انسان نہیں ہے؟ نبی ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے کہ کیا یہ انسان نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہونے کے ناطے بھی ایک احترام ہے، جو ہر انسان کو ملنا چاہئے، یہ بھی ہمارا ایک رشتہ ہے۔

چنانچہ نبی ﷺ کی مبارک زندگی کو دیکھیں تو احترامِ انسانیت کی مثالوں سے بھری پڑی ملے گی، وہ مکہ کے قریش جنھوں نے نبی ﷺ کو ایذاء پہنچائی، ۱۳ سال ان کو مشقتوں میں ڈالے رکھا، ایک مرتبہ ان کے اوپر قحط آ گیا بارشیں نہیں ہو رہی تھیں، کھانے کو نہیں ملتا تھا، بھوک تھی ''فأتاہُ أبو سفیان'' تو ابو سفیان نبی ﷺ کے پاس آئے ''فقال'' کہنے لگے ''یا محمدُ'' اے محمد! ''اِنَّکَ تَأمرُ بطاعۃِ اللہِ وبصِلَۃِ الرَّحِمِ'' آپ اللہ کی

اطاعت کا حکم دیتے ہیں، رشتہ ناطہ جوڑنے کا حکم دیتے ہیں ''وانَّ قومکَ قد هلکُوا'' آپ کی قوم ہلاک ہوگئی، ''فَادْعُ اللّٰہَ لَھُمْ'' ان کے لئے دعا کیجئے، حدیث پاک میں آتا ہے، نبی ﷺ نے قریش مکہ کے لئے دعا کی، اللہ نے قحط ختم کر کے ان کو گندم عطا فرمایا، تو دیکھئے دشمنوں کے لئے دعا کی، کیوں کہ انسان تو تھے۔

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ ہم یمامہ سے مکہ میں گندم نہیں جانے دیں گے، قریش مکہ بڑے پریشان ہوئے، نبی ﷺ کی خدمت میں بندہ بھیجا کہ ہمیں تو گندم نہیں مل رہا ہے، ہم تو بھوکے مرجائیں گے، نبی ﷺ نے ثمامہ بن اثال ؓ کو خط لکھا، فرمایا کہ ان لوگوں کا گندم مت روکو، وہ اللہ کے بندے ہیں، ان کو کھانے کے لئے چیزیں ملنی ضروری ہیں۔ حاتم طائی کی بیٹی کا نام تھا سفانہ، وہ ایک مرتبہ گرفتار ہو کے آئی، کسی نے بتایا کہ اس کا والد بڑا سخی ہے تو نبی ﷺ یہ بات سن کر بڑے خوش ہوئے، وہ کہنے لگی کہ آپ مجھے آزاد کردیں، فرمایا: ہاں میں تمہیں آزاد کردوں گا، وہ کہنے لگی کہ میں اکیلی جاؤں گی تو لوگ طعنہ دیں گے کہ سخی باپ کی بیٹی تھی، اکیلی آگئی، لہٰذا میرے گاؤں والوں کو بھی آزاد کردیں، نبی ﷺ نے اس کے کہنے پر گاؤں والوں کو بھی آزاد کردیا، پھر جب وہ جانے لگی تو نبی ﷺ نے پہننے کے لئے نئے کپڑے بھجوائے، پھر نبی ﷺ نے اس کے لئے سواری بھیجی اور تیسری بات کہ نبی ﷺ نے اس کو سفر کا خرچہ بھیجا، یہ سب چیزیں دے کر نبی ﷺ نے بتلادیا کہ دیکھو! بیٹی کسی کی ہو اس کا یہ اکرام ہوا کرتا ہے، اب یہ سفانہ جب گئی تو اندر سے تو دل اس کا بدل چکا تھا، یہ اپنے بھائی عدی بن حاتم سے ملی تو عدی نے پوچھا: ''قالَ عدی: مَاتَرِیْن فِیْ أَمْرِ ھٰذَا الرَّجُلِ'' سفانہ تم نے دیکھا ہے، ذرا بتاؤ اس بندے کے بارے میں تمہارے Comments (تبصرے) کیا ہیں؟ اس لئے کہ عورت کو اللہ نے ایک Intuition (چھٹی حس) دیا ہوتا ہے، وہ دوسرے مرد کی نظر سے پہچان لیتی ہے کہ یہ کیسا انسان ہے؟ تو بھائی نے اپنی بہن سے پوچھا کہ تم دیکھ کے آئی ہو تو اس کے بارے میں تمہارے Comments

کیا ہیں؟ "قالت" اس نے جواب دیا "اَنْ تَلْحَقَ بِه" میری رائے یہ ہے کہ تم جاؤ اور ہمیشہ کے لئے ان کے غلام بن جاؤ۔ چنانچہ یہ عدی بن حاتم آئے، نبی ﷺ کو بتایا گیا کہ عدی بن حاتم آئے ہیں، نبی ﷺ جہاں بیٹھے تھے آپ اس نشست سے اٹھ گئے اور عدی بن حاتم کو اپنے تکیہ پر بیٹھایا، سنئے ذرا "فقالَ عَدیّ" عدی کہتے ہیں "جَلَسْتُ عَلَیْها" میں اس تکیہ پر بیٹھا جس کے اوپر نبی ﷺ بیٹھے تھے "وَجَلَسَ رسولُ اللهِ ﷺ علی الْأَرضِ" اور اللہ کے نبی ﷺ زمین کے اوپر بیٹھے، اللہ اکبر کبیرا، "فقلت" اس وقت میں نے کہا "أَشْهَدُ أَنَّكَ لَاتَبغِی عُلُوًّا فِی الارضِ وَلَافسادًا وَأَسلَمَ عدیُّ بنُ حاتِمٍ" یہ الفاظ کہے اور عدی بن حاتم نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے، میرے آقا ﷺ کے اخلاق اور برتاؤ کفار کے ساتھ دیکھو کیسے ہوا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک عورت کا بیٹا گم ہو گیا، اب وہ بیچاری پاگل بنی گھوم رہی تھی، اس کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ میرے سر پہ چادر بھی ہے کہ نہیں اور اسی حالت میں وہ نبی ﷺ کے سامنے سے گذری، اللہ کے حبیب ﷺ نے دیکھا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی چادر عطا فرمائی اور فرمایا کہ لے جاؤ اور اس بچی کے سر پر چادر ڈال دو، انھوں نے حیران ہو کر پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ یہ آپ کی چادر، وہ تو کافر لڑکی ہے؟ تو نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا: اگر چہ وہ کافرہ ہے مگر کسی کی تو وہ بیٹی ہے۔ آج تو اس کے سر پر چادر ڈالے گا کل قیامت کے دن اللہ تیرے گناہوں پر اپنی رحمت کی چادر عطا فرمائیں گے۔

اب ذرا اگلی بات سنئے، ابوداؤد شریف کی روایت ہے: "عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَبْنَاءِ أَصحابِ رسولِ اللهِ ﷺ قال" صحابہ کی بعض اولادیں نبی ﷺ سے یہ روایت نقل کرتی ہیں "أَلَا! مَنْ ظَلَمَ مُعاهِدًا" کوئی غلام ہو جس کے ساتھ بندہ کا معاہدہ ہو جائے یا کوئی ذمی ہو تو فرمایا کہ جو اپنے ماتحت کے اوپر ظلم کرے "أَوِ انْتَقَصَهُ" یا اس کے حق میں کمی کرے "أَوْ كَلَّفَهُ فَوقَ طَاقَتِهِ" یا اس کی طاقت سے زیادہ اس کے اوپر بوجھ ڈالے "أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا

بِغَیْرِ طِیْبِ نَفْسٍ'' یا اس کے دل کی خوشی کے بغیر اس سے کوئی چیز چھین لے''فَأَنَا حَجِیْجُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ'' میں قیامت کے دن اس غلام کا وکیل بن کر کھڑا ہوں گا اور میں تم سے اس کا حق لے کر اسے دوں گا، اللہ اکبر کبیرا، دیکھئے یہ کافر کے بارے میں اللہ کے حبیب ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تم ان کے حقوق میں بھی کمی کروگے آپ ﷺ فرماتے ہیں ان کا Attorney (وکیل) میں بنوں گا، اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جن کی شفاعت کی ہم دل میں تمنا رکھتے ہیں کل وہ اللہ کے حبیب ﷺ ہمارے ماتحتوں کے وکیل بن گئے کہ ہاں تم نے بیوی کو یوں ستایا تھا، تم نے اپنے بھائی کا دل یوں دکھایا تھا، تم نے اپنے نوکروں اور خادموں کے ساتھ یہ کام کیا تھا، تو سوچئے اگر اللہ کے حبیب ﷺ نے ہم سے حق مانگا تو ہمارا اس دن کیا ٹھکانا ہوگا، ہم سمجھیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ ہمیں کس محبت و پیار کی زندگی گذارنے کی تعلیم دے رہے ہیں، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: ''المؤمنُ مَنْ أَمِنَہُ النَّاسُ علیٰ دِمَائِھِم وأموالِھِم'' مومن کی Definetion (تعریف) سن لیجئے، جیسے آپ کسی چیز کو Define کرتے ہیں کہ یہ اس کی تعریف ہے، نبی ﷺ ایک مومن مسلمان کی Definetion (تعریف) فرماتے ہیں کہ مومن وہ ہوتا ہے کہ جس سے باقی سارے انسانوں کی جانیں اور ان کے مال امن میں آجائیں۔ اگر ہم دوسروں کی جانوں کے درپے ہیں اور دوسروں کے مال کے درپے ہیں تو ہم تو مومن کی Definetion (تعریف) پر ہی پورے نہیں اترتے، اللہ کے حبیب ﷺ کی نظر میں تو ہم مومن ہی نہیں بنے، اس لئے ہم ذرا غور کریں کہ ہمیں کس قدر الفت و محبت کی اور پیار کی زندگی گذارنے کی ضرورت ہے۔ حدیث پاک میں ہے ''اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللہِ'' ساری مخلوق، گورے کالے، عربی عجمی، چھوٹے بڑے، امیر غریب سارے کے سارے یہ اللہ کے عیال ہیں، اللہ کا کنبہ ہیں، ''وَأَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ مَنْ أَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ'' اللہ کو سب سے زیادہ پسند وہ بندہ ہے جو اللہ کے اس عیال کے ساتھ محبت کرنے والا ہو لہٰذا ہم اللہ کے بندوں سے اللہ کی وجہ سے محبت کریں۔ ایک حدیث ہے، اس

حدیث مبارک کو حدیث مسلسل بالاوّلیت کہتے ہیں، یعنی محدثین جب اپنے شاگردوں کو حدیث کا درس شروع کرواتے تھے تو سب سے پہلے یہ حدیث مبارک پڑھاتے تھے، پہلے اس حدیث کی تعلیم دیتے تھے، اب سوچئے وہ کتنی اہم حدیث ہوگی کہ محدثین سب سے پہلے اس حدیث مبارک کو پڑھا رہے ہیں اور تسلسل کے ساتھ یہ عمل چلا آرہا ہے، وہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ'' جو رحم کرنے والے ہوتے ہیں ان کے اوپر رحمان رحم فرماتا ہے ''اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُم مَنْ فِی السَّمَاءِ'' تم زمین والوں پر رحم کروگے آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

چنانچہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ایک حدیث پاک روایت فرماتے ہیں ذرا توجہ سے سنئے! وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''لَنْ تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَرَاحَمُوْا'' تم ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک تمہارے اندر رحم نہ ہو ''قَالُوْا'' جواب میں عرض کیا ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ'' اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! ''کُلُّنَا رَحِیْمٌ'' ہم سب کے سب رحم کرنے والے ہیں، ''قَالَ'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو صاف کردیا، فرمایا ''اِنَّہٗ لَیْسَ بِرَحْمَۃِ أَحَدِکُمْ صَاحِبَہٗ'' اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ تم اپنے ساتھی کے ساتھ رحمت سے پیش آؤ ''وَلٰکِنْ رَحْمَۃُ عَامَّۃٌ'' اس سے مراد عمومی رحمت ہے کہ تمہارے دل میں ہر ایک کے ساتھ رحمت ہونی چاہئے، جب دل میں رحمت ہوگی تو انسان کسی کو تکلیف نہیں دے گا، نقصان نہیں پہنچائے گا، برا نہیں سوچے گا، اس کے ساتھ عداوت کا معاملہ نہیں کرے گا، آج ہم ذرا Analysis (محاسبہ) کریں کہ

ہمارے دلوں میں دوسروں کے ساتھ محبت، ہمدردی اور رحمت کتنی ہے، اگر نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی نظر میں وہ مقام نہیں جو ہونا چاہئے تھا، آج کی اس مجلس میں ہمیں اپنے دل میں یہ عہد کرنا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں سے اللہ کی نسبت سے محبت کریں گے

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیام آئے

جھکانے آئے بندوں کی جبیں اللہ کے در پر
سکھانے آدمی کو آدمی کا احترام آئے

وہ آئے جب، تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انساں کی
وہ آئے جب، تو انساں کو فرشتوں کے سلام آئے

جو انسان محبت بھرا دل رکھتا ہے تو پھر فرشتوں کے سلام آتے ہیں، لہٰذا آج حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اس سرزمین پر ہم اپنے دلوں میں یہ عہد کریں کہ ہم اللہ کے بندوں سے اللہ کی نسبت سے محبت کریں گے، اگر کافر کے ساتھ بھی انسان ہونے کے ناطے تعلق ہے تو پھر وہ بندہ جو کلمہ گو ہو اور گھر کا فرد ہو، جس کے تین رشتے ہوں اس کے ساتھ کتنا محبت سے پیش آنا چاہئے، آج کے بعد اپنی بیویوں سے حسن سلوک، اپنے بھائیوں سے محبتیں، بہنوں کے ساتھ اچھا تعلق، ماں باپ کے ساتھ اچھا تعلق بنائیں، ہم گھر کے ایک اچھے فرد بن جائیں گے، ہمارے گھر جنت کا نمونہ بن جائیں گے، ایک واقعہ سن لیجئے ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ خواب دیکھتے ہیں ایک فرشتہ ہے جو بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا ہے، پوچھتے ہیں بھائی کیا لکھ رہے ہو؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں ان لوگوں کے نام لکھ رہا ہوں: جو اللہ سے محبت کرتے ہیں تو ابراہیم بن ادہم نے پوچھا میرا نام اس فہرست میں شامل ہے، انھوں نے دیکھ کے کہا

تیرا نام تو نہیں ہے تو تو دنیا سے محبت کرنے والا دنیا کا بادشاہ، تیرا نام اللہ سے محبت کرنے والوں میں کہاں سے شامل ہوگا۔ تو ابراہیم بن ادہمؒ نے کہا اچھا پھر ایسا کرو کہ میرا نام اللہ کے بندوں سے محبت کرنے والوں کی فہرست میں لکھ دو، میں اگر اللہ سے محبت نہیں کرتا تو اللہ کے بندوں سے تو محبت کرتا ہوں، اس میں میرا نام لکھ دو، وہ فرشتہ غائب ہوگیا، خواب ختم، کچھ عرصے کے بعد پھر وہی خواب دیکھا کہ فرشتہ لکھ رہا ہے، پوچھا کیا لکھ رہے ہو؟ کہنے لگا: ان بندوں کے نام لکھ رہا ہوں جن سے اللہ محبت کرتے ہیں، پوچھا میرا نام؟ فرشتے نے کاغذ سامنے کردیا، دیکھا کہ سب سے پہلے ان کا نام ہے، فرشتہ کہنے لگا جو اللہ کے بندوں سے محبت کرتے ہیں اللہ ان سے محبت کرتا ہے، اس فہرست میں ان کا پہلا نام ہوا کرتا ہے

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا خادم بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اللہ تعالیٰ ہمیں محبت و پیار اور اچھے اخلاق کے ساتھ زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، یہ مختصر خطاب ۴/اپریل ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ بعد نماز عصر "خانقاہِ نقشبندیہ مجددیہ نعمانیہ" اور "معہد الامام ولی اللہ الدہلوی" کی مسجد کے سنگِ بنیاد رکھنے کے موقع پر کیا گیا تھا، سنگ بنیاد پر درجِ ذیل دعائیہ کلمات تحریر ہیں:

یا اللہ! ایک عاجز و مسکین بندہ، آپ کے بندوں کے جم غفیر کے ساتھ آپ کے حضور دست بدعا ہے کہ اپنے اِس گھر کو بھی دنیا کے بتکدے میں اپنے اُس پہلے گھر سے رابطہ و نسبت عطا فرمادے، جو سارے جہانوں کے لئے دین اور دنیا کی نعمتوں کی تقسیم کا مرکز اور پوری انسانی برادری کی بقاء و سلامتی کا سبب ہے، اور اس کی تعمیر اور آبادی میں حصہ لینے والوں کو اپنے مقبول اور پسندیدہ بندوں اور بندیوں میں شامل فرمالے اور اس کے حق میں بھی یہ دعا قبول فرمالے۔

تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند جلوہ گہ جبرئیل

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ - ۴/اپریل ۲۰۱۱ء
بروز دوشنبہ (بعد نماز عصر)
دعاگو و دعاجو
(فقیر) ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
وارد حال خانقاہ نعمانیہ مجددیہ، محمد اپور نیرل، رائے گڑھ، مہاراشٹر

مسجد کے سنگِ بُنیاد کے موقع پر کچھ قیمتی ہدایات

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین، والحمد للہ رب العٰلمین

اللّٰھُمَّ صَلِّ علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک وسلم

اللّٰھم صَلِّ علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک وسلم

اللھم صَلِّ علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک وسلم

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ ربِ العالمین

اللہ کے گھر کی بنیاد؛ قبولیتِ دعا وذکرِ خدا کا وقت ہوتا ہے

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ رب العزت نے اپنے گھر کے بنانے کا واقعہ بیان فرمایا اور اس کی ابتداء یوں فرمائی ''وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ' اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام میرے گھر کی بنیادوں کو کھڑا کر رہے تھے۔ یہاں سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جہاں کہیں بھی اللہ کے گھر کی بنیادیں کھڑی کی جاتی ہیں وہ یاد کرنے کا وقت ہوتا ہے، وہ اللہ رب العزت کے یہاں قبولیتِ دعا کا وقت ہوتا ہے، کیونکہ 'واِذْ'' کا مطلب

کہ یاد کرو اس وقت کو، قیامت تک پڑھا جاتا رہے گا کہ یاد کرو اس وقت کو، یہ یاد کا وقت ہے۔

بڑوں کو ہمیشہ مقدم کرنا چاہیے

یہاں پر اللہ رب العزت نے گھر کی تفصیلات نہیں بتائیں کہ کہاں تھا، کیسا تھا، کتنا بڑا تھا، مگر بنانے والوں کا تذکرہ کیا کہ وہ میرے ابراہیم خلیل اللہ تھے اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے اسماعیل ذبیح اللہ تھے، پہلے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کیا، اس سے ایک بات سمجھ میں آئی کہ جب بھی ادارے بنیں، مسجدیں بنیں، تو اگرچہ کہ چھوٹے لوگ کام زیادہ کرتے ہیں، ان کا جسم زیادہ استعمال ہوتا ہے، انتھک محنتیں کرتے ہیں، لیکن پھر بھی مقدم بڑوں کو کریں گے، ہمیشہ اپنے سر پر بڑوں کا سایہ رکھیں، یہ توقع نہ رکھیں کہ ہمارا نام آجائے، اس لئے کہ بڑوں کے سایہ کے سر پر ہونے سے اللہ رب العزت کی طرف سے کام میں برکت آجاتی ہے، اس لئے کہ روایت ہے "اَلْبَرَکَۃُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ" تمہارے لئے برکت بڑوں کے ساتھ رہنے میں ہے، زندگی میں کبھی بھی ایسا وقت نہ آئے کہ انسان یہ سوچے کہ بس میں بڑا ہوں، ہمیشہ یہ توقع اور تمنا رکھیں کہ موت تک میرے سر پر میرے بڑوں کا سایہ رہے۔

مساجد و مدارس میں اختلافات کی بنیادی وجہ

آج کل مدارس کے اندر جو فتنے ہوتے ہیں، مسجد کی کمیٹیوں میں جو فتنے ہوتے ہیں، ان کی بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے کہ نوجوان کہتے ہیں کہ کام تو ہم کرتے ہیں، نام دوسروں کا ہوتا ہے، تو قرآن مجید نے اس کا پتہ ہی صاف کر دیا، فرمایا کہ یاد کرو اس وقت کو جب میرے ابراہیم میرے گھر کی بنیادوں کو کھڑا کر رہے تھے اور اسماعیل بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

اولاد کا ہونا ایک خوشی، اولاد کا نیک ہونا اس سے بڑی خوشی

سبحان اللہ! کیا خوش نصیب بیٹے تھے، جنھوں نے اللہ رب العزت کا گھر بنانے میں اپنے والد کا تعاون کیا، مدد کی، اللہ ایسے نیک بیٹے ہر ایک کو عطا فرمائے جو دین کے کام

میں معاون بن جائیں۔ اولاد کا ہونا ایک خوشی، اور اولاد کا نیک ہونا اس سے بڑھ کر خوشی، والد جو دین کے کام میں لگا ہوا ہے، اس میں اگر اولاد بھی ساتھ ساتھ تعاون کرے تو یہ اس سے بھی بڑھ کر خوشی ہے۔

مسجد و مدرسہ بنانے والوں کو ایک اہم ہدایت

اس کے بعد ایک اور بات کہی گئی ''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا'' یہ اس کا لبِّ لباب ہے کہ مسجد بنانے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ اے اللہ! اسے ہم سے قبول کر لیجئے۔ اس مطلب یہ کہ مدرسہ بنانے والے اور مسجد بنانے والے ہمیشہ مقصود اس کو بنائیں کہ یہ ادارہ اللہ کی نظر میں قبول ہو جائے۔ بڑے ادارے بن جانا آسان ہے، زیادہ لوگوں کا متوجہ ہو جانا بھی آسان ہے، دنیا کے کالجوں یونیورسٹیوں میں ہزاروں لوگ پڑھتے ہیں، یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، انوکھی بات تو یہ ہے کہ وہ ادارہ اللہ رب العزت کے یہاں قبول ہو جائے۔ یہ چیز سامنے رہے، اس لئے فرمایا کہ یاد کرو اس وقت کو جب میرے ابراہیم اور اسماعیل میرے گھر کی بنیادوں کو کھڑا کر رہے تھے، اور وہ اس وقت یہ دعا مانگ رہے تھے'' رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا'' اللہ! اس کو قبول فرما لیجئے۔

جب بھی کوئی مزدور مزدوری کرتا ہے تو دستور ہے کہ اسے اجرت ملتی ہے، انعام ملتا ہے، ان انبیاء نے بھی اللہ رب العزت کا گھر بنایا تو اللہ رب العزت نے بھی انعام دیا کہ ابراہیم میرے خلیل! مانگو جو مانگنا ہے، تو انھوں نے پہلی بات یہ مانگی'' رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ '' کہ ہم دونوں کو مسلمان بندہ بنا دیجئے، اپنی ذات سے بات شروع کی کہ ہم دونوں تسلیم کرنے والے اور ماننے والے بن جائیں، یہ تو اپنے لئے دعا مانگی۔ پھر اس کے بعد کہا'' وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ '' اور ہماری آگے آنے والی قیامت تک جو نسلیں ہیں ان میں بھی تسلیم کرنے والی ایک امت پیدا فرما دیجئے۔ تو اپنے لئے بھی دعا مانگی اور اولاد کے لئے بھی دعا مانگی۔

اب یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ پہلے قبولیت کی دعا مانگی، پھر اپنی ذات کے لئے دعا مانگی اور اولاد کے لئے دعا مانگی، لیکن اس کے بعد ادارے چلانے والے بندوں کی ضرورت تو تھی ہی، اس لئے نیک، متقی، پرہیزگار لوگوں کا معاون بن جانا، یہ اللہ رب العزت کا بڑا انعام ہوتا ہے، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور دعا مانگی، مقصود یہ تھا کہ اے اللہ! مسجد تو میں نے بنادی، اب عبادت سکھانے والے کو بھیج دیجئے، مدرسہ میں نے بنادیا، علم سکھانے والے کو بھیج دیجئے، میرے خلیل کس کو مانگ رہے ہیں؟ اللہ! جب آپ نے معاونین کا اشارہ فرمادیا تو پھر میں بھی وہ مانگوں گا نہ جو انوکھی چیز ہوگی، میرے ابراہیم کیا مانگتے ہو؟ اللہ مجھے وہ نعمت چاہئے جو تیرے خزانے میں بھی ایک ہے، مجھے دنیا کا فضل وکمال نہیں چاہئے، مجھے دنیا کا مال ومنال نہیں چاہئے، اللہ! مجھے تو فقط آمنہ کا لال چاہئے "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا" اللہ! انہیں اپنے رسول کو بھیج دیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت بن کر دنیا میں آیا ہوں، سبحان اللہ! کیا دعا مانگی: چونکہ آج مسجد کی بنیاد کا موقع ہے تو ہم بھی ان قرآنی آیات کو ذہن میں رکھتے ہوئے سب سے پہلے تو اپنے آپ کو اللہ کے سامنے پیش کریں کہ اللہ! سر کے بالوں سے لے کر پیر کے ناخنوں تک ہمیں مسلمان بنادیجئے، پھر اس کے بعد اپنی اولادوں کو بھی اللہ کے سامنے پیش کریں، پھر اس کے بعد اللہ کے مقبول بندوں کی جماعت مانگیں کہ اللہ متبع سنت بندوں کی جماعت، معاونین کی جماعت عطا فرمادے، پھر اللہ کے فضل اور اللہ کی مدد سے ادارے چلتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس موقع پر مانگی ہوئی ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے۔

سُبحانَ رَبِّیَ الاَعْلَی الوَھَّاب

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا محمدٍ و علٰی آلِ سیدنا محمدٍ و بارِک و سلِّم

اے کریم آقا! ہم آپ کے عاجز ومسکین بندے ہیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرما، خطاؤں سے درگذر فرما، عیبوں کی پردہ پوشی فرما، اللہ! ہماری نگاہوں کو پاک فرما، دلوں کو صاف فرما،

سینوں کو اپنی محبت سے لبریز فرما، اپنے عشق کی آتش ہمارے سینوں میں پیدا فرما، ہمارے انگ انگ سے اپنے ذکر کو جاری فرما، روئیں روئیں سے اپنے ذکر کو جاری فرما، ہڈی ہڈی بوٹی بوٹی میں اپنی محبت پیدا فرما، اے کریم آقا! مسجد کا جو سنگ بنیاد رکھا گیا اپنی رحمت سے اسے شرف قبولیت عطا فرما، اے کریم آقا! اس گھر کو اپنے مقبول گھروں میں شامل فرما، اپنے مقبول بندوں کی جماعت یہاں سے کھڑی فرما، اس کو منارۂ نور بنا، اس کی روشنی دنیا کے کونے کونے کے اندر پہنچا، کام کرنے والے جو بھی ہوں، اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرما، میرے مولیٰ! دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے حفاظت فرما، نفس وشیطان کے مکروفریب سے محفوظ فرما، فتنوں سے محفوظ فرما، اے میرے مالک! ہمارے ایمان کی حفاظت فرما، اے اللہ! ہمارے ایمان کی حفاظت فرما، آپ کے پیارے حبیب ﷺ نے فرمایا کہ قرب قیامت میں وقت آئے گا کہ صبح انسان ایمان والا ہوگا، شام کو سونے کے لئے بستر پر جائے گا تو ایمان سے خالی ہوگا، اللہ! ہم ایسے فتنوں کے زمانے میں زندہ ہیں، ہم پر رحمت فرمادیجئے، ہمارے ایمان کی حفاظت فرمادیجئے، اللہ! ہمارے ایمان کی حفاظت فرمادیجئے، ہمیں اپنے راستہ میں قبول کر لیجئے، اللہ! پوری امت کو قبول کر لیجئے، اللہ! رحمت کا معاملہ فرمادیجئے، اللہ! قیامت تک آنے والی ہماری نسلوں کو بھی دین کے لئے قبول فرمالیجئے، اے اللہ! جو اس ادارے کے معاونین ہیں یا آئندہ بنیں گے، سب کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالیجئے، میرے مولیٰ! اپنی یاد والی زندگی عطا فرمادیجئے، اللہ! رحمتوں کا معاملہ فرمادیجئے، کرم کے فیصلے فرمادیجئے، میرے مولیٰ! زندگی میں کبھی بھی بے سہارا نہ فرما، کبھی بھی بے آسرا نہ فرما، کبھی بھی اپنے در سے دور نہ فرما، کبھی بھی نفس وشیطان کے حوالے نہ فرما، ہمیشہ اپنی رحمتوں کی پشت پناہی نصیب فرما، اے مالک! ان دعاؤں کو اپنی رحمت سے قبول فرما، اے اللہ! جس طرح آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو امام الانبیاء بنایا، اے اللہ! اپنی رحمت سے ہمیں بھی امام الاولیاء بنادیجئے، امام المتقین بنادیجئے، اللہ! جیسی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو ان کے کام

میں معاون بنایا، ہماری اولاد کو بھی دین کے کاموں میں ہمارا معاون بنا دیجئے، میرے مولی! قبول فرمالیجئے، اے اللہ! جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے پتھروں کے بتوں کو توڑا، اللہ اپنی رحمت سے ہمیں وہ توحید خالص کا مقام عطا فرما دیجئے، ان کے حق میں آپ نے دنیا کی آگ کو ٹھنڈا فرما دیا، اللہ! ہمارے حق میں جہنم کی آگ کو ٹھنڈا فرما دیجئے، رب کریم! آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو قلب سلیم عطا فرمایا، ہمیں بھی قلب سلیم عطا فرما دیجئے، اے اللہ! ان کو اَوّاہ اور مُنِیْب بنایا، ہمیں بھی قلب منیب عطا فرما دیجئے، اے اللہ! جس طرح آپ نے ان کو مہمان نوازی کا خُلق عطا فرمایا، ہمیں بھی وہ خُلق عطا فرما دیجئے، رب کریم! رحمتوں کا معاملہ فرما، اے اللہ! مہربانی کا معاملہ فرما، اے اللہ! آپ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا، اللہ! ہماری آنے والی اولادوں میں کوئی وقت کا مجدّد پیدا فرما دیجئے، کوئی اپنا عاشق پیدا فرما دیجئے، اللہ! مہربانی فرما دیجئے، اے اللہ! تقوے والے پیدا فرما دیجئے، مخلص بندے پیدا کر دیجئے، اے اللہ! تقوے والے پیدا کر دیجئے، رب کریم! مہربانی کا معاملہ فرما دیجئے، اللہ! ہم سائل ہیں، آپ کے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہیں، آپ کی رحمتوں کے منتظر ہیں، اللہ! دامن بھر دیجئے، مانگنا نہیں آتا ہمیں بن مانگے عطا فرمائیے، اس ادارہ کو بری نظر سے محفوظ فرما، برے اثر سے محفوظ فرما، جادو ٹونے سے محفوظ فرما، حاسدوں کے حسد سے بھی محفوظ فرما، اللہ! اپنی حفاظت عطا فرما، رب کریم! وقت کے ساتھ جو ضروریات ہوں سب کو اپنے غیبی خزانوں سے پوری فرما، استغناء کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرما، اور اس کو اپنے قرب کا ذریعہ بنا، میرے اللہ! جو قریب سے طلبہ وطالبات یہاں آئے ہیں، اللہ! ان کو اپنے مقبول بندوں اور بندیوں میں شامل فرما، اے کریم آقا! ہماری ان دعاؤں کو اپنی رحمت سے قبول فرما، مجمع میں جتنے احباب جتنی نیک مرادیں لے کر بیٹھے ہیں، اللہ! سب کے دلوں کی نیک مرادوں کو پوری فرما، جو لوگ ادارے چلا رہے ہیں یا بنا رہے ہیں، اللہ! سب کی محنتوں کو قبول فرما، اے اللہ! سب کو اپنے مقبول بندوں اور

بندیوں میں شامل فرما، اے کریم آقا! ہدایت کی ہواؤں کو عام فرما، پوری دنیا میں جہاں بھی کوئی مسلمان ہے، اللہ! سب کی نیک مرادوں کو پوری فرما، رب کریم! ہماری ان دعاؤں کو اپنی رحمت سے قبول فرما۔

ربنا تقبل منا إنك انت السميع العليم وتب علينا إنك انت التواب الرحيم

وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، یہ خطاب ۴/اپریل ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ بعد نماز مغرب، ممداپور، نیرل (مہاراشٹرا) میں واقع "خانقاہِ نقشبندیہ مجددیہ نعمانیہ" میں ہوا تھا، شرکاء کی تعداد کا اندازہ پونے دو لاکھ بتایا جاتا ہے۔

محبتِ الٰہی
اور
اس کے حصول کا طریقہ

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

سبحان ربک رب العزۃ عمایصفون، وسلام علی المرسلین، والحمدللہ رب العٰلمین

اللھم صل علی سیدنامحمدوعلی اٰل سیدنامحمدوبارک وسلم

اللھم صل علی سیدنامحمدوعلی اٰل سیدنامحمدوبارک وسلم

اللھم صل علی سیدنامحمدوعلی اٰل سیدنامحمدوبارک وسلم

مقصدِ زندگی اللہ کی بندگی

یہ وسیع وعریض کائنات جو ہمارے اردگرد پھیلی ہوئی ہے، یہ ایک سجے ہوئے محل کے مانند ہے، زمین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ‘‘ گویا زمین کو اللہ تعالیٰ نے فرش بنایا، اورآسمان کے بارے میں فرمایا: ’’وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا‘‘ اورآسمان کو اللہ رب العزت نے چھت بنایا ’’بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا‘‘ بغیر Pillar (ستون) کے چھت کو ہم نے کھڑا کردیا، ’’إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا‘‘ پھراللہ رب العزت نے آسمان پر لائٹیں لگائیں، سورج چانداورستارں سے اس کو مزین کیا، انسان کی ضرورت کی جو بھی چیز ہے اللہ رب العزت نے اس دنیا میں عطافرمائیں،

تو معلوم ہوا کہ یہ محل اللہ نے انسان کے لئے بنایا اور انسان کو اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کے لئے بنایا ہے، اس کو کسی شاعر نے یوں کہا:

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے

بحر و بر شمس و قمر ما و شما کے واسطے
یہ جہاں تیرے لئے ہے تو خدا کے واسطے

اور فرمایا: ''اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَ اَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ'' یہ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی اور تمہیں اللہ نے آخرت کے لئے پیدا کیا تو گویا انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ رب العزت کی معرفت کا حاصل کرنا، اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔

جمادات کی خاصیت

اگر ہم غور کریں تو اس دنیا اور اس دھرتی میں چار طرح کی مخلوق ہے، ایک جمادات، پھر اس کے بعد نباتات،، پھر اس کے بعد حیوانات، پھر اس کے بعد انسان، یہ چار طرح کی مخلوق ہمیں اپنے اردگرد نظر آتی ہے، ہر ایک کے نام کا پہلا حرف اس کی خصوصیت کا اشارہ دیتا ہے۔ مثال کے طور پر جمادات پتھروں کو کہتے ہیں تو جمادات کا پہلا حرف جیم بنا ہے، اور جیم سے لفظ ''جسامت'' بنا، تو جمادات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جسامت ہوتی ہے، پتھروں میں پہاڑوں میں زمین میں جسامت موجود ہے۔

نباتات کی خاصیت

پھر اس کے بعد نباتات کا پہلا حرف نون بنتا ہے، اور نون سے لفظ بنا ''نشوونما'' چنانچہ نبات کے اندر جسامت بھی ہے اور اس کے ساتھ نشوونما کا مادہ بھی ہے، آپ ایک پودے کو لگائیں تو چند سالوں کے بعد درخت بن جائے گا کیونکہ وہ نشوونما پاتا ہے، پتھر کو رکھیں تو کئی سالوں کے بعد وہی پتھر رہے گا، اس کا وزن نہیں بڑھے گا تو جمادات میں فقط

جسامت ہے، اس سے نباتات افضل ہیں، کیوں کہ ان میں جسامت بھی ہے، ایک مزید خوبی بھی ہے، جس کو نشوونما کہتے ہیں۔

حیوانات کی خاصیت

پھر حیوانات کو دیکھیں تو حیوانات کے اندر ایک مزید خوبی ہے جو اس کے پہلے حرف سے معلوم ہوئی، پہلا حرف ہے حاء اور حاء سے لفظ "حرکت" بنا تو حیوانات کے اندر جسامت بھی ہے، نشوونما بھی ہے اور حرکت بھی ہے، چنانچہ بکری کے بچے کو یہاں کھڑا کریں تو تھوڑی دیر میں بھاگ کے دوسری جگہ چلا جائے گا تو اس میں تین خوبیاں ہوگئیں، جسامت بھی ہوگئی، نشوونما بھی ہوئی اور حرکت بھی ہوئی۔

انسان کی خاصیت

پھر اس کے بعد انسان کو دیکھیں مطلب اس انسان کے اندر نیچے کی تینوں خوبیاں بھی موجود ہیں، اس کے اندر جسامت بھی ہے، نشوونما بھی پاتا ہے، حرکت بھی کرتا ہے، مگر ایک اضافی صفت ہونی چاہئے جس کی وجہ سے یہ دوسروں سے اعلیٰ ہو، وہ اس کے پہلے حرف سے معلوم ہوگی، پہلا حرف الف ہے اور الف سے "اُنس" بنا، جس کا معنی ہوتا ہے محبت کرنا، تو انسان کے اندر جو اضافی صفت ہے، جو اسے باقی مخلوق سے جدا کرتی ہے وہ ہے اللہ رب العزت سے محبت کرنا، یہ ایسی صفت ہے جو اس کو فرشتوں سے بھی ممتاز کردیتی ہے، اس خاک کے پتلے میں اللہ نے عشق کا ایسا مادہ رکھ دیا کہ اگر یہ اس سے اپنے دل کو بھر لے تو یہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے، تو پہلے جمادات، اس کے اوپر نباتات، اس کے اوپر حیوانات اور اس کے اوپر انسان۔

ادنیٰ چیز اعلیٰ پر قربان ہوتی ہے

ایک اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا اصول ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ پہ قربان ہوتا ہے، جمادات نباتات پہ قربان ہوتے ہیں، آپ کو زمین کے اندر اگر بیج ڈالنا ہے، تو آپ کھرا مل

چلائیں گے، زمین کے سینے کو چیر دیں گے، کوئی یہ نہیں کہے گا کہ اتنا کیوں ظلم کر رہے ہیں، زمین پہ اتنا گہرا ہل کیوں چلا رہے ہیں، سب کہیں گے کہ مقصد عظیم ہے، یہاں کھیتی کرنی ہے، یہاں بیج ڈالنا ہے، اس لئے زمین کو تیار کرنا ٹھیک ہے، تو جمادات نباتات پہ قربان ہوتے ہیں، اب وہ بیج جو ہم نے ڈالا ہے، وہ زمین سے Nutrition (غذا) لیتا ہے، تو زمین کی Nutrition قربان ہو رہی ہے اس کے اوپر؛ تو جمادات نباتات کے لئے قربان۔ اور اتنی اچھی اور خوبصورت فصل آجاتی ہے، آپ کو اپنے گھر میں جانوروں کے لئے چارے کی ضرورت ہوتی ہے تو آپ اس فصل کو کاٹ دیتے ہیں، کوئی یہ نہیں کہتا کہ آپ نے اتنی خوبصورت فصل کو کیوں کاٹ دیا، اس لئے کہ اس کو غذا بننا تھا، اس کا مقصد یہی تھا، لہٰذا آپ وہ سبزہ اپنے جانوروں پہ لے جا کر ڈال دیتے ہیں، اب جانوروں نے وہ چارہ کھالیا، یہ ہوا نباتات کا حیوان یعنی اپنے اعلیٰ پر قربان ہونا، اب انسان کو ضرورت پڑی تو بکری کو ذبح کر دیا، مرغی کو ذبح کر دیا، تو یہ جانور انسان کے لئے قربان ہو رہے ہیں کہ مقصد ان کا یہی تھا کہ اپنے اعلیٰ پہ قربان ہو، تو جمادات نباتات پہ قربان، اور نباتات حیوانات پہ قربان، اور حیوانات انسان پہ قربان، اور انسان رب رحمان پہ قربان، تو مقصدِ زندگی ہی یہی ہے کہ ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' ہمارا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب اللہ کے لئے ہو، صحیح معنی میں انسان وہی ہے جس کی زندگی اللہ رب العزت کے لئے گذر رہی ہو، اس کی ہر بات اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق ہو۔

انسان عشق ومحبت کا پتلا ہے

اس لئے دنیا کے فلاسفروں نے انسان کے بارے میں کہا کہ ''الانسانُ حیوانٌ ناطِقٌ'' کہ انسان ایک بولنے والا جاندار ہے، لیکن چونکہ وہ مادّی علوم کے فلاسفر تھے، خود منزل کا پتہ نہیں تھا تو انھوں نے انسان کی یہ تعریف کی، لیکن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ انسان کی تعریف کرتے ہیں کہ ''اَلانسانُ عاشِقٌ'' کہ انسان کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کا عاشق

ہے، اپنے رب سے محبت کرنے والا ہے، اور یہی چیز انسان کو اشرف المخلوقات بنادیتی ہے۔

دماغ علم کا برتن اور دل عشق کا برتن

چنانچہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو نعمتوں سے نوازا ہے، ایک دھڑکنے والا دل اور ایک پھڑکنے والا دماغ، پھڑکنے والا دماغ علم کا برتن ہے، اور دھڑکنے والا دل عشق کا برتن ہے، برتن ملے اور اس کو بھرے نہ، یہ بات مناسب نہیں نظر آتی، اس لئے فرمایا کہ میرے بندو! برتن تو ہم نے تمہارے بنادئے ہیں، اب تم کو اپنی زندگی میں ان برتنوں کو بھرنا ہے، اپنی عقل کو اور ذہن کو علم نبوی سے بھرلو اور اپنے دلوں کو محبت الٰہی سے بھرلو، اپنی عقل کو علم الٰہی سے بھرلو اور اپنے دلوں کو محبت الٰہی سے بھرلو، جو بندہ ان دونوں برتنوں کو خوب بھرے گا، زندگی کی صحیح حقیقت کو وہی پہچانے گا۔

دل کا کام محبت کرنا ہے

آپ غور کریں، انسان مختلف اعضاء سے مل کر بنا ہے، آنکھ، کان، دل، دماغ، ہاتھ، پیر، ہر ایک کا اپنا ایک Function (عمل) ہے، مثلاً آنکھ کا عمل ہے دیکھنا، کان کا کام ہے سننا، زبان کا کام بولنا، دماغ کا کام سوچنا اور دل کا کام محبت کرنا، یہ دل کا مقصد ہے، اس لئے دنیا کا کوئی بھی انسان ہو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کسی سے محبت نہیں، لازماً محبت ہوگی

دل بحرِ محبت ہے محبت یہ کرے گا
لاکھ اس کو بچا تو یہ کسی پر تو مرے گا

پتھر سے ہو خدا سے ہو یا پھر کسی سے ہو
آتا نہیں ہے چین محبت کئے بغیر

یہ الگ بات ہے کہ اللہ سے محبت کرے یا کسی مخلوق سے کرے، بندہ محبت کے بغیر تو رہ ہی نہیں سکتا، جس طرح کمرے کے اندر یا تو اجالا ہوگا، ورنہ اندھیرا ہوگا، بالکل اسی طرح انسان کے دل میں یا تو اللہ رب العزت کی محبت کا اجالا ہوگا، ورنہ تو مخلوق کی محبت کا اندھیرا ضرور ہوگا، یہ

نہیں کر سکتے کہ اس میں نہ اندھیرا ہو نہ اجالا، کچھ بھی نہیں، کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔

محبت کی دو قسم

ہاں اتنی بات ہے کہ اگر اللہ رب العزت کی محبت ہے، تو یہ جائز چیز ہے اور مخلوق کی نفسانی، شیطانی اور شہوانی محبت ہے تو یہ حرام چیز ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دودھ تو دودھ ہی ہوتا ہے، مگر بکری کا ہو، گائے کا ہو تو حلال ہوتا ہے، اور اگر دودھ کتیا کا ہو تو حرام ہوتا ہے، ایسے ہی اگر اللہ رب العزت کی محبت سے دل بھرا ہوگا تو یہ محبت باعث اجر بن جائے گی اور اگر نفسانی شیطانی محبتوں سے دل بھرا ہوگا تو یہ محبت انسان کے لئے بربادی کا سبب بن جائے گی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اب یہاں یہ مغالطہ دل میں نہ رہے کہ مخلوق کی محبت میں بربادی کیسے؟ جب بھی مخلوق کی محبت کا نام لیتے ہیں تو اس سے مراد دائرۂ شریعت کے علاوہ کی محبتیں ہوتی ہیں، ان محبتوں کا تو خود اللہ نے حکم دیا ہے، میاں بیوی کی محبت، ماں باپ کی محبت، مسلمان بھائی کی آپس میں محبت، یہ محبتیں تو نور ہیں، یہ تو اللہ کا حکم ہے، اس لئے یہ عبادت ہیں، لیکن جو محبتیں نفسانی خواہشات کی وجہ سے اپنے نفس کی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہم کرتے ہیں، ان محبتوں کا نام مخلوق کی محبت ہوتا ہے۔

دل، اللہ کی محبت کا برتن ہے

لٰہذا یہ دل اللہ رب العزت کی محبت کا برتن ہے، ہم بھی اسے اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھر لیں، جو بندہ اپنے دل کو محبت الٰہی سے بھر لیتا ہے، وہ عشق کے گھوڑے پہ سوار ہو جاتا ہے، اب اس کی منزل بہت آسان ہو گئی ؎

عشق کا ہے بہت بڑا احساں　　راہ برسوں کی طے ہوئی پل میں

علامہ اقبال نے کہا:

عشق کی ایک جست نے کردیا قصہ تمام

اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

میں سمجھتا تھا کہ زمین و آسمان کا فاصلہ بہت زیادہ ہے، لیکن عشق نے ایک چھلانگ لگائی اور مجھے میرے محبوب سے واصل کر دیا، تو محبت دل میں پیدا کرنی پڑتی ہے، اس کے بغیر یہ محبتِ الٰہی کا سفر طے نہیں ہوتا، اس لئے کسی نے کہا کہ

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے　　　　تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

جو بندہ عقل کی بنیاد پہ راستہ طے کر رہا ہو اس کو فرزانہ کہتے ہیں، یعنی جن کے دلوں میں محبت ہوتی ہے وہ منزلوں تک ہمیشہ پہنچا کرتے ہیں، چنانچہ

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق

عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدۂ تصورات

اگر محبت الٰہی کو نکال دو تو بیچ میں چند تصورات ہی رہ جاتے ہیں، ان کے سوا کیا رہ جاتا ہے، اس لئے یہ ایک نعمت ہے جو بندہ کو نصیب ہو جائے تو اسے دنیا میں سرداری نصیب ہو جاتی ہے، شاعر نے کہا:

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را　　　　اوست سید جملہ موجودات را

ہر وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کے جمال کا عاشق بن جاتا ہے، وہ تمام مخلوقات کا سردار بن جاتا ہے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دل کو محبت الٰہی سے بھر لیں۔

محبت مشکلیں آسان کر دیتی ہے

محبت کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان محبوب کی خدمت بے اختیار ہو کر کرتا ہے "اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ" محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے۔ آپ نے گھروں میں دیکھا ہوگا کہ چھوٹا بیٹا ہے، تو ماں کیسے ۲۴ گھنٹے اس کی خدمت میں لگی ہوتی ہے، نہ اپنے سونے کی پرواہ، نہ کھانے کی پرواہ، نہ آرام کی پرواہ، ذرا بچے نے کچھ اشارہ کیا، بھاگی پھرتی ہے، یہ ۲۴ گھنٹے کی ملازمہ کیوں بنی پھرتی ہے؟ بچے سے محبت کی وجہ سے، جتنی بھی تھکی ہوئی ہوگی، بھوکی پیاسی ہوگی وہ بیٹھے گی، ایک لقمہ توڑے گی کہ میں کھانا کھالوں اور سویا ہوا بچہ

تھوڑہ سی آواز کر دے گا سب چھوڑ کے چلی جائے گی، کیونکہ محبت ہے، جو مرضی ہو جائے وہ بچہ کا رونا برداشت نہیں کر پاتی۔اسی طرح جب انسان کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت آجاتی ہے تو پھر اس کے لئے نیکی کرنا، عبادت کرنا، دین پر چلنا، یہ مشکل نظر نہیں آتا، وہ محبت کے ساتھ چل رہا ہوتا ہے۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک ماں بہت تھکی ہوئی ہے، کہتی ہے کہ آج میں نے سارا دن صفائیاں کروائیں، گھر کو صاف کیا، کپڑے دھوئے، میں بہت تھک گئی ہوں، بس مجھے عشاء پڑھ کے سوجانا ہے، وہ عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی کہ اتنے میں پردیس میں گیا ہوا جو اس کا جوان بیٹا تھا، وہ اچانک Surprise (غیر متوقع خوشی) دینے کے لئے گھر آگیا، اب جیسے ہی جوان بیٹے کی آواز سنی، سب تھکاوٹیں ختم، اب بیٹے کے ساتھ بیٹھی ہے، کھانا کھلا بھی رہی ہے، کھا بھی رہی ہے، طبیعت پوچھ رہی ہے، حال پوچھ رہی ہے، گھنٹوں جاگ رہی ہے، بیٹی کہتی ہے: امی! آپ تو کہہ رہی تھیں کہ بہت تھکی ہوئی ہوں، مجھے کوئی آج تنگ نہ کرے، مجھے سونا ہے، نیند کہاں چلی گئی؟ ماں کہے گی: بیٹی! تیرے بھائی کی آواز سن کر تو نیند ہی ختم ہو گئی۔جس طرح محبت کی بنا پر تھکی ہوئی ماں بیٹے سے ملاقات کرتی ہے تو سب تھکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں، اسی طرح بندہ سارا دن کام کاج کر کے تھکا ہوتا ہے، رات کا اندھیرا ہوتا ہے، مصلّے پہ قدم رکھتا ہے تو سب تھکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں۔

ہمارے بزرگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ دن میں اتنی ریاضت کرتے تھے کہ رات کو سونے کے لئے جب بستر پر جاتے تھے تو تھکے ہوئے اونٹ کی طرح پاؤں گھسیٹ کے رکھتے تھے، لیکن وہی تھکے ہوئے لوگ جب مصلّے پہ کھڑے ہوتے تھے تو سب تھکاوٹیں ختم ہو جاتی تھیں، ان کو رات گذرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا، اس لئے کہ دل کے اندر محبت ہے۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ جن بچوں کو ویڈیو گیم کھیلنے کا شوق ہوتا ہے، ان سے کہو کہ ایک گھنٹہ کھیل لو اور ایک گھنٹے کے بعد کہو کہ بس کرو، تو کہیں گے کہ امی! ابھی تو ۱۵ منٹ ہوئے ہیں، ایک گھنٹہ کا پتہ نہیں چلتا، جس طرح بچے کا دل ویڈیو گیم میں اٹکا ہوا ہے، کہ ایک گھنٹہ گذرنے سے بھی پتہ نہیں چلتا، ہمارے اکابر کا یہی حال تھا، اللہ کی محبت میں ان کا دل اس طرح اٹکا ہوتا تھا کہ رات کے گذرنے کا پتہ بھی نہیں ہوتا تھا۔

عشق ومحبت والی عبادت کے چند نمونے

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ سردیوں کی لمبی رات میں دو رکعت کی نیت باندھی، طبیعت میں کچھ ایسا سوز تھا، محبت تھی، کہ تلاوت کرتی رہیں، کرتی رہیں، جب سلام پھیرا تو دیکھا کہ صبح صادق کا وقت قریب ہے، تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگنے لگیں کہ اللہ! میں نے تو دو ہی رکعت کی نیت باندھی تھی، تیری راتیں کتنی چھوٹی ہیں کہ میری دو رکعت میں تیری ساری رات ختم ہوگئی۔ ان کو راتوں کے چھوٹے ہونے کا شکوہ رہا کرتا تھا، دل چاہتا تھا کہ اور زیادہ اللہ کی عبادت کریں، چنانچہ اگر کہیں کسی کا دل اٹکا ہوا ہو اور ادھر سے فون آجائے اور اس وقت دوسرا بندہ کہے کہ مجھے آپ سے بات کرنی ہے تو بوجھ لگتا ہے کہ مجھے یہ کال Call کیوں بند کرنی پڑی۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال بالکل ایسا ہی تھا چنانچہ دو صحابی رضی اللہ عنہما تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذمہ کچھ کام لگایا، اب ان میں سے ایک نے کہا کہ ساری رات جاگنا ہے، میں سو جاتا ہوں، آدھی رات آپ جاگیں، پھر آپ سو جانا میں جاگوں گا، اب جو جاگ رہے تھے ان کو محسوس ہوا کہ جو کام میرے ذمہ لگایا ہے، اس کے کرنے کا وقت آگیا، چنانچہ انھوں نے اپنے ساتھی کو جگایا اور کہا کہ میں سورۂ کہف پڑھ رہا تھا، اگر مجھے اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کا ڈر نہ ہوتا تو میں آج سورۂ کہف کو مکمل پڑھے بغیر سلام نہ پھیرتا۔ یہ محبت ایسی عجیب چیز ہے کہ انسان مصلے پہ کھڑا ہوتا ہے، اس کا دل سلام پھیرنے کا نہیں چاہتا۔

مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ لمبا سجدہ کیا کرتے تھے، کسی نے کہا کہ حضرت! اتنا لمبا سجدہ کرتے ہیں؟ کہنے لگے کہ ہاں، جب میں سجدہ کرتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں نے اپنے آقا کے قدموں پہ سر رکھ دیا، سر اٹھانے کا جی نہیں چاہتا، انسان کی یہ کیفیت ہوتی ہے، تو دل میں اگر محبت ہو تو پھر انسان کو ان عبادات میں لذت ہی عجیب ملتی ہے، اس کو ایک شاعر نے ذرا عجیب انداز سے بیان کیا، آپ اپنے گھر کسی مزدور کو لائیں اور اس سے کہیں کہ یہ پتھر توڑنا ہے، تو وہ مزدور پھاوڑا مارتا رہے گا، پتھر توڑتا رہے گا، لیکن اس کو Interest

(دلچسپی) نہیں ہے، تو وہ بے دلی کے ساتھ کام کرے گا کہ جلدی سے آٹھ گھنٹے ختم ہوں اور میری جان چھوٹے، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔ اور ایک آدمی تھا جس کا نام فرہاد تھا، اس کا دل کہیں اٹک گیا تھا تو لوگوں نے کہا کہ میاں! اس پہاڑ کو کھود دو گے تو ہم تمہارا اس سے نکاح کر دیں گے، اس نے تیشہ لیا اور پہاڑ کو کھودنا شروع کر دیا، لیکن وہ جو تیشہ مارتا تھا اس کا جذبہ ہی کچھ اور تھا، چنانچہ علامہ اقبال نے لکھا:

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست
فرہاد میں جو بات ہے مزدور میں نہیں

کہ ہر تیشہ کی جو ضرب لگاتا تھا اس کو یوں لگتا تھا کہ میں محبوب کے وصل کا جام پی رہا ہوں، فرہاد تو کچھ اور ہی محبت سے تیشہ مارتا تھا مزدور کسی اور جذبے سے۔ آج سچی بات یہ ہے کہ ہم مزدور کی نماز پڑھتے ہیں کہ کب چار رکعت ختم ہوگی، کب ۲۰ رکعت تراویح ختم ہوگی، اور ہمارے اکابر فرہاد کی نمازیں پڑھتے تھے، ایک ایک رکعت میں مزہ آتا تھا، تو یہ محبت الٰہی کی کمی کی وجہ سے ہے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے دل میں اللہ رب العزت کی محبت بڑھائیں، پیدا کریں، اگر یہ محبت نصیب ہوگئی تو سب کام ہمارے لئے آسان ہو جائیں گے

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی　　اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل　　عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل　　عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل کھڑی سوچتی رہ جاتی ہے اور عشق محبوب کے اشارے پر فوراً سجدہ کر دیتا ہے۔

ابلیس میں عشق کی کمی کا انجام

یہی تو مسئلہ تھا کہ شیطان نے اللہ کی عبادت تو کی، علم بھی اس کے پاس تھا، لیکن عشق کی نعمت سے محروم تھا، اللہ رب العزت کا حکم ہوا "اُسْجُدُوْا لِآدَمَ" تو سب فرشتوں نے

سجدہ کردیا سوائے اس شیطان بدبخت کے کہ اس نے سجدہ نہ کیا، اگر اس کے اندر محبت کا مادہ ہوتا تو یہ فوراً محبوب کے حکم کو سنتے ہی سجدہ میں چلا جاتا۔

محبت کے ساتھ اللہ کا نام لینے کی حلاوت

یہ محبت الٰہی اگر ہو تو سبحان اللہ! انسان کے وجود کے اندر برکت آجاتی ہے، چنانچہ فارسی کا ایک شعر ہے:

اللہ اللہ ایں چہ شیریں ہست نام　　　شیر و شکر می شود جانم تمام

کہ جب میں اللہ اللہ کا نام لیتا ہوں تو میرے پورے جسم میں اس طرح مٹھاس آجاتی ہے جیسے چینی کو دودھ میں ملائیں تو دودھ کے قطرے قطرے میں مٹھاس آجاتی ہے، اللہ رب العزت کا نام کتنا میٹھا نام ہے، کتنے لطف اور مزے کا نام ہے۔ اس لئے کسی عارف نے عجیب بات کہی کہ جس نے اللہ رب العزت کو پہچانا، وہ اللہ سے محبت کئے بغیر رہ نہیں سکتا، اور جس نے دنیا کی حقیقت کو پہچانا وہ دنیا سے نفرت کئے بغیر رہ نہیں سکتا، لہٰذا ہم اللہ رب العزت کی محبت اپنے دل میں پیدا کریں، یہ محبت دائمی اور پائیدار چیز ہے۔

نفسانی محبت فانی، اللہ کی محبت دائمی

اس محبت کا حال سنئے کہ دنیا میں جتنی محبتیں کرنے والے لوگ ہیں، ایک دن ان میں جدائی ہونی ہے، جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! "عِشْ مَاشِئْتَ اِنَّکَ مَیِّتٌ" جتنا چاہیں آپ دنیا میں زندہ رہیں، ایک دن آپ کو پردہ فرمانا ہے،" وَاَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّکَ مفارِقٌ " جس سے چاہیں محبت کریں ایک دن جدا ہونا ہے، دنیا میں جتنی بھی محبتیں ہیں سب کا انجام جدائی ہے، حتی کہ میاں بیوی کی محبت بھی جتنی سچی جتنی پکی ہو بالآخر موت جدائی کر دیتی ہے، ایک دوسرے سے جدا ہو جاتا ہے، تو دنیا کی محبتوں کا انجام بالآخر جدائی ہے۔ لہٰذا جو مخلوق سے محبت کرے گا، ایک نہ ایک دن مخلوق سے جدا کر دیا جائے گا، اور جو اللہ سے محبت کرے گا، ایک نہ ایک دن اللہ سے ملا دیا جائے گا، لہٰذا انسان محبت کرے تو اللہ رب العزت سے محبت کرے، پھر اللہ کی نسبت سے مخلوق سے محبت کرے، مخلوق سے جو محبتیں ہوں وہ نفس کی وجہ سے نہ ہوں، وہ اللہ کی رضا کے لئے ہوں،

اس لئے محبتیں تو اللہ کے لئے ہوئیں، اس محبت کو دل میں پیدا کر لیجئے پھر دیکھئے کہ اس محبت کا انسان کی زندگی پہ کیا اثر پڑتا ہے۔

محبت الٰہی کی کرشمہ سازی

یہ محبت انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنا دیتی ہے، زندگی میں ایک جذبہ بیدار کر دیتی ہے Motivated Person (متحرک و فعال انسان) بنا دیتی ہے، وہ تھکنا نہیں جانتا۔ چنانچہ ہرن کی ایک قسم ہے اس کو نافہ کہتے ہیں، سال میں ایک ایسا Period (وقت) آتا ہے کہ جب اس کی ناف کے اندر مشک پیدا ہوتا ہے، یہ جو مشک کی خوشبو ہے یہ اس جانور کی ناف کے اندر اللہ بناتے ہیں، یہ ہرن کی ایک خاص قسم ہے، ہم نے ایک مرتبہ سعودی عرب میں چاہا کہ معلوم کریں کہ یہ بات سچی ہے یا نہیں، ہم ایک دوکان پر گئے جو مشک کا کاروبار کرتے تھے، ہم نے کہا بھائی! ہم نے ایک بات یہ سنی ہوئی ہے، انھوں نے وہ ناف نکال کے رکھ دی، کہنے لگے کہ ہمارے پاس یہ Raw material (مکمل تیار ہونے سے پہلے) ہمارے پاس اس طرح سے آتا ہے، ہم نے دیکھا واقعی اس کی ناف کے اندر مشک کی خوشبو تھی۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت وہ خوشبو اس ہرن کی ناف میں پیدا ہوتی ہے، وہ اس کے اوپر ایک مستی کا وقت ہوتا ہے، وہ خوشبو کو سونگھتا ہے تو جیسے Hypnotized (مدھوش سا ہو جانا) ہو جاتا ہے، نہ اس کو کھانے کی پرواہ، نہ اس کو پینے کی پرواہ، نہ اس کو سونا یاد، چھلانگیں لگاتا ہے، دوڑتا ہے، بھاگتا ہے، عجیب مستی کی کیفیت ہوتی ہے۔ واقعی اسی طرح جن اللہ والوں کے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبت کا مشک بہہ رہا ہوتا ہے تو پھر ان اللہ والوں کو کھانے پینے کی پرواہ نہیں رہتی، ان کی نظر میں دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں، وہ سارا دن اللہ کی عبادت میں گذارتے ہیں اور ان کی راتیں ان کے دن کے مانند ہوا کرتی ہیں۔

ستر سال کی عمر میں روزانہ ستر مرتبہ بیت اللہ کا طواف

کرز رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں، ستر سال کی عمر تھی، ستر سال میں ستر مرتبہ بیت

اللہ کا طواف روزانہ کیا کرتے تھے، ۷۰ مرتبہ روزانہ طواف کا مطلب کہ ایک طواف کے ۷ چکر تو کل ۴۹۰ چکر لگاتے، علماء نے لکھا ہے کہ قریب ترین کا حساب لگاؤ تب بھی ۱۲ کلومیٹر کا سفر بنتا ہے، پھر ہر طواف کی دو رکعت واجب الطواف الگ تو ۷۰ کو ۲ میں ضرب دو تو ۱۴۰ رکعت ہوتی ہیں، اب ذرا اندازہ لگائیے کہ ۱۴۰ رکعت نفل پڑھنا کیا آسان کام ہے؟ اگر رمضان کی کسی رات ہم ہمت بھی کریں تو مشکل سے دس رکعت پڑھتے ہیں تو گھٹنے جواب دینے لگ جاتے ہیں، کمر میں درد ہونے لگ جاتی ہے، میں اپنے دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ دس رکعت کے بعد پھر رکوع سے اٹھتے ہوئے "سَمِعَ اللہ" کے بجائے "اُوئی اللہ" نکل رہی ہوتی ہے، تو دس رکعت پڑھ کے ہمارا یہ حال، وہ طواف کے ۱۴۰ رکعت نوافل پڑھتے تھے، باقی سارے دن کی عبادت اس کے علاوہ تھی، ۷۰ سال کی عمر میں اتنی عبادت کیسے کرتے تھے؟

ایک قرآن مجید روز پڑھنے کا معمول

ہم نے زندگی میں ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے جن کا معمول تھا کہ وہ ایک قرآن مجید روزانہ پڑھا کرتے تھے، مجھے اپنی زندگی میں دو اساتذہ ایسے ملے ہیں الحمدللہ؛ ہم ان کو دیکھتے تھے کہ ہر وقت ان کی زبان پہ قرآن مجید ہوتا، ان کے ہونٹ ہر وقت حرکت کر رہے ہوتے تھے، اور کسی تناؤ کے بغیر، کسی اظہار کے بغیر، بڑے پرسکون طریقے سے وہ گھر کے کام بھی کرتے تھے، وہ شاگردوں کو پڑھاتے بھی تھے، کھاتے بھی تھے، پیتے بھی تھے، مگر اس کے باوجود ہر وقت ان کی زبان پہ قرآن ہوتا، صبح کے وقت شروع کرتے تھے، عصر کی نماز کے وقت روزانہ ان کا قرآن مجید مکمل ہو جاتا تھا۔ آج کے دور میں کسی سے پوچھیں کہ آپ کلمہ کا کتنا ذکر کرتے ہیں؟ کوئی کہے گا دو سو مرتبہ، کوئی کہے گا ۵۰۰ مرتبہ، کوئی ہزار مرتبہ کرے تو بڑی چھلانگ لگائی۔ آج کے دور میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے احوال لکھتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ چالیس ہزار مرتبہ روزانہ کلمہ کا ذکر کرتے ہیں، ایسے بھی نوجوان ہیں جو رمضان المبارک کے تیس دنوں میں ۳۰ مرتبہ قرآن مجید مکمل کرتے ہیں، ان نوجوانوں میں یہ جذبہ کیسے

آجاتا ہے؟ اصل میں یہ محبتِ الٰہی ہے جو ان کو برانگیختہ کردیتی ہے اور ان کو تھکن یاد ہی نہیں ہوتی، پھر وہ اللہ کی عبادت میں ہر وقت لگے ہوتے ہیں۔

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اور ذوقِ عبادت

رابعہ بصریہ اللہ کی ایک نیک بندی تھیں، ان کے بارے میں آتا ہے کہ ایک شخص فجر کی نماز اور اشراق پڑھ کے ان کو ملنے کے لئے آئے، دیکھا کہ وہ چاشت کی نماز پڑھ رہی ہیں، کہنے لگا کہ اچھا فارغ ہو جائیں گی تب مل لوں گا، پھر انھوں نے ظہر کی نماز شروع کردی، تو کہا فارغ ہوں گی تب تو مل لوں گا، پھر انھوں نے عصر کی نماز شروع کردی، پھر عصر کے بعد اوراد و وظائف شروع کردیے، پھر مغرب شروع کردی، اس کے بعد پھر عشاء شروع کردی، سوچا کہ عشاء کے بعد بات کرلوں گا، پھر انھوں نے نفلوں کی نیت باندھ لی حتیٰ کہ فجر ہوگئی، پھر اشراق پڑھی، اشراق پڑھ کر بیٹھے بیٹھے ان کو نیند آگئی، اونگھ آگئی، تھوڑی کے لئے آنکھیں بند ہوئیں، گھبرا کے اٹھیں اور کہنے لگیں: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَیْنٍ لَا تَشْبَعُ مِنَ النَّوْم" اللہ! میں ایسی آنکھوں سے تیری پناہ مانگتی ہوں جو نیند سے بھرتی ہی نہیں ہیں، سوچئے! بیٹھے بیٹھے اونگھ آگئی اس پر اللہ سے پناہ مانگتی ہیں، یہ اللہ والوں کا حال ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے دل میں محبت ہوتی ہے، وہ محبت ان کو پیچھے نہیں رہنے دیتی۔ جس طرح ایک آدمی کا نکاح ہو، شادی ہو، تو وہ رات کا منتظر ہوتا ہے کہ میں کب اپنے گھر والی سے ملاقات کروں گا، جس طرح دلہا دلہن سے ملاقات کے لئے رات کے اندھیرے کا منتظر رہتا ہے، اللہ والے اپنے اللہ کی عبادت کے لئے رات کے اندھیرے کے منتظر ہوا کرتے ہیں، اس محبت کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

محبت الٰہی اور محبت نفسانی میں فرق

جو مخلوق کی نفسانی محبتیں ہیں، ان سے انسان کے دل میں ظلمت آتی ہے، اللہ رب العزت کی محبت سے انسان کے دل میں نور آتا ہے، مخلوق کی محبت سے چہروں پہ ویرانی آتی ہے، اللہ کی محبت سے چہروں پہ تازگی آتی ہے، مخلوق کی محبت سے دلوں میں بے چینی آتی ہے، اللہ کی محبت سے دلوں میں سکون آتا ہے، مخلوق کی محبتوں کا بالآخر انجام برا، اور اللہ رب

العزت کی محبت کا ہمیشہ انجام اچھا، مخلوق کی محبت میں بالآخر بدنامی، اللہ رب العزت کی محبت میں بالآخر نیک نامی، پھر مخلوق کی محبت میں حاسد بھی ہوتے ہیں کہ ایک ہی بندے سے کئی محبت کرنے والے آپس میں حاسد ہوتے ہیں اور یہاں معاملہ کچھ اور ہے کہ ایک ہی اللہ سے جتنے محبت کرنے والے ہوں، ان کے دلوں میں آپس میں بھی محبت ہوتی ہے ؎

یوں تو ہوتی ہے رقابت لازماً عشاق میں
عشق مولیٰ ہے مگر اس تہمتِ باسے بری

اللہ کے عشق میں یہ تہمت نہیں ہے کہ دو عاشقوں میں حسد ہو، یہاں تو آپس میں محبت ہوتی ہے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ مرنے والوں اور ڈھلنے والوں سے محبت کیا کرنی، محبت اس ذات سے کریں جو حیّ قیوم ذات ہے، اس لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جو نوجوان پھنسے ہوئے ہوتے ہیں، Involve ہوتے ہیں، وہ اس شعر کو یاد کرلیں:

عشق بامردہ نہ باشد پائیدار　　　　عشق را باحیّ و با قیوم دار

دنیا میں جب بھی محبت کریں تو اس ذات سے کریں جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ذات ہے، یہ نفسانی محبتیں بالآخر ختم ہوجائیں گی، اسی لئے کسی عارف نے کہا:

میرا مت مرنا کسی گلفام پر　　　　خاک ڈالوگے انھیں اجسام پر

ایک وقت آئے گا کہ اس کے اوپر خاک ڈالوگے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ رب العزت کی محبت حاصل کریں، جس شخص کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت نہیں، وہ اللہ کی نظر میں لکڑی پتھر سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

محبت الٰہی، اللہ سے قرب کا آسان راستہ

اسی لئے شیخ ابوالمواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عشق قطب ہے، Nucleus (مرکز محور) ہے انسان کی ساری نیکیاں اسی کے گرد گھومتی ہیں، جب محبت ہوتی ہے تو انسان اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر کسی کی منگنی ہو کسی جگہ اور ان کے گھر پھلوں کی ٹوکری بھجوانی ہو تو Gift (ہدیہ) پیک کرتے ہیں، پھلوں کی ٹوکری پر بھی کچھ چڑھایا جارہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ہمیں اُدھر ذرا کچھ Gift (ہدیہ) بھیجنا ہے، جس طرح

دنیا کا انسان اپنے محبوب کے لئے پھلوں کی ٹوکری کو بھی Gift (ہدیہ) پیک کر کے بھیج رہا ہوتا ہے، اللہ والے اپنی نمازوں کو بھی محبت کے گفٹ پیک میں اللہ کے حضور بھیج رہے ہوتے ہیں کہ یہ میرے محبوب کے پاس میری طرف سے ہدیہ اور تحفہ جارہا ہوتا ہے۔ آج کسی کا اہم فون آجائے کہ اہم بات کرنی ہے، فلاں وقت پہ آپ کو فون کریں گے، تو بار بار گھڑی دیکھ رہے ہوتے ہیں، بھائی! گھڑی کیوں دیکھ رہے ہیں؟ کہ گھر سے ایک اہم فون آنا ہے، جس طرح فون پہ بات کرنے کے لئے انتظار رہتا ہے، اللہ والوں کو نماز کے وقت اپنے پروردگار سے ہمکلامی کے لئے اسی طرح نماز کا انتظار رہتا ہے، وہ ظہر پڑھتے ہیں تو پھر عصر کا انتظار رہتا ہے، وقت دیکھتے ہیں کہ کب عصر کا وقت آئے گا، عصر پڑھتے ہیں تو مغرب کا انتظار، مغرب پڑھتے ہیں تو عشاء کا، عشاء پڑھتے ہیں تو فجر کا، اور پھر ۵ نمازوں سے ان کا دل نہیں بھرتا، دل چاہتا ہے کہ محبوب سے پھر کچھ ہم کلامی ہو، جیسے بہانے بہانے سے سیل فون فوراً ملا دیتے ہیں کہ میں نے اِس لئے فون کیا تھا، پھر کوئی بہانہ ملا تو میں نے اُس لئے فون کیا، اصل میں تو آواز سننی ہوتی ہے، اس لئے فون کیا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ والوں کا بھی حال ہوتا ہے کہ ۵ نمازوں سے دل کا جذبہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، وہ نفلوں کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا بہانہ بنا لیتے ہیں، وضو کیا تو چاہا کہ میں تحیۃ الوضوء پڑھ لوں، مسجد میں قدم رکھا تو سوچا کہ میں تحیۃ المسجد پڑھ لوں، پھر میں اشراق پڑھتا ہوں، پھر چاشت پڑھتا ہوں، پھر اوّابین پڑھتا ہوں، میں صلوٰۃ التسبیح پڑھ لیتا ہوں، وہ اللہ تعالی سے ہمکلامی کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں، اس نماز پڑھنے سے ان کو لطف اور مزہ آتا ہے، لیکن ایک نابالغ بچہ جس طرح بلوغ کی لذتوں سے واقف نہیں، وہ حیران ہوگا اگر اس کو کوئی کہے کہ مجھے گھر جانے کا بہت انتظار رہتا ہے، بالکل اسی طرح ہم روحانی طور پر نابالغ ہیں، ہمیں ان بلوغ کی لذتوں کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔

۴۰ سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنا

چنانچہ اگر کسی کو کہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۰ سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، یہ ان کا معمول تھا، تو حیران ہوتے ہیں کہ ۴۰ سال؟ جی ہاں! بالکل ۴۰ سال

عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھنے کا معمول تھا، اب اگر ایک بندہ علم حاصل کرے اور اس کے بعد مدرسہ میں ساری زندگی پڑھاتا رہے، ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ انھوں نے ساری زندگی حدیث پڑھانے میں گذاردی، اس کا کیا مطلب کہ درمیان میں کبھی چھٹی بھی نہیں ہوئی؟ نہیں! عرف میں ایسے ہی کہتے، اسی طرح ان کا معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، یہ معمول ۴۰ سال رہا، لوگ حیران ہوتے ہیں، ہمیں اس پر کوئی حیرانی نہیں ہوتی۔

۹۰ سال کی عمر میں عشاء کے وضوء سے اشراق کی نماز پڑھنا

ایک مرتبہ حضرت مرشد عالم خواجہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہمیں ایک جگہ جانے کا موقع ملا، مری Tourist place (سیاحتی مقام) ہے ایک بہت ٹھنڈا پہاڑی علاقہ ہے، رمضان المبارک میں وہاں پر ایک رات ایسی ہوتی ہے کہ مختلف قراء کو پورے ملک سے بلاتے ہیں، اور وہ آکے دو دو رکعت تراویح پڑھاتے ہیں، وہ چنے ہوئے قراء ہوتے ہیں۔ اس جگہ کی ایک عجیب خوبی ہے کہ اس وقت تقریباً ۴۲ سال اس جگہ پر تراویح پڑھاتے گذر گئے، آج تک اس مصلے پر کسی کو تشابہ نہیں لگا، وہ کھڑے ہی ایسے کو کرتے ہیں جس کو پورا قرآن ایسے یاد ہوتا ہے جیسے عام لوگوں کو سورۂ فاتحہ یاد ہوتی ہے، جو پڑھتے ہیں روانی سے پڑھ رہے ہوتے ہیں، وہاں ہمیں ایک مرتبہ اللہ نے موقع دے دیا، اب سنئے گا! ہمارے حضرت کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی، ۹۰ سال بڑھاپے کی عمر اور پھر شوگر کی بیماری بھی تھی، اس لئے اور بھی زیادہ مسئلہ تھا، حضرت نے روزہ افطار کیا اور اس کے بعد حضرت نے تازہ وضو فرمایا اور تازہ وضو فرمانے کے بعد حضرت نے کہا کہ مجھے مسجد جلدی لے چلو تا کہ میں اگلی صف میں پہنچ جاؤں، بعد میں بھیڑ ہو جائے گی، چنانچہ اگلی صف میں تشریف لے آئے، عشاء کی نماز ہوئی، پھر تراویح شروع ہوئی، تراویح بہت لمبی چلی، حتی کہ جب وتر ختم ہوئی تو سحری کے وقت کے ختم ہونے میں ایک گھنٹہ باقی تھا، تو مسجد والوں نے اعلان کر دیا کہ سب لوگوں کی سحری

کاانتظام ہے، فوراً دستر خوان پہ پہنچیں اور فوراً سحری کھائیں، چنانچہ اتنا وسیع انتظام تھا کہ سب لوگوں نے آدھے پونے گھنٹے کے اندر سحری مکمل کرلی، اب آپ کو پتہ ہی ہے کہ عشاء کا وضو کیا ہوا ہے اور اِدھر سحری کا وقت بھی تھا تو یہ عاجز حضرت کے قریب آیا اور پوچھا کہ حضرت! آپ وضو کے لئے تشریف لے جائیں گے؟ فرمایا کہ نہیں، اِدھر ہی سحری کھاؤں گا، حضرت نے سحری کھالی، سحری کھانے کے بعد تو اچھے بھلے نوجوانوں کو بھی Wash room (طہارت خانہ) کی ضرورت پڑتی ہے، میں نے پھر قریب آکر پوچھا کہ حضرت! اب آپ نے سحری کرلی، وضو کے لئے تشریف لے جائیں گے؟ تو میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ میرا وضو کوئی کچا دھاگہ ہے؟ یہ الفاظ فرمائے، سوچیں ذرا کہ مغرب کے وقت کا وضو کیا ہوا ہے، رات گذر گئی اور پھر صبح سحری بھی کرلی، اور سحری کے بعد یہ فرمایا، پھر میں نے دل میں سوچا کہ اب حضرت فجر پڑھ کے جائیں گے تو حضرت نے فجر کا سلام پھیرا تو قراء حضرات کو لے کر بیٹھ گئے اور پھر قراء حضرات کو فرمانے لگے کہ ساری رات تم نے مجھے قرآن سنایا، اب میں تم کو قرآن سناؤں گا، ہمارے حضرت تو قرآن کے عاشق تھے اور ان کا درسِ قرآن محبوب ترین درس تھا، وہ جب قرآن کا درس دیتے تھے تو یقین جانئے کہ چڑیا کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، ایسے لوگوں کے اوپر نور ہوتا تھا، تاثیر ہوتی تھی، جب حضرت درس دینے بیٹھ گئے تو ہم نے سوچا کہ جیسے مسجدوں میں دس منٹ کی لوگ تعلیم کرتے ہیں کہ رمضان میں لوگ تھکے ہوئے ہیں، جلدی فارغ کردو تو آج حضرت بھی دس منٹ کا درس دیں گے، لیکن نہیں، قرآن مجید کا Full (مکمل) درس دیا، حتی کہ اشراق کا وقت ہوگیا، اس کے بعد حضرت نے سب کو کہا کہ اچھا بھائی! اشراق پڑھ لیجئے، اشراق پڑھنے کے بعد ہمارے حضرت واپس آئے اور انھوں نے آکر اس وقت وضو کیا، لوگ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پہ حیران ہوتے ہیں، ہم نے اللہ والے کو ۹۰ سال کی عمر میں شوگر کی بیماری کے ساتھ عشاء کے وضو سے اشراق کی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

محبت الٰہی کی کمی کی وجہ سے عبادات مشکل

جن کے دل میں محبت ہوتی ہے وہ ایک Different (مختلف) انسان ہوجاتا ہے، اس کو عبادات میں ایسا مزہ ملنے لگتا ہے جیسے مچھلی پانی کے اندر پرسکون ہوجاتی ہے، اللہ والے مصلے پہ آکے اس طرح پرسکون ہوجاتے ہیں، "المومن فِی الْمَسْجِدِ کَالسَّمَکِ فِی الْمَاءِ" آج اس محبت الٰہی کے دلوں میں کم ہونے کی وجہ سے عبادت مشکل، تلاوت مشکل، مراقبہ مشکل، تہجد میں اٹھنا مشکل، یہ سب مشکلات اس محبت الٰہی کی کمی کی وجہ سے ہیں۔

دیکھئے ایک پودے کے اندر Dehydration (نمی ختم ہونا، خشک ہوجانا) ہوجائے تو اس کے پھل بھی مرجھا جائیں گے، پتے بھی، وہ خود بھی، اور ایک پودہ بالکل تروتازہ ہے، کیوں کہ اس کو پانی صحیح مل رہا ہے، آج محبت الٰہی کی Dehydration ہوئی ہے، نماز کو جی نہیں چاہتا، صبح اٹھنا چاہتے ہیں، لیکن فجر میں آنکھ نہیں کھلتی، چنانچہ وہ احباب جو کہتے ہیں کہ حضرت! میری کمر میں درد ہے، فجر کی نماز میں مجھ سے نہیں اٹھا جاتا، جو لوگ یہ کہتے ہیں ٹھیک فجر کے ایک گھنٹے کے بعد جب کاروبار کے لئے ان کے جانے کا وقت ہوتا ہے، اس وقت نہا کے ناشتہ کرکے وہ ایسے بھاگے جارہے ہوتے ہیں جیسے ان کے اندر کسی نے جاپانی سیل فِٹ کردیا، اب کمر کا درد کدھر گیا؟ یہ تو محبت کی بات ہے، دل کاروبار میں اٹکا ہوا ہے، روز کے لاکھوں کماتے ہیں، بھاگے جارہے ہیں، اگر اللہ کی محبت دل میں ہوتی تو تہجد کے وقت جاگنے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔

تہجد نہ پڑھنے والوں کو لرزا دینے والی ایک حدیث

اس لئے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب رات کا آخری وقت ہوتا ہے تو تین طرح کے فرشتوں کی جماعت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس جماعت کو فرماتے ہیں کہ جاؤ فلاں فلاں ہمارے ناپسندیدہ بندے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ یہ اس وقت میرے سامنے کھڑے ہوں، ان کو تھپکی دے کے سلاؤ، تاکہ یہ نہ جاگ سکیں، یہ میرے پیاروں کے جاگنے کا وقت ہے، چنانچہ فرشتے آتے ہیں، اور تھپکی دے کے سلا دیتے ہیں کہ اس موقع پہ اٹھنے کی آپ کو

اجازت نہیں ہے، وہ مالک الملک تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتے، اس لئے جب تہجد قضا ہو تو یہ نہ سوچے کہ میں نے تہجد نہیں پڑھی، یوں سوچیں کہ شاید میری شکل دیکھنا اس نے پسند نہیں کیا، تبھی تو کھڑا ہونے نہیں دیا۔

فرشتوں کی ایک دوسری جماعت کو فرماتے ہیں کہ جاؤ فلاں فلاں میرے بڑے مقبول و محبوب بندے ہیں، ان کو جگاؤ، تاکہ وہ اٹھیں، میرے سامنے سجدے کریں، ہاتھ اٹھائیں، میں ان کی مرادوں کو پورا کروں، ان کو فرشتے جگا دیتے ہیں، تھکے ہوئے ہوتے ہیں، لیکن تہجد کے وقت ایکدم آنکھ کھل جاتی ہے، جیسے ان کے اندر کوئی الارم فٹ ہوتا ہے، وہ فرشتے جگا دیتے ہیں تہجد پڑھنے کے لئے۔

اور پھر تیسری جماعت کے بارے میں حدیث پاک میں فرمایا کہ بیماریوں والے، بڑھاپے والے وہ اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں جنھوں نے زندگی دین کی دعوت میں اور عبادت میں گذاری ہوتی ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ یہ میرا بندہ عبادت کرتے کرتے اب بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ گیا، فرشتو جاؤ، جا کر ان کی کروٹ بدل دو، یہ چاہیں گے تو لیٹے رہیں گے، چاہیں گے تو جاگ جائیں گے، میں ان کے جاگنے پہ بھی راضی ہوں، ان کے سونے پہ بھی راضی ہوں، تو جب اللہ رب العزت کی محبت دل میں ہو تو تہجد میں اٹھنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔

عشق الٰہی، مومن کی پہچان

اس لئے شیخ ابو المواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق قطب ہے یعنی اللہ رب العزت کی محبت یہ Nucleus (مرکزی نقطہ) ہے، اس کے گرد سب عبادتیں گھومتی ہیں، جتنی یہ محبت مضبوط ہوگی، ہر چیز اپنی اپنی جگہ پہ کام کرتی رہے گی، لہٰذا یہ محبت نہ ہو تو انسان نماز کو حاکم کی بیگار سمجھ کر پڑھتا ہے اور جب یہ محبت ہو تو انسان نماز کو سبب لقاء یار سمجھ کے پڑھتا ہے، آج اس محبت کو بڑھانے اور پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے حضرت مجذوبؒ نے عجیب شعر فرمایا:

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے　　　ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے　　　عشق والے حساب کیا جانیں

عشق والے تو محبت میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں، کیونکہ یہ محبت عجیب ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الاتقان میں عجیب بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے آدم علیہ السلام کو ۲۰ مرتبہ Message (پیغام) بھیجا، جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ وحی بھیجی، ادریس علیہ السلام کی طرف جبرئیل ۴ مرتبہ نازل ہوئے، نوح علیہ السلام کی طرف ۵۰ مرتبہ آئے، ابراہیم علیہ السلام کے پاس ۴۲ مرتبہ آئے، موسیٰ علیہ السلام کے پاس ۴۰۰ مرتبہ، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ۱۳ مرتبہ اور اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۲۴ ہزار مرتبہ بھیجا، یعنی ۲۴ ہزار Messages، اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ حال تھا کہ جبرئیل کے آنے کا انتظار رہتا تھا اور آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ جبرئیل میرے آقا کا پیغام لے کے کب آرہے ہیں، اللہ نے فرمایا: میرے محبوب! آپ محبت میں اوپر کی طرف دیکھتے ہیں ''قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ'' آپ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، ہم محبت سے آپ کے پیارے چہرے کی طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں، یہ محبت کا تعلق ہی عجیب ہوتا ہے، ۲۴ ہزار مرتبہ پیغام آیا پھر بھی دل نہیں بھرا، تو انسان جتنی عبادتیں کرتا ہے، اس کو کچھ نظر ہی نہیں آتیں، وہ چاہتا ہے کہ کاش میں اور زیادہ عبادت کرتا۔ اس لئے قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ'' کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے، اب یہاں حکم نہیں دیا گیا، امر کا صیغہ کہیں نظر نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو کہ ایمان والو! مجھ سے محبت کرو، نہیں، یہ تو خبر ہے، خبر دی گئی کہ ایمان والوں کو اللہ سے محبت ہوتی ہے۔ مفسرین نے لکھا کہ اس میں مسئلہ کیا ہے؟ تو انھوں نے نکتہ یہ لکھا کہ دیکھو! جو حسین ہوتے ہیں وہ کسی سے کہتے نہیں ہیں کہ ہم سے محبت کرو، وہ اتنا کہتے ہیں کہ کسی کو پتہ ہونا چاہئے کہ ہم کتنے حسین ہیں، وہ ہم سے محبت کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، یہی بات اللہ رب العزت نے فرمائی: ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' وہ لوگ جو ایمان لے آئے، جن کو

ہمارے حسن و جمال کا پتہ چل گیا ''أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ'' ہم سے محبت کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔

عشق الٰہی کی حرارت

دنیا کی آگ جہنم کی آگ سے ۷۰ مرتبہ ڈرتی ہے اور جہنم کی آگ عشق کی آگ سے ڈرتی ہے، حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ جب مومن پُل صراط پہ گذرنے لگے گا تو نیچے جو جہنم کے شعلہ ہوں گے وہ ٹھنڈے ہو جائیں، تو کہیں گے ''أَسْرِعْ یَا مُؤْمِن'' مومن! جلدی چل، تیرے دل کی محبت کی آگ نے میرے جہنم کی آگ کو بجھا ڈالا، یہ عشقِ الٰہی کی آگ ایسی ہوتی ہے، محبت الٰہی کا نور ایسا ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ کو بھی بجھا دیتا ہے۔

محبتِ الٰہی کو حاصل کرنے کا طریقہ

اب ذہن میں ایک بات آتی ہے کہ انسان اس آگ کو، اور اس محبت الٰہی کی نعمت کو کیسے حاصل کرے؟ تو بھائی! ہر چیز کی دوکانیں ہوتی ہیں، کپڑے کی دوکان سے کپڑا ملتا ہے، جوتے کی دوکان سے جوتے ملتے ہیں، لوہے کی دوکان سے لوہا ملتا ہے، عطر کی دوکان سے عطر ملتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ ملنے کے لئے آئے، تو مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ نے پوچھا: مولانا! کبھی کوئی عشق کی دوکان دیکھی ہے؟ تو مولانا تھوڑی دیر سوچتے رہے اور کہنے لگے حضرت میں نے دو عشق کی دوکانیں دیکھی ہیں، پوچھا کونسی؟ کہنے لگے ایک تو شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اور دوسری شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ کی، یہ دونوں اپنے زمانے میں ہمارے سلسلہ کے اللہ کے بڑے اولیاء و عشاق میں سے تھے، ان کی جگہ کا نام لیا کہ حضرت وہ عشق کی دوکانیں تھیں، ان کو میں نے دیکھا ہے۔ جہاں کوئی صاحبِ نسبت بزرگ ہوتا ہے، وہ جگہ عشق کی دوکان بن جاتی ہے، لوگ آتے ہیں عشق کی تلاش میں اور اپنی اپنی پڑیاں لے لے کے جا رہے ہوتے ہیں، کسی کو چھوٹی پڑیا، کسی کو بڑی، اپنی طلب کے مطابق ہر ایک کو ملتی ہے، جیسے مقناطیس کے قریب لوہا آجائے تو اس میں مقناطیسیت آجاتی ہے، اللہ والوں کا بھی یہی حال ہے کہ ان کی صحبت

میں آ کے جو انسان تھوڑا وقت بھی گذار لیتا ہے، اللہ اس کے دل میں محبت الٰہی کی مقناطیسیت ڈال دی جاتی ہے، وہ بندہ تڑپ جاتا ہے، جس پر پانچ فرض نمازیں پڑھنی مشکل ہوتی ہیں وہ چند دنوں کے اندر تہجد کا پابند بن جایا کرتا ہے، وہ متبعِ سنت نظر آنے لگتا ہے، اس کے اندر اصل میں اللہ رب العزت کی محبت کی مقناطیسیت آ جاتی ہے۔

اسی لئے کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دھوبی آتے تھے اور بیعت ہوتے تھے اور اس زمانے میں دھونے کے لئے کپڑے کو پٹخہ لگاتے تھے، وہ جب بیعت ہو کے جاتے تھے تو پٹخہ لگاتے ہوئے ''إلا الله'' کی ضربیں لگاتے تھے، ان دھوبیوں کے قریب سے کوئی گذرتا تو ''إلا الله'' کی ضربوں کی آواز آ رہی ہوتی تھی۔

ہمارے یہاں ملتان ایک شہر ہے، اس میں ایک نوجوان بیعت ہوا، وہ Black belt[1] تھا، بعد میں پتہ چلا کہ اس نے Traning centre (تربیتی مرکز اس فن کا) بنایا ہوا تھا، وہ واپس گیا اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ بھائی! ہم جو یہ کراٹے کھیلتے ہیں اور اس میں ایک خاص قسم کی آواز نکالتے ہیں، وہ بے فائدہ آواز ہے، لہٰذا ہم اس کو نکالنے کے بجائے اللہ کی آواز نکالیں گے، اللہ کی شان کہنے لگا کہ باہر سے دروازے پہ اتنا مجمع ہو گیا کہ ہم بھی محفلِ ذکر میں آنا چاہتے ہیں، دل بدل جاتا ہے تو یوں انسان کی زندگی بدل جاتی ہے۔

ہم نے اپنی زندگی میں عشق کی دو دو کانیں دیکھی ہیں، ایک دوکان دیکھی حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی، اگرچہ وہ وفات پا چکے تھے، مگر ان کے حالات ہم نے اپنے حضرت سے سنے، دیہاتی علاقہ تھا، وہاں کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہوتا تھا، دستر خوان بچھانے کے لئے نہیں ہوتا تھا، جو لوگ آتے تھے ان کو حضرت لائن میں بٹھا دیتے تھے اور ان کو کہتے تھے کہ سنت کے مطابق بیٹھ جاؤ اور ان کی ران کے اوپر روٹی رکھ دیتے تھے اور گڑ کی ڈلی دے دیتے تھے، گڑ کے ساتھ خشک روٹی یہ وہاں روز کا کھانا ہوتا تھا، صبح شام خشک روٹی گڑ کے ساتھ، یہی کچھ دے سکتے تھے اور کئی دن گڑ بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہاں رہنے والے لوگ

[1] جسمانی لڑائی کے ایک فن ''جوڈو کراٹے'' کے اعلیٰ درجہ کا حامل

قضائے حاجت کے لئے ویرانے میں جاتے ہیں، آپ نے ایک جھاڑی تو دیکھی ہوگی جو کانٹے دار جھاڑی ہوتی ہے، اس کے اوپر ایک وقت میں بہت پھول لگتے ہیں، پھولوں سے بھر جاتی ہے، کچھ نوجوان وہ پھول چن کے لے آتے اور لا کے لنگر میں دے دیتے تو لنگر والا ان پھولوں کو پانی میں ابال دیتا تھا، نمک ہوتا تو ڈال دیتا، گھی ہوتا تو ڈال دیتا، کچھ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ڈالتا، جس دن وہ پھول اُبلتے تھے اور سالن بنتا تھا تو خانقاہ کے جو لوگ تھے ان کے چہروں پہ خوشی ہوتی تھی اور وہ ایک دوسرے کو بتا رہے ہوتے تھے کہ آج کھانے میں کھٹا بنا ہے، یعنی آج روٹی کے ساتھ گڑ نہیں، بلکہ روٹی کے ساتھ سالن ملے گا، یہ حالت ہوتی، یہ کھانے کو ملتا، اور یہ لوگ وہاں اللہ اللہ کرتے تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ رات کے وقت مسجد میں یہ لوگ لیٹ جاتے، حضرت فرماتے تھے کہ تھوڑی ہی دیر گذرتی اور کسی ایک کے اوپر جذبہ طاری ہوتا اور وہ زور سے اللہ اللہ کہتا، سب کی آنکھ کھل جاتی، پھر تھوڑی دیر کے بعد آنکھ لگتی، پھر وہی حال، فرماتے تھے کہ وہاں ہماری ساری رات اسی طرح سوتے جاگتے گذر جاتی تھی، مگر جس کو دیکھتے تھے اس پر ذکر کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ مسجد میں دو بوڑھے بیٹھے تھے اور ایک بوڑھا دوسرے کو پکڑ کے یوں جھنجھوڑتا ہے اور دوسرا بوڑھا اس کو پکڑ کے جھنجھوڑتا ہے، اب دیکھنے والے بڑے حیران کہ دونوں نیک ہیں، تہجد گذار، متقی، صالح، ہر اعتبار سے عمر دین پہ گذر گئی، یہ مسجد میں بیٹھے کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ وہ بندہ ذرا قریب ہوا، جب قریب ہوا تو منظر عجیب تھا، ہوا یہ کہ ان میں سے ایک بیٹھا تھا، اس نے دوسرے کو کہہ دیا کہ اللہ میرا ہے، تو جب اس نے کہا کہ اللہ میرا ہے تو دوسرا بھی تو محبت والا تھا، وہ اس کو جھنجھوڑتا ہے کہتا ہے کہ اللہ میرا ہے، وہ اُس کو جھنجھوڑتا ہے کہ اللہ میرا ہے، یہ اِس کو جھنجھوڑتا ہے کہ نہیں، اللہ میرا ہے، سبحان اللہ! دلوں میں کیا محبت ہوگی کہ جو اس بات پہ ایک دوسرے کو جھنجھوڑتے ہیں کہ اللہ میرا ہے۔

یہ عشق کی دوکانیں ہوتی ہیں جہاں سے محبت الٰہی کی پڑیا ملتی ہے اور پھر انسان کی زندگی کی ترتیب بدل جاتی ہے، پھر انسان کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا سب کا سب اللہ رب العزت

کے لئے ہوجاتا ہے، یہ اللہ رب العزت کی محبت عجیب نعمت ہے۔ چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے کہ جس بندے کی زبان سے پوری زندگی میں ایک مرتبہ محبت کے ساتھ اللہ کا لفظ نکلا، فرماتے ہیں کہ کبھی نہ کبھی اس عمل کی وجہ سے اللہ اس کو جہنم سے ضرور بری فرمادیں گے، اور یہ بات تو سچی ہے کہ جو بندہ دنیا میں اللہ سے محبت کرنے کی کوشش میں لگا رہے گا، کیا اللہ کی رحمت سے یہ امید جاسکتی ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کو دشمنوں کی قطار میں کھڑا فرمادے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے زندگی میں یہ کوشش کیجئے کہ ہم اللہ کی محبت کو دل میں بھریں اور پوری زندگی اللہ کے دین کے لئے گذاریں، اسی میں ہماری پوری زندگی گذر جائے، یہی ہماری زندگی کا مقصود اور منشا بن جائے، آپ سب حضرات یہاں اسی محبت کو لینے کے لئے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے مجھ سے محبت کریں، اس کو پسند فرماتے ہیں، اور یاد رکھیں! آج کاروبار کے لئے، گھربار کے لئے، رشتہ داروں کے لئے، دنیا کے کاموں کے لئے سفر کرنے والے بہت ہیں، فیکٹریوں میں ساری ساری رات لوگ جاگتے ہیں، ہاں محبت الٰہی کے لئے کوئی سفر کرے، محبت الٰہی کے لئے کوئی رات کو جاگے تو یہ نعمت آج کے دور میں بہت تھوڑی ہے اور جو اپنے گھر سے اس لئے نکلا ہوگا کہ اللہ میں تجھے پانے کے لئے اور تیرا بننے کے لئے اپنے گھر سے نکل رہا ہوں تو اس کا ایک ایک قدم اللہ کے یہاں قبول ہوگا، کہ یہ بندہ میری محبت پانے کے لئے اپنے گھر سے نکلا ہے ؎

شاد باد اے عشق خوش سودائے ما		اے دوائے جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما		اے کہ افلاطون و جالینوسِ ما

عشق الٰہی کی برکات

عشق الٰہی کی آگ دل میں آتی ہے تو تمام باطنی بیماریوں کو دل سے نکال دیتی ہے، شہوت، غصہ، کینہ، حسد، تکبر، عجب، یہ جتنی بیماریاں ہیں Automatically (خود بخود) سب کا علاج ہوجاتا ہے، دل محبتِ الٰہی سے جب بھر جاتا ہے تو انسان صحیح معنوں میں انسان بن جاتا ہے، پھر انسان بنا سنوار کے ایک ایک کام کر رہا ہوتا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کچھ درہم دھو رہی تھیں، نبی ﷺ نے پوچھا: حمیراء! یہ کیا کر رہی ہو؟ کہا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! مجھ کو یہ اللہ کے راستے میں صدقہ دینا ہے، اس لئے میں انکو دھو رہی ہوں، صاف کر رہی ہوں، پوچھا: حمیرا! کیوں؟ کہا: اے اللہ کے حبیب ﷺ میں نے آپ کی زبان سے سنا ہے کہ جب دینے والا اللہ کے راستے میں مال دیتا ہے تو وہ مال سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے، جب سے میں نے یہ سنا، میں اپنے پیسوں کو دھو کے صدقہ دیتی ہوں، تاکہ میرے مالک کے ہاتھوں میں صاف ستھرا مال پہنچے، تو بنا سنوار کے انسان اعمال کو کرتا ہے، تاکہ مالک کو پسند آجائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ سے عشق

سیدنا ابراہیم علیہ السلام بکریوں کا ریوڑ لے کر جا رہے ہیں، قریب سے ایک شخص گذرا اور اس نے گذرتے ہوئے یہ الفاظ کہے: ''سُبحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَ الْمَلَکُوتِ سُبحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَ الْعَظَمَۃِ وَ الْھَیْبَۃِ وَ الْقُدْرَۃِ وَ الْکِبْرِیَاءِ وَ الْجَبَرُوْتِ'' جب اس نے اللہ رب العزت کی تعریف اتنے پیارے لفظوں میں کی تو ابراہیم علیہ السلام کا دل تو تڑپ اٹھا، کھڑے ہو گئے، کہا: اے بھائی! جو کہا ایک مرتبہ پھر کہہ دے، اس نے پوچھا کہ اس کے بدلے کیا دیں گے؟ فرمایا یہ میرا جتنا ریوڑ ہے آدھا آپ کو دے دوں گا، اس نے پھر وہی الفاظ کہہ دئے، جب پھر اللہ کی تعریف ان الفاظ میں سنی تو پھر دل تڑپ اٹھا، پھر کہا: اے بھائی! ایک مرتبہ اور کہہ دے، پوچھا اب کیا دیں گے؟ کہا: بھائی! باقی بکریاں بھی آپ کی، اس نے پھر ایک مرتبہ کہا، اب جب سنا تو قند مکرر کا مزہ آیا دل نے کہا ؎

ہوتی رہے ثنا تیرے حسن و جمال کی

اے اللہ! یہ تیری تعریفیں کرتا رہے، اور تیرا ابراہیم سنتا رہے، پھر کہا: اے بھائی! ذرا ایک مرتبہ اور کہہ دینا، اس نے کہا: جناب! اب تو آپ کے پاس بکریاں بھی نہیں، اب کیا دیں گے؟ فرمانے لگے: تجھے بکریاں چرانے کے لئے کسی کی ضرورت ہوگی، میں تیری بکریاں چرا دیا کروں گا، یہ الفاظ مجھے اور سنا دو، اس نے کہا ابراہیم خلیل اللہ! تجھے مبارک ہو، میں تو اللہ رب العزت کا فرشتہ ہوں، میرے مالک نے بھیجا کہ جاؤ ابراہیم کے سامنے میرا نام لو اور دیکھو کہ میرے نام کے

کیا دام لگا تا ہے، جن کے دل میں محبت ہوتی ہے، وہ اللہ کے نام پہ ایسے قربان ہو جایا کرتے ہیں، مال و دولت اللہ کے نام پہ قربان کر دیتے۔

عشقِ الٰہی سے سرشار ایک معذور کا سبق آموز واقعہ

مالک ابن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں اپنے گھر سے باہر نکلا، گرمی کا موسم تھا، اتنی سخت گرمی تھی کہ لوگ بھی گھروں میں، جانور بھی درختوں کے سائے کے نیچے، پرندے بھی اپنے گھونسلوں میں، باہر سورج آگ برسا رہا تھا، مجھے ضروری کام تھا تو مجھے نکلنا پڑا، میں جب گلی میں نکلا تو دیکھا کہ ایک اپاہج بندہ ہے، ٹانگوں سے معذور ہے اور وہ زمین کے اوپر اپنے ہاتھوں سے گھسٹتا گھسٹتا آ رہا ہے، کہنے لگے کہ جب میں قریب آیا تو دیکھا کہ پورا پسینہ میں نہایا ہوا ہے اور اس کی جلد دھوپ کی تپش کی وجہ سے لال ہو چکی تھی، جیسے سورج نے اس کی جلد جلا دی ہو، اور وہ آگے آگے بڑھ رہا ہے، میں نے سلام کیا، اور پوچھا کہ نوجوان! اس گرمی میں تو کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے حج کا ارادہ کیا ہے، اللہ کے گھر کی طرف جا رہا ہوں، اس لئے سفر میں ہوں، میں نے کہا کہ تھوڑی دیر میرے یہاں آرام کر لو، اس نے کہا کہ جناب! مجھے تو سفر کرنے میں وقت لگتا ہے، آپ تو پاؤں سے آرام سے چلتے ہو، میں تو انچ انچ کے حساب سے چل رہا ہوں، مجھے ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں راستہ میں رہ جاؤں اور ایامِ حج آ جائیں اور میرا حج نکل جائے تو میں رکوں گا نہیں فرماتے ہیں کہ میں نے اسے ایک Suggestion (رائے) دی، میں نے کہا کہ میرے گھر میں آرام کر لو، میں سواری کا بندوبست کر دیتا ہوں، تم شام کو سوار ہو کے اپنا سفر سہولت سے طے کر لو، کہنے لگے کہ جب میں نے یہ الفاظ کہے تو اس نوجوان نے میری طرف دیکھا، اور کہنے لگا: مالک بن دینار! میں تو تمہیں بہت عقلمند سمجھتا تھا تم نے کیسی بات کی؟ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا کہ کیا غلطی مجھ سے ہوگئی، کہنے لگا: مالک بن دینار! ذرا سوچو اگر کوئی غلام اپنے ناراض مالک کو منانے کے لئے جائے تو بتاؤ اسے پیدل یا گھسٹ کر جانا اچھا لگتا ہے یا سواری پہ سوار ہو کے شان سے جانا اچھا لگتا ہے؟ کہنے لگے کہ میں حیران ہو گیا کہ یہ نوجوان کتنی عاجزی کے ساتھ اپنے مالک کو منانے کے لئے جا رہا ہے، کہنے لگے کہ اس نے میری کچھ پرواہ نہ کی اور وہ چلتا گیا، اللہ کی شان کہ اسی سال اللہ رب العزت نے مجھے بھی حج کی توفیق دے دی،

وہ فرماتے ہیں کہ منیٰ کے میدان میں جب ہم نے کنکریاں ماریں، اس کے بعد جب میں ذرا پیچھے ہٹا تو ایک مجمع دیکھا، پوچھا: کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: ایک نوجوان ہے اور وہ یہاں بس اللہ سے باتیں کر رہا ہے اور سب سن رہے ہیں، میں نے کہا کہ اچھا ذرا مجھے بھی موقع دو کہ شکل دیکھوں، فرماتے ہیں کہ جب مجھے موقع ملا اور میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ وہی نوجوان احرام باندھا ہوا ہے اور اللہ سے دعا مانگ رہا ہے اور دعا میں یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ! آپ کی دی ہوئی توفیق سے میرا سفر مکمل ہوا، میں نے میدانِ عرفات کا وقوف بھی کر لیا، مزدلفہ کا وقوف بھی کر لیا، اور میں نے شیطان کو کنکریاں مار کے اپنی نفرت کا اظہار بھی کر لیا، اے اللہ! اب قربانی کا وقت ہے، سب لوگ جائیں گے اور اپنی اپنی طرف سے قربانی کا جانور ذبح کریں گے، میرے مولیٰ! تو مجھے جانتا ہے میں تو فقیر ہوں، احرام کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں، اے اللہ! میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہوں، اس لئے میری جان قبول فرما لیجئے، اس نے یہ الفاظ کہہ کر کلمہ پڑھا اور اپنی جان اپنے اللہ کے سپرد کر دی۔ جب اللہ کی محبت ہوتی ہے تو انسان اللہ کے نام پہ اپنی جان دینا بھی اپنے لئے سعادت سمجھتا ہے، پھر راتوں کی عبادتیں، سچ بولنا، امانت کا خیال رکھنا، اچھے اخلاق کا خیال رکھنا، یہ سب چھوٹی چیزیں بن جاتی ہیں، اللہ ہم سب کے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دے، کسی نے کیا عجیب بات کہی:

وَاللّٰهِ مَاطَلَعَتْ شَمْسٌ وَلَاغَرَبَتْ　　اِلَّاوَاَنْتَ فِيْ قَلْبِيْ وَوَسْوَاسِيْ

اللہ کی قسم! کبھی سورج طلوع نہیں ہوا اور کبھی غروب نہیں ہوا، مگر اے محبوب! میرے دل میں اور میرے دھیان میں تیری ہی تو یاد رہتی ہے۔

وَلَاجَلَسْتُ عَلٰى قَوْمٍ اُحَدِّثُهُمْ　　اِلَّاوَاَنْتَ حَدِيْثِيْ بَيْنَ جُلَّاسِيْ

اور اللہ کی قسم! میں کبھی اپنے دوستوں کی محفل میں نہیں بیٹھا، مگر اے محبوب! ان دوستوں کی محفل میں میری زبان پر گفتگو تو تیری ہی ہوا کرتی ہے۔

وَلَاهَمَمْتُ بِشُرْبِ الْمَاءِ مِنْ عَطَشٍ　　اِلَّارَاَيْتُ خَيَالًامِنْكَ فِي الْكَاْسِ

اور اے محبوب! میں نے کبھی پیاس کی شدت کے عالم میں پانی کا پیالہ نہیں پیا، مگر اس پانی میں تیری تصویر ہی تو ڈھونڈ رہا ہوتا ہوں۔

وَلَاذَكَرْتُكَ مَحْزُوْنًا وَلَا كَرْبًا　اِلَّا وَحُبُّكَ مَقْرُوْنٌ بِأَنْفَاسِيْ

اے میرے محبوب! میں نے کبھی خوشی میں یا غمی میں تجھے یاد نہیں کیا، مگر میرے سانس تیری محبت میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں، ایسی اللہ کی محبت آجائے کہ ہم اللہ کو یاد کریں اور اللہ کا نام اللہ کی محبت میں لپٹا ہوا ہماری زبان سے نکل رہا ہو، اللہ رب العزت ہمیں اپنی ایسی سچی محبت عطا فرمائے، یہ وہ نعمت ہے جس کو مانگنے کے لئے نبی علیہ السلام نے امت کو یہ دعا سکھائی کہ ہم دعا مانگیں ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُبَلِّغُنَا اِلٰى حُبِّكَ'' ایک اور حدیث پاک میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ اِلَيَّ مِنَ الْبَارِدِ'' ہم اللہ تعالیٰ سے اللہ کی محبت کو مانگتے ہیں، کسی نے کہا:

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں　　میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہل محفل　　چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اگلے صفحہ پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، یہ خطاب ۵/اپریل ۲۰۱۱ء بروز سہ شنبہ، بعد نماز مغرب، ممداپور، نیرل (مہاراشٹرا) میں واقع ”خانقاہِ نقشبندیہ مجددیہ نعمانیہ “ میں ہوا تھا، شرکاء کی تعداد کا اندازہ ڈھائی لاکھ سے پونے تین لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔

صفاتِ حمیدہ سے خود کو مزین کریں

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد
اعوذباللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، و سلام علی المرسلین، والحمدللہ رب العلمین
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک وسلم

آج کے دور میں کوالیٹی Quality کی اہمیت

آج کے Scientific (سائنسی) دور میں ہر لکھا پڑھا انسان Quality concious (عمدہ سے عمدہ تر کی تلاش میں رہنے والا) بن گیا ہے، ہر چیز میں اسے Quality (معیار) اعلیٰ سے اعلیٰ چاہئے، لباس ہوں، جوتے ہوں، گاڑی ہو، گھر کی چیزیں ہوں، کوئی بھی چیز ہو جب وہ لینے لگتا ہے تو کوالیٹی کو دیکھتا ہے، بلکہ اچھی کوالیٹی کے پیچھے وہ اچھی قیمت دینے کے لئے تیار ہوتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ جب مجھے Pay (خرچ) کرنا ہے تو کیوں نہ میں Best quality (سب سے عمدہ) والی چیز کو حاصل کروں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فیکٹری والوں نے اپنی فیکٹریوں میں ایک Department (شعبہ) Quality Control

Department (کوالیٹی کی جانچ کا شعبہ) بنایا، مالک اپنے منیجر کو بتاتا ہے کہ مجھے چیز کی کوالیٹی میں کسی بھی قیمت پر کوئی Compromise (سمجھوتہ) نہیں کرنا ہے، میرے Customers (خریدار) ٹوٹ جائیں گے، اب سوچنے کہ ہم کو چند ٹکوں کے عوض جو چیز خریدنی ہے اس میں بھی بہترین کوالیٹی کی تمنا رکھتے ہیں، اللہ رب العزت؛ جن کو اپنی رضا، اپنی لقاء، اپنی جنتیں ہمیں ہمارے عملوں کے بدلے دینی ہیں، وہ بندے سے عمل کی بہترین کوالیٹی مانگتے ہیں کہ اے میرے بندے! تو بہترین عمل کر کے دکھا، اس لئے فرمایا "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ" "ہم نے موت اور حیات کو پیدا کیا "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً" یہ دیکھنے کے لئے کہ تم میں سے کون بہترین عمل کرتا ہے، تو ایک ہوتی Quantity (مقدار)، ایک ہوتی ہے Quality (معیار)، اللہ تعالیٰ کو دونوں مطلوب ہیں کہ تم پانچ نمازیں بھی پڑھو، مگر میری یاد کے ساتھ پڑھو، اس لئے حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جس نماز میں انسان دنیا کی سوچوں میں گم ہو، وہ نماز پھٹے کپڑے کی طرح اس بندے کے منہ پہ واپس ماردی جاتی ہے۔ حدیث مبارک میں ہے: کتنے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ جن کو بھوکا پیاسا رہنے کے سوا کچھ نہیں ملتا، اس لئے کہ اس میں روح نہیں ہوتی، عمل کی کوالیٹی نہیں ہوتی۔

ایک دلچسپ مثال

اس کو یوں سمجھئے کہ اگر ایک من سونا ہو تو ایک من وزن ہوگا، ایک من چاندی بھی ایک من، ایک من تانبا بھی ایک من، ایک من لوہا بھی ایک من اور ایک من مٹی بھی ایک من، وزن میں سب برابر ہیں، لیکن ایک من سونے کی قیمت کچھ اور ہے، چاندی کی قیمت کچھ اور ہے، لوہے کی قیمت کچھ اور ہے، اور مٹی کی قیمت کچھ اور ہے۔ ابھی ہم نے مغرب میں تین رکعت پڑھیں تو عبادت تو سب نے ایک جیسی کی، مگر کسی کی نماز پر اللہ تعالیٰ سونے کا بھاؤ لگائیں گے، کسی پر چاندی کا بھاؤ لگائیں گے، کسی پر لوہے کا، اور کسی کی نماز کو مٹی کے بھاؤ بھی

قبول نہیں فرمائیں گے، اس لئے ہمیں اپنے عملوں کو بہتر سے بہتر کوالیٹی کے بنانے کے لئے بہترین کوشش کرنی چاہئے۔

سات چیزوں کی زینت سات چیزوں میں ہے

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سات چیزوں کی کوالیٹی سات چیزوں میں ہے، اگر ہم ان کاموں کو کریں تو ان عملوں کی کوالیٹی بہترین ہوجائے گی، وہ عمل پالش ہوجائیں گے، اس کی مثال آپ یوں سمجھیں کہ آپ نے لکڑی کا فرنیچر بنوایا، وہ بن کے تیار ہو گیا، آپ جا کے دیکھتے ہیں تو بھدی سی لکڑی ہے، فرنیچر دیکھنے کو دل نہیں کرتا، مگر بنانے والا کہتا ہے کہ فرنیچر تو بن گیا لیکن پالش باقی ہے، وہ اسی لکڑی کو پالش کرتا ہے Varnish (چکنا بنانا) کرتا ہے، اس پر Nickel (ایک قسم کا روغن) چڑھا دیتا ہے، تو وہ آئینہ کی طرح چمکنا شروع کر دیتی ہے، پھر اس فرنیچر کو دیکھ کے دل خوش ہوجاتا ہے۔ اپنے یہاں ایک مرتبہ ہم نے مسجد کے لئے پتھر منگوایا تو ہمارے ایک ساتھی دیکھ کر کہنے لگے: یہ پتھر لگے گا؟ ہم نے کہا: جی، کہنے لگے: یہ تو بہت بھدا سا پتھر ہے، تو ہم نے بتایا کیا کہ ابھی یہ پالش نہیں ہوا ہے، اس لئے آپ کو ایسا لگ رہا ہے، اسی پتھر کو جب پالش کیا گیا تو وہ اتنا خوبصورت ہوگیا کہ دیکھنے والوں کو چہرہ نظر آتا تھا، تو معلوم ہوا کہ اگر ہم اپنے عملوں کو پالش کریں، زینت دیں، تو یہ اللہ رب العزت کے یہاں جلدی قبول ہوجائیں گے۔

نعمت کی زینت شکر ادا کرنے میں ہے

اس لئے فرمایا کہ سات اعمال کی زینت سات چیزوں میں ہے، ان میں سے سب سے پہلی بات کہ نعمت کی زینت شکر ادا کرنے میں ہے۔ اگر اللہ رب العزت کسی بندے کو نعمت عطا فرمائیں تو چاہئے کہ وہ اس نعمت کا شکر ادا کرے، ہم میں سے ہر بندہ اللہ تعالیٰ کی انگنت نعمتوں میں زندگی گذارتا ہے، ذرا غور کیجئے اگر اللہ تعالیٰ بینائی نہ دیتے تو ہم اندھے ہوتے، گویائی نہ دیتے تو ہم گونگے ہوتے، سماعت نہ دیتے تو ہم بہرے ہوتے، صحت نہ دیتے تو بیمار ہوتے، کپڑے نہ دیتے تو ہم ننگے ہوتے، کھانا نہ دیتے تو بھوکے ہوتے، پانی نہ دیتے تو

پیاسے ہوتے، مال نہ دیتے تو ہم فقیر ہوتے، گھر نہ دیتے تو بے گھر ہوتے، اولاد نہ دیتے تو لاولد ہوتے، عقل نہ دیتے تو ہم پاگل ہوتے، اگر اللہ رب العزت عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے، آج جو دنیا میں ہم عزتوں بھری زندگی گذارتے پھر رہے ہیں، یہ سب اس مولیٰ کا احسان اور کرم ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کا شکر ادا کریں کہ رب کریم! آپ نے بن مانگے ہمیں کتنی نعمتوں سے نوازا۔

انسان میں ناشکری کا مزاج

مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ انسان لینا تو چاہتا ہے، دینا کچھ نہیں چاہتا، انگریزی میں کہتے Man gets and forgets کہ "بندہ لیتا بھی ہے پھر بھول بھی جاتا ہے" Allah gives and forgives "اللہ دیتا بھی ہے پھر معاف بھی کر دیتا ہے"، ہم لینا تو چاہتے ہیں لیکن بھائی اس لینے کا حق بھی تو ہے، لہٰذا جتنی نعمتیں اللہ رب العزت نے عطا فرمائی ہیں ہم ان کا شکر ادا کریں۔ مگر معلوم نہیں کیوں شکر ادا کرنا مشکل کام ہے، اس لئے رب کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا "وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ" میرے بندوں میں سے تھوڑے میرے شکر گذار بندے ہیں۔ اور شیطان نے بھی یہی بات کہی تھی کہ اللہ! یہ تیری نعمتوں کو لیں گے پھر تجھے بھولیں گے" وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ" تو دیکھے گا کہ ان میں سے اکثر تیرے ناشکرے ہوں گے، لہٰذا ہمیں نعمتوں کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

لیکن ہم نے دیکھا کہ جس پر اللہ کی بہت نعمتیں ہیں، وہ بھی شکر ادا نہیں کر پاتا، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اگر کوئی آپ کو ایک کوک، پیپسی کی بوتل پیش کرے، تو آپ اس کو بھی کچھ روپے دیتے ہیں، جس پروردگار نے صحت دی، بھوک جیسی نعمت دی، اور دسترخوان کے اوپر طرح طرح کے کھانے سجوادئے، ہم کھانا کھا کے اٹھ جاتے ہیں، نہ شروع میں دعا پڑھنی یاد، نہ آخر میں دعا پڑھنی یاد، تو ہم نے اللہ کا تو شکر ادا نہ کیا، جس پروردگار نے اتنی نعمتیں کھلائیں، اس کا تو شکر ادا نہ کیا، ہم نعمتیں لینے کی تمنا تو رکھتے ہیں مگر نعمتیں دینے کی یا نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا شوق ہمیں نہیں رہتا۔

ناشکری کے چند نمونے

ایک آدمی کو یہ عاجز جانتا ہے، اللہ نے اس کا کام اور کاروبار اتنا وسیع کیا کہ اگر وہ اپنے علاوہ چالیس اور Famlies (خاندان) کو Support (خرچ اٹھانا) کرنا چاہے تو آرام سے کرسکتا ہے، ایک مرتبہ بات چیت میں اس عاجز نے پوچھا: کام کیسا چل رہا ہے؟ کہنے لگا: بس گذارا ہے، یہ الفاظ سن کر اتنی حیرت ہوئی کہ یا اللہ! جس بندے کو اتنا ملا کہ وہ اپنے سوا چالیس Famlies کا خرچ چلا سکتا ہے، جب اس سے پوچھا تو اس کو تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ میں اللہ پہ قربان جاؤں جس نے مجھے میری اوقات سے بہت بڑھ کے عطا کیا، اس کو تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ بھائی! میں تو زندگی بھر سجدے میں پڑا رہوں تو بھی میں اللہ کا شکر ادا نہیں کرسکتا، مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں زبان چھوٹی ہوجاتی ہے، یہ بندے کی فطرت ہے۔

چنانچہ ایک نوجوان انٹرویو کے لئے گیا اور اس کو Job (ملازمت) مل گئی، آپ واپسی میں پوچھیں بھائی! انٹرویو کیسا رہا؟ کہے گا: اجی! اس نے یہ پوچھا تو میں نے سوچ کے یہ جواب دیا، پھر اس نے یہ پوچھا میں نے یہ کہا، اب "میں" کی گردان جاری ہے، پھر اخیر میں کہے گا کہ مجھے Job مل گئی۔ اسی آدمی کو اگر فرض کرو Job نہیں ملتی اور آپ پوچھتے کہ سنائیں بھائی! آپ کا انٹرویو کیسا رہا؟ کہے گا: بس Job نہیں ملی، اللہ کی مرضی، بھائی! جب Job ملی تھی تب بھی تو اللہ کی مرضی تھی، مگر نعمت ملتے ہوئے خدا یاد نہیں ہوتا، یہ بندے کی فطرت ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ رب العزت کی اِن نعمتوں کا احساس کریں کہ پروردگار نے کتنی نعمتیں ہمیں دی ہیں اور اِن کا خوب شکر ادا کریں، بعض لوگوں نے توقع کرلی ہوتی ہے کہ یہ چیزیں تو ہمیں ملنی ہی ہیں، جو پروردگار دینا جانتا ہے وہ پروردگار لینا بھی جانتا ہے، ہمیں چاہئے کہ نعمتوں کی موجودگی میں نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

ایک نوجوان جس کو اللہ نے چھوٹی عمر میں اپنے گروپ کا چیرمین بنا دیا، اس کی ۱۵۔ ۲۰ فیکٹریز تھیں، ۲۷، ۲۸ سال کی عمر تھی، اور وہ چیرمین بن گیا، بہت سمجھ دار عقلمند انسان تھا، اللہ

نے اس پر خوب دنیا کھول دی، ایک دن بیمار ہو گیا، ایک دن میں بخار نہیں اترا، دو دن میں بھی بخار نہیں اترا تو اس نے تیسرے دن اپنے ڈاکٹر دوست کو فون کیا کہ بھائی! ذرا آئیں مجھے چیک کریں کہ بخار اتر کیوں نہیں رہا ہے، ڈاکٹر صاحب دین دار انسان تھے، وہ آئے، انھوں نے دیکھا، اور بتایا کہ آپ یہ یہ Medicine (دوائیں) استعمال کر لیں، اس پر وہ کہنے لگا: ڈاکٹر صاحب! تین دن ہو گئے، بخار اتر نہیں رہا ہے، میری Meetings (ملاقاتیں) تھیں، میرا فلاں کام تھا میرا فلاں کام تھا ——— ایسے لوگ کاموں میں بھی تو خوب پھنسے ہوتے ہیں ——— تو میرا تو بہت سارا کام رہ رہا ہے، پتہ نہیں کیوں بخار اتر نہیں رہا ہے، ڈاکٹر صاحب! ?Why me (میں ہی کیوں؟) جب اس نے یہ الفاظ کہے کہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے Stethoscope (ڈاکٹری آلہ) ایک طرف رکھ دی اور کرسی پہ بیٹھ کر میں نے اس سے کہا ?Why not you (آخر تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہو سکتا؟) پھر کہتے ہیں کہ میں نے اس کی آنکھیں کھولیں، میں نے کہا کہ دیکھو! اتنی چھوٹی عمر میں اللہ نے تمہیں اتنی عزتوں سے نوازا، اتنا مال، گھر کو دیکھو تو محل کے مانند ہے، تم نے اس کے لئے Sentliar سوئزرلینڈ سے خریدے، تم نے فرنیچر اٹلی سے منگایا، تم نے اپنے Rugs (قالین) فلاں ملک سے منگائے، من پسند کی بیوی سے شادی کی، اللہ نے بیٹے بھی دیے، بیٹیاں بھی دی، دل میں سکون بھی دیا، اطمینان بھی دیا، جب تمہیں اللہ نے یہ سب نعمتیں دیں، اگر چھوٹی سی بیماری کوئی آ گئی تو یہ کیوں کہہ رہے ہو کہ ?why not you ?Why me آپ کو کیوں بیماری نہیں آنی چاہئے؟ پھر میں نے کہا کہ بھلا سوچو! وہ نوجوان جنھوں نے ماسٹر ڈگری کی ہوتی ہے اور تمہاری فیکٹری کے دروازہ پہ پوارا پورا دن Job (ملازمت) کے لئے انٹرویو کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ ہمارا انٹریو ہو گا، اور تم ان کو Job کے لئے انکار کرتے ہو کہ میرے پاس کوئی Job (ملازمت) نہیں ہے، وہ بھی تو کسی ماں کے بیٹے ہیں، ان کو بھی تو اللہ تے ہی پیدا کیا ہے، ان کو اللہ نے وہاں بیٹھایا اور تمہیں اللہ نے یہاں چیرمین کی کرسی پہ بٹھایا؛ تو تمہیں اللہ کا شکر ادا کرنا نہیں آتا؟ کہنے لگے پھر اس کی

آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کہنے لگا: واقعی میں ناشکرا انسان ہوں، میں آج کے بعد اپنے مالک کا شکرگذار بندہ بنوں گا۔ ہم سوچیں تو کتنی اللہ کی نعمتیں ہیں جو اللہ نے ہمیں دی ہیں، مگر ہم ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے۔

ناشکری سے نعمت چھین لی جاتی ہے

ایک اصول ہے کہ جو بندہ اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا تو اللہ رب العزت اس سے نعمتیں واپس لے لیتے ہیں۔ ابن عطا اسکندری رحمۃ اللہ علیہ اس امت میں ایک بزرگ گذرے ہیں، مصر کے رہنے والے تھے، ان کی کتاب ''الْحِکَم'' بہت مشہور ہے، شاید اس امت کے لقمان حکیم وہ کہلائیں، وہ فرماتے ہیں ''مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النِّعْمَۃَ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِزَوَالِھَا'' کہ جو انسان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ نعمت اللہ تعالیٰ کو واپس ہونے کے لئے پیش کر دیتا ہے، ''وَمَنْ شَکَرَھَا فَقَدْ قَیَّدَھَا بِاِقَالِھَا'' اور جو نعمت کا شکر ادا کرتا ہے وہ نعمت کو نکیل باندھ کے اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ چنانچہ جو انسان نعمت کا شکر ادا کرے گا نعمت اس کے پاس رہے گی، بلکہ اور زیادہ نعمتیں ملیں گی، ارشاد فرمایا: ''لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ'' کہ اے میرے پیارے بندو! اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمتیں تمہیں اور زیادہ عطا کریں گے۔

شکر ادا کرنے کی برکات

کہتے ہیں کہ ایک بڑے میاں تھے ہر وقت ان کو فکر لگی رہتی تھی کہ یہ جو میرے اوپر دنیا کی ریل پیل ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے عملوں کا بدلہ دنیا میں ہی نہ مل رہا ہو، اور ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہوں اور وہ فرمائیں ''اَذْھَبْتُمْ طَیِّبَاتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِھَا'' کہ ہم نے تو تمہارے سب عملوں کا بدلہ دنیا میں دے دیا، اب آخرت میں کچھ نہیں، ان کو فکر لگی رہتی تھی، اب جب کچھ اور نعمت ملتی تو وہ کہتے کہ اللہ! بس مجھے اور نہیں چاہئے، وہ جتنا کہتے اور نہیں چاہئے اتنی اور ملتی، وہ جتنا دعائیں

مانگتے کہ اور نہیں چاہئے اتنی اور ملتی، ایک دن وہ بڑے حیران ہوئے کہ یا اللہ! جب میں عرض کر رہا ہوں کہ مجھے اور نہیں چاہئے، آپ کیوں مجھے اور دے رہے ہیں؟ رب کریم نے الہام فرمایا: میرے بندے! حقیقت یہ ہے کہ تجھے نعمتوں کا شکر ادا کرنا آتا ہے، جب تک تو نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے نہیں رکے گا ہم اپنی نعمتیں عطا کرنے سے نہیں رکیں گے، تو شکر ادا کرتا رہے گا ہم نعمتیں اور عطا کرتے رہیں گے، لہٰذا ہم نعمتوں کا شکر ادا کریں گے تو ہمارے پاس یہ نعمتیں سلامت رہیں گی۔ اکثر دیکھا ہے کہ جب نعمت انسان سے چھن جاتی ہے تو نعمت کی قدر آتی ہے، نعمتوں کی قدردانی کے لئے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہیں کرنا چاہئے، جو پروردگار نعمتیں دینا جانتا ہے وہ پروردگار نعمتیں لینا بھی جانتا ہے، نعمتوں کی موجودگی میں شکر ادا کرنا یہ ایک عقل مند انسان کا کام ہوتا ہے، اللہ نے آج ہمیں دینے والا بنایا اور سامنے والے کو لینے والا بنایا، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا الٹا بھی بنا سکتے تھے۔ کتنے لوگوں کو دیکھا کہ کاروبار بہت اچھا چل رہا تھا، ناقدری ہوئی ہے، نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ ہر چیز گئی، پھر کہتے ہیں کہ حضرت! ایک وقت تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے سونا بن جاتی تھی، آج تو سونے کو ہاتھ لگاتے ہیں مٹی بن جاتا ہے، دن بدلتے دیر نہیں لگا کرتی، اس لئے اگر اللہ رب العزت نے نعمتیں دی ہوں تو بندہ کو چاہئے کہ خوب اللہ کا شکر ادا کرے، جی بھر کے اللہ کی تعریفیں کرے، جتنا کر سکتا ہے اتنا اللہ کی تعریفیں کرے۔

دیکھئے! اگر کوئی بندہ آپ کے بیٹے کو Job (ملازمت) دلوائے تو آپ اس کا تذکرہ کرتے ہی کہیں گے کہ بڑا اچھا انسان ہے، بڑے اچھے اخلاق والا ہے، اس نے میرے ساتھ بڑا بھلا کیا، جس نے بیٹے کو Job دلوائی اس کی اتنی تعریفیں، اور جس پروردگار نے بیٹا عطا کیا، کیا اس پر ہم نے اللہ کی تعریفیں کیں؟ لہٰذا ہمیں نعمتوں کا شکر اور زیادہ ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ احساس کریں کہ کتنی نعمتیں اللہ رب العزت نے عطا کی ہیں، ہم نعمتوں کو گننا چاہیں تو ہم نعمتوں کو گن بھی نہیں سکتے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ہمارے یہاں ایک مرتبہ ایک ڈاکٹر مہمان آئے، ہم نے ان کو کھانا کھلایا اور پھر کہا کہ اب آپ آرام کیجئے، وہ بیڈ کے اوپر پیچھے اوٹ لگا کر بیٹھ گئے، کہنے لگے کہ میں سو جاؤں گا، ہم سمجھے کہ ذاکر شاغل آدمی ہیں تھوڑی دیر بیٹھ کے تسبیح پڑھیں گے، ذکر کریں گے، پھر سو جائیں گے، صبح جب ان کو فجر کے لئے ملنے آئے تو دیکھا کہ وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے سو رہے ہیں، پوچھا کہ آپ لیٹ کے نہیں سوئے؟ وہ کہنے لگے کہ اصل میں مجھے کچھ عرصہ سے ایک Problem (بیماری، پریشانی) ہے، انسان جب کھانا کھاتا ہے تو اس کا جو کھانے کا پائپ ہے، اس کے اندر ایک Valve (والو) ہوتا ہے، جو Non return valve (صرف اندر جانے کا وَالْو) کہلاتا ہے، وہ کھانا اندر تو جانے دیتا ہے لیکن واپس نہیں آنے دیتا، تبھی تو کھانا کھا کے کوئی سر کے بل الٹا کھڑا ہو جائے تو کھانا منہ سے نہیں نکلتا، وہ اس کو روک لیتا ہے، میرا وہ والو leak (خراب) ہو گیا، اب میں جب بیٹھتا ہوں تب تو ٹھیک اور اگر لیٹ جاؤں تو میرے پیٹ میں جو ہوتا ہے وہ میرے منہ کے راستے سے باہر نکل آتا ہے، پچھلے آٹھ سال سے میں لیٹ کر سونے کی نعمت سے محروم ہوں۔ اس کے بتانے کے بعد ہمیں احساس ہوا کہ یااللہ! ہم نیند کو تو نعمت سمجھتے تھے، یہ لیٹ کے سونا بھی تو نعمت ہے، پھر ہم نے غور کرنا شروع کیا کہ کتنے جانور ایسے ہیں جو لیٹ کے نہیں سوتے، چنانچہ ظراف کے بارے میں ہم نے کسی کتاب میں پڑھا کہ اس کو جب سونا ہوتا ہے تو وہ ایک درخت کے قریب آ کے اپنی گردن کسی ٹہنی یا بڑے تنے کے اندر ڈال دیتا ہے اور کھڑے کھڑے سوتا ہے۔ بندر بیٹھ کے سوتے ہیں، کتنے جاندار ہیں جو لیٹ کے نہیں سوتے، انسان کو اللہ رب العزت نے نیند کی نعمت بھی دی اور لیٹ کے سونے کے لطف اور مزے بھی عطا کئے، یہ بھی تو اللہ کی نعمت ہے، اتنی نعمتیں اللہ رب العزت نے دی ہیں کہ ہم تو نعمتوں کو گن بھی نہیں سکتے، لیکن ہر نعمت کا ایک حق ہے کہ ہم شکر ادا کریں، ہمیں شکر زیادہ ادا کرنا چاہئے، لیکن ادا نہیں کرتے، نہ بندوں کا شکر ادا کر پاتے ہیں، نہ اللہ کا شکر ادا کر پاتے ہیں۔

بچوں کو بھی شکر ادا کرنا سکھائیں

چنانچہ آپ اس کا تجربہ کریں، ۷، ۸ بچے ہوں، ان کو آپ کوئی کھانے کی چیز دیں تو مشکل سے کسی ایک کی زبان سے "جَزَاکَ اللہ" کا لفظ سنیں گے، کوئی "جَزَاکَ اللہ" بھی نہیں کہے گا، اس کا مطلب کہ ان کی ماں نے ان کو شکر ادا کرنا سکھایا ہی نہیں۔ ہم نے اپنی زندگی میں ایک ایسی ماں کو بھی دیکھا کہ جس نے ایک کھانے کے دوران ۳۶ مرتبہ اپنے بچے سے Thank you کہلوایا اور آج کل کی مسلمان ماں ایک مرتبہ بھی شکریہ ادا کرنا نہیں سکھاتیں، بچے کو سکھائیں کہ "جَزَاکَ اللہ" مرد کو کہتے ہیں "جَزَاکِ اللہ" عورت کو کہتے ہیں، اس کی تعلیم ہی نہیں۔

انسانوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے

ہمیں حکم ہے کہ "مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللہَ" کہ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ لیکن ہوتا کیا ہے کہ بڑا بھائی چھوٹے کے لئے جتنی بھی قربانی دے، چھوٹے کی زبان سے شکریہ کا لفظ ہی نہیں نکلتا، ذرا سا بھی کوئی کام خراب ہو جائے تو معلوم نہیں الزام کتنے بڑے بڑے لگا دیتا ہے، ہمیں اپنے اندر اس صفت کو مزید بڑھانے اور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے بزرگوں نے فرمایا "اَلشُّکْرُ قَیْدُ الْمَوْجُوْدِ وَصَیْدُ الْمَفْقُوْدِ" کہ شکر جو موجود ہوتا ہے اس کو قید کرنے والی بات ہے، اور جو مفقود ہوتا ہے اس کو شکار کرنے والی بات ہے، جو نہیں ہوتا اللہ وہ بھی عطا فرماتے ہیں، جو ہوتا ہے اللہ اسے باقی اور سلامت رکھتے ہیں۔

شکر ادا کرنے کا پہلا طریقہ

شکر ادا کرنے کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ انسان اپنی زبان سے بھی اللہ کی تعریفیں کرے، الحمدللہ کہے، اپنی گفتگو میں الحمدللہ کا لفظ ہمیں زیادہ استعمال کرنا چاہئے،

الحمدللہ میں صبح اتنے بجے اٹھ گیا، یہ بھی تو نعمت ہے کہ اللہ نے آنکھ کھول دی، الحمدللہ میں اتنے بجے دفتر گیا، یہ بھی تو اللہ کی نعمت ہے، اگر کوئی پرابلم ہوتا تو دفتر ہی نہ جاسکتے، پیٹ خراب ہو جاتا تو چھٹی ہوجاتی، لیکن اللہ نے سب کچھ سلامت رکھا، الحمدللہ میں نے اپنے بیٹے کو اسکول میں چھوڑا، آپ اور بیٹا صحت منداور تندرست تھے تو وقت پہ پہنچے، ایکسیڈنٹ ہوجاتا تو کیسے وقت پہ پہنچتے؟ لہٰذا الحمدللہ کے لفظ کو زیادہ استعمال کرنے کی ضرورت ہے، اپنی گفتگو میں اس کو Commonly use (زیادہ استعمال) کریں، گھر میں عورتوں کو سکھائیں، بچوں کو سکھائیں کہ اپنی گفتگو میں الحمدللہ خوب استعمال کریں، جس بندے نے الحمدللہ کہہ دیا گویا اس نے اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کردیا۔

شکرادا کرنے کا دوسرا طریقہ

اور دوسری بات کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں، چونکہ عام طور پہ دستور یہ ہے کہ جو محسن ہوتا ہے انسان اس کی نافرمانی کرنے سے شرماتا ہے، کہ اجی فلاں بندے نے میرے ساتھ احسان کیا میں اسے نا کیسے کروں؟ اسی طرح جب اللہ رب العزت نے اتنے احسانات فرمائے تو ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو نا کیسے کریں؟ اس لئے نماز پڑھیں، نیکی کریں، سچ بولیں، اچھا انسان بن کے رہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنا ہے، جو انسان زیادہ شکر ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں اور زیادہ عطا فرمائیں گے۔ تو یہ پہلی بات فرمائی کہ نعمت کی زینت شکرادا کرنے میں ہے۔

بلاء کی زینت صبر کرنے میں ہے

اور دوسری بات فرمائی کہ بلا کی زینت صبر کرنے میں ہے، اس دنیا میں انسان پر حالات ادلتے بدلتے ہیں، کبھی کچھ حال کبھی حال، اگر تنگی آئے، بیماری آئے، غم اور پریشانی آئے تو Impatient (بے صبرا) ہونے کی ضرورت نہیں ہے، تسلی کے ساتھ اسے برداشت کرنا چاہیے، یہ اونچ نیچ زندگی کا حصہ ہے، ہم ابھی جنت میں نہیں پہنچے کہ جہاں کوئی پریشانی نہیں ہوگی، مگر توقع ہم نے یہی رکھی ہوئی ہے کہ بس ہمیں پریشانی تو ہونی ہی نہیں چاہیے،

بھائی! پریشانیاں اس دنیا میں آئیں گی، ہاں جو بندہ جنت میں داخل ہونے لگے گا وہ کہے گا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ" وہ وقت ہوگا جب انسان کے اوپر سے غم اور پریشانی ختم ہوجائے گی، لیکن دنیا میں جب تک ہیں تو دنیا کا نام ہے "مسائلستان" کہ ایک مسئلہ ختم ہوا تو دوسرا شروع، دوسرا ختم تو تیسرا شروع، کچھ نہ کچھ تو رہے گا، اس دنیا میں تو توقع رکھنی چاہئے کہ حالات آگے پیچھے ہوسکتے ہیں، پریشانی، بیماری اور مصیبت آسکتی ہے اور ہمیں اس میں صبر سے وقت گزارنا ہے۔

دنیا میں پریشانیوں کا آنا آزمائش کے لئے ہے

اور ہمارے اوپر تو پریشانیاں آئی ہی کیا ہیں، ہمارے بڑوں نے جو اس دنیا میں غم دیکھے، ہم نے تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ" اب ان تمام آزمائشوں میں سب سے زیادہ آزمائشیں اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی ہیں، ہم نے تو گویا پریشانیوں کو دیکھا ہی نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف کے حالات

مِنَ الْخَوْفِ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خوف کے ذریعہ آزمائیں گے، اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خوف کے کتنے مواقع آئے ہیں، آپ غور کریں، ہجرت کا سفر کرنا چاہتے ہیں اور گھر کے گرد قریش مکہ کے لوگ ننگی تلواریں لے کھڑے ہیں کہ آپ باہر نکلیں تو آپ کو شہید کردیں گے، آپ ذرا Realize (محسوس) کریں کہ باہر لوگوں نے گھیرا کیا ہوا ہے اور انسان اندر گھر میں اکیلا ہو تو دل پر کیا کیفیت ہوگی؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں سے نکلے تو غار ثور میں پہنچے، مکہ کے لوگوں نے انعام متعین کردیا کہ جو ڈھونڈ نکالے گا ایک سو اونٹ اس کو انعام دیں گے، مکہ مکرمہ کا ہر بوڑھا جوان پہاڑوں کی طرف نکل گیا کہ ہم ڈھونڈیں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار غار کے دروازے پر اتنا قریب آگئے تھے کہ ہم ان کے پاؤں دیکھ رہے تھے، اگر وہ نیچے جھک کے

دیکھتے تو شاید ان کی نظر ہم پر پڑ جاتی، اندر انسان چھپا ہو اور جان کا دشمن دروازے پر اتنا قریب پہنچ جائے تو کتنا خوف دل میں ہوتا ہے؟ پوری زندگی ہم میں سے اکثر نے تو خوف کا کبھی Experience (تجربہ) نہیں کیا؛ جو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے کیا۔ شعب ابی طالب میں دو سال کے لئے بچوں سمیت بند کر دیا گیا، کھانے پینے کی چیزیں نہیں جاتیں، سوچئے کیا کیفیت ہوگی؟ کوئی بھی اپنا نہیں تھا حتی کہ ایک چچا جو تعاون کرتے تھے انھوں نے بھی بلا کے کہہ دیا کہ بھتیجے! میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میں اٹھا نہ سکوں، اب پیچھے کون رہا؟ اللہ کے حبیب ﷺ نے اس وقت چچا سے جواب میں فرمایا تھا: چچا! اگر ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے تو بھی جو پیغام میں لے کر آیا ہوں وہ پہنچانے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ تو اللہ کے حبیب ﷺ نے خوف کو بھی برداشت کیا ہے۔

حضور ﷺ پر بھوک کے حالات

''وَالْجُوْعِ'' اور بھوک بھی برداشت کی ہے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبوت کے جو ۲۳ سال تھے ان میں نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں تین متواتر دن ایسے نہیں آئے کہ تینوں دن پیٹ بھر کے کھانا کھایا ہو، ایک دن کھانا کھایا تو دوسرے دن فاقہ، دو دن کھایا تو تیسرے دن فاقہ۔ ہمیں دن میں اگر تین دفعہ نہیں تو دو دفعہ تو مل ہی جاتا ہے، اگر دو دفعہ نہیں تو ایک مرتبہ تو ہر بندہ کھا بیٹھتا ہے، ہمیں تو بھوک کا پتہ ہی نہیں کہ بھوک کیا ہوتی ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے اس قدر بھوک برداشت فرمائی کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کئی کئی مہینے ہمارا دو چیزوں پہ گذارا ہوتا تھا، ایک کھجور پر، دوسرے پانی پر، کھجور کھا لیتے تھے، پانی پی لیتے تھے، مہینے اس طرح گذرتے تھے۔ فرماتی ہیں کہ ہمارے چولہے کے نیچے زمین پر گھاس آگ آتی تھی، چولہے میں گھاس اس وقت اگتی ہے جب مہینوں آگ نہ جلے، ہے کوئی بندہ اس مجمع میں جو کہے کہ میرے گھر کے چولہے میں آج گھاس اگ آئی، بھائی! ایک دن نہیں پکے گا تو دوسرے دن، دوسرے دن نہیں تو تیسرے دن، تیسرے دن نہیں تو چوتھے دن، آخر آگ جلے گی، اللہ کے حبیب ﷺ کے یہاں چولہے میں گھاس اگی تھی، آپ

سوچئے کیسی بھوک برداشت کرنی پڑتی تھی۔

چنانچہ ایک واقعہ سن لیجئے پھر بات آگے بڑھاتے ہیں، سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر میں ۴ روٹیاں بنائیں، ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی، ایک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دی، ایک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اور ایک اپنے لئے، جب کھانا کھانے بیٹھیں تو دل میں خیال آیا کہ فاطمہ! تم کھانا تو کھارہی ہو، پتہ نہیں تمہارے ابا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کھانے کو ملا کہ نہیں ملا، انھوں نے اپنی آدھی روٹی بچالی اور اپنی چادر میں اس کو لپیٹا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استقبال فرمایا، پوچھا کیسے آنا ہوا؟ کہا ابا حضور! میں آپ کے لئے ہدیہ لائی ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ روٹی کا ٹکڑا اپنے ہاتھ میں لیا اور اس میں سے ایک لقمہ توڑ کے منہ میں ڈالا اور فرمایا فاطمہ! مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، آج تیسرا دن گذر گیا، میرے منہ میں کوئی روٹی کا ٹکڑا نہیں گیا، اتنی بھوک برداشت کرنی پڑی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مالی حالات

”وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ“ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر نقصِ اموال کے امتحان بھی آئے، جب ہجرت کی تو ہجرت کے وقت کوئی اپنے ساتھ Container تو بھر کے نہیں لے گئے تھے، تنِ تنہا سفر کیا تھا، جو تھا وہ مکہ مکرمہ میں رہ گیا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم کے مال پر بھی قریش مکہ نے قبضہ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مال تھا اس پر بھی قبضہ کرلیا، زندگی میں ایسی قربانی کبھی ہم نے دی ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جانی حالات

”وَالْأَنْفُسِ“ اور جان کا نقصان بھی برداشت کیا، ہمارے کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے گھر کے افراد میں دادا پردادا تو فوت ہوئے، مگر باقی سارے حضرات صحت وسلامتی کی زندگی گذار رہے ہیں، لیکن اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مبارک زندگی میں دیکھئے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا وفات پاگئیں، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا وفات پاگئیں، ام کلثوم رضی اللہ عنہا وفات پاگئیں، اللہ نے بیٹے عطا کئے، وہ بھی وفات پاگئے، پھر بیوی بھی وفات پاگئی، کتنے گھر کے لوگ تھے جن کو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دفنائے، تو معلوم ہوا کہ ہمیں تو نَقْصٍ مِنَ الْأَنْفُسِ والا تجربہ بھی

اتنا نہیں ہوا جتنا اللہ کے حبیب ﷺ پر یہ مصیبتیں آئیں، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے صبر فرمایا، ہم بھی تو صبر کریں، بے صبری سے ہوتا کیا ہے؟ بے صبری سے صبر کا ثواب ختم ہو جاتا ہے مصیبت تو نہیں ٹلا کرتی، پھر بے صبری کا کوئی فائدہ ہی نہیں، اس لئے فرمایا کہ بلا کی زینت صبر کرنے میں ہے۔ اگر زندگی میں مشکل حالات آجائیں تو یہ بھی تو سوچیں کہ اللہ نے اچھے حالات بھی تو رکھیں ہیں، اگر غور کریں تو ہماری زندگی میں آسانیاں زیادہ ہیں، مشکلات تھوڑی، صحت زیادہ، بیماری تھوڑی، خوشی زیادہ، غم تھوڑے، پیٹ بھرے کی حالت زیادہ، بھوک تھوڑی، اس سے معلوم ہوا کہ نعمتیں زیادہ ہیں اور غم اور پریشانیاں تھوڑی ہیں، اس کو کسی عارف نے یوں کہا:

لطفِ سجن دم بدم　قہرِ سجن گاہ گاہ

کہ اس محبوب کا لطف تو ہر وقت ہے اور اس کا خفا ہونا یا ناراض ہونا وہ کبھی کبھی

ایں بھی سجن واہ، اوبھی سجن واہ واہ

اے میرے مولیٰ! میں ایسے بھی آپ سے راضی ہوں، میں ویسے بھی آپ سے راضی ہوں

تو جس حال میں رکھے میرے مولیٰ! میں تجھ سے راضی ہوں۔

ایک عورت کا صبر جمیل

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا، ایک عورت کو میں نے دیکھا کہ وہ کہہ رہی تھی کہ اللہ! میں اِس حال میں بھی تجھ سے راضی ہوں، میں اُس حال میں بھی تجھ سے راضی ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے خاتون! تیرے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ وہ کہنے لگی کہ میں اپنے گھر میں تھی، میرے چھوٹی عمر کے تین بچے تھے، گھر میں میں روٹیاں بنا رہی تھی، میرے دو بچے کھیل رہے تھے اور ایک چھوٹا بچہ میرے قریب رینگ رہا تھا، وہ بھی کھیل رہا تھا، تو اچانک مجھے کمرے سے ایک زور کی آواز آئی، میں نے جب جا کر دیکھا تو اصل میں گھر میں ایک چھری تھی، جو کافی تیز تھی، وہ کہیں بچوں کے ہاتھ آگئی تو بچوں میں سے ایک نے دوسرے بھائی کو کہا کہ تمہیں پتہ ہے کہ یہ چھری کتنی تیز ہوتی ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو

اس بچے نے نادانی میں چھوٹے بھائی کے گلے پہ چھری چلادی اور اس کا Wind pipe (سانس کی نلی) کٹ گیا، اب جب وہ بچہ تڑپنے لگا تو یہ بھی پریشان کہ یہ کیا ہوا، وہ عورت کہتی ہے کہ جب میں وہاں پہنچی تو میں نے دیکھا کہ میرا بیٹا آخری سانس لے رہا تھا، میں نے اس کی لاش اٹھائی اور صحن کے اندر چارپائی پہ لا کے ڈال دیا، پھر میں فکرمند ہوئی کہ میرا دوسرا بیٹا گیا کہاں؟ نظر نہیں آرہا ہے، میں ڈھونڈنے لگی، اب وہ بچہ ڈر کے مارے چھپ گیا تھا، ہمارے صحن کے اندر لکڑیاں رکھی ہوئی تھیں، وہ اس کے پیچھے چھپا تھا، جب میں نے دیکھا تو وہاں پر ایک سانپ تھا جس نے اس بچے کو کاٹا اور وہ بچہ بھی وہاں مرا پڑا تھا، کہنے لگی کہ میں اس کی لاش بھی اٹھا کے لے آئی اور اس کو لا کے پہلے بچے کے ساتھ بستر پہ لٹایا، پھر میں نے محسوس کیا کہ میرا تیسرا چھوٹا بچہ کہاں، وہ تو اِدھر کھیل رہا تھا، کہنے لگی کہ جب میں قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ وہ چھوٹا بچہ رینگتے رینگتے تنور کے اندر جا گرا، میں نے اس کی جلی ہوئی لاش نکالی، تینوں بچوں کو لٹایا، ان کو نہلایا، ان کو کفنایا پھر ان کی تدفین کا عمل ہوا؛ اور میں عمرہ کرنے آگئی اور میں اپنے اللہ سے کہہ رہی ہوں کہ اللہ! میں اِس حال میں بھی تم سے راضی ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک قول زریں

صحابہ رضی اللہ عنہم ایک فقرہ ایک دوسرے کو سنایا کرتے تھے، کتنا خوبصورت فقرہ ہے، سونے کی سیاہی سے لکھنے کے قابل ہے، فرماتے تھے: ''اِسْتِقْبَالُ الْمَصَائِبِ بِالتَّجَمُّلِ وَمُوَاجَهَةُ النِّعَمِ بِالتَّذَلُّلِ'' کہ جب اللہ تعالیٰ مصیبتیں بھیجیں تو خوبصورتی سے ان مصیبتوں کا استقبال کریں اور جب اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا فرمائیں تو ہم عاجزی سے ان نعمتوں کو استعمال کریں۔

محسن کی زینت احسان نہ جتلانے میں ہے

اور تیسرا فرمایا کہ محسن کی زینت احسان نہ جتلانے میں ہے، آج کل کوئی کسی کے ساتھ بھلا کر لے Sky high expectation (بلند توقعات) ہو جاتی ہے کہ جہاں یہ ملے میری تعریفیں کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَلَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى'' تم اپنے صدقات کو (اپنے نیک اعمال کو) احسان جتلا کر اور تکلیف پہونچا کر ضائع نہ

کرو، لہٰذا اگر ہم کسی کے ساتھ بھلا کریں تو اللہ کے لئے بھلا کریں، یہ امید نہ کریں کہ اب یہ ہر محفل میں بیٹھ کے ہماری تعریفیں کرے گا، اگر تعریفیں چاہیں گے تو اس نیکی کا اثر ختم ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قرضدار کے ساتھ معاملہ

ہمارے اکابر اس کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ گرمیوں کے موسم میں ایک جگہ دھوپ کے اندر کھڑے تھے، ایک شاگرد وہاں سے گذرا، اس نے کہا کہ حضرت! خیریت، چلچلاتی دھوپ، پسینے میں شرابور آپ یہاں کھڑے ہیں؟ اس مکان کی دیوار کے سایہ میں آجائیں، تو امام صاحب نے فرمایا کہ اس مکان والے بندے نے مجھ سے قرض حسن مانگا ہوا تھا، اور آج اس نے مجھے واپس کرنے کے لئے بلایا تھا، میں قرض لینے آیا ہوں، اب اس حالت میں نہیں چاہتا کہ اس کی دیوار کے سایہ سے میں فائدہ اٹھاؤں، میں نے تو قرض اللہ کے لئے دیا تھا، میں اتنا بھی اس کے بدلے فائدہ نہیں لینا چاہتا۔ سوچئے کتنا لوجہ اللہ یہ حضرات عمل کیا کرتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ اگر انھیں کسی کو کوئی چیز دینی ہوتی تھی تو خرید کے گٹھری باندھ کے رات کو ان کا دروازہ کھول کے دروازے کے آگے رکھ دیا کرتے تھے اور بتا دیتے تھے کہ یہ آپ کی طرف ہدیہ ہے، دیا کس نے؟ اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا، اس طرح دوسرے بندے کے ساتھ وہ محبت کا معاملہ کیا کرتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سفر کے لئے کوفہ گیا، چونکہ وہاں وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بہت حاضری دیتے تھے، تو راستے میں ایک شہر میں Stay (قیام) کرتا تھا، وہاں ایک ہوٹل تھا، جہاں میں رات گذارتا اور پھر آگے چلا جاتا، اس ہوٹل میں ایک نوجوان تھا جو وہاں میری خدمت کرتا، وہ مجھے اچھا لگتا تھا، ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارکؒ جب گئے تو وہ نوجوان نظر نہیں آیا پوچھا بھائی! وہ نوجوان کہاں؟ لوگوں نے بتلایا کہ اس کے اوپر ایک مقدمہ بن گیا، اور وہ تو جیل میں ہے، پوچھا بھائی کیا مقدمہ بن

گیا؟ کہا کہ اسے کسی کو پیسے دینے تھے اور Deadline (انتہائے مدت) دی ہوئی تھی کہ فلاں Date (تاریخ) تک میں دے دوں گا، اور وہ دے نہیں سکا تو لینے والے نے پولس کو رپورٹ کردی، پولس نے پکڑ کے اس کو جیل میں ڈال دیا کہ ادائیگی کراؤ گے تو تمہیں چھوڑیں گے، عبداللہ بن مبارک پولس ہی کے پاس چلے گئے، اس سے جاکے پوچھا کہ اس نوجوان کو جیل میں کیوں ڈالا؟ اس نے کہا اس کو فلاں بندے کی Payment دینی ہے، یہ دے یا اس کا کوئی عزیز رشتہ دار دے دے، ہم چھوڑ دیں گے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کی Payment میں کردیتا ہوں لیکن، اس Condition (شرط) کے ساتھ کہ میرا نام نہیں بتایا جائے، اس نے کہا نام بتانے سے مجھے کیا مطلب، آپ ادا کردیں، حق والوں کو حق مل جائے گا میں Release (آزاد) کردوں گا، انھوں نے پیسے دے دئے، اس نے حق والے کو بلا کردے دئے، عبداللہ بن مبارکؒ چلے گئے۔ بعد میں وہ نوجوان جیل سے رہا ہوگیا، پھر کچھ مہینے بعد عبداللہ بن مبارکؒ گئے اور اسی ہوٹل میں ٹھہرے، نوجوان سے پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میرے اوپر تو ایک مصیبت آگئی تھی، میں Payment کرنے میں Defaulter (ادا نہ کرنے والا) ہوگیا، اور پولس نے مجھے Lockup میں ڈال دیا، کوئی اللہ کا بندہ آیا، مجھے اس کا پتہ نہیں، اس نے Payment کردی اور میں رہا ہوگیا۔ عبداللہ بن مبارکؒ سن رہے ہیں اس کو نہیں بتا رہے ہیں کہ وہ Payment کس نے کی، ساری زندگی وہ یاد کرتا رہا کہ کسی نے میرے ساتھ بھلا کیا تھا، عبداللہ بن مبارکؒ نے ظاہر بھی نہ کیا۔ جب عبداللہ بن مبارکؒ کی وفات ہوئی تو پولس والوں نے اس نوجوان کو بتایا کہ تیری Payment تو عبداللہ بن مبارکؒ نے کی تھی۔ سبحان اللہ! نیکی کر دریا میں ڈال کہ ہم دوسروں کے ساتھ بھلا بھی کریں اور بھلا صرف اللہ کے لئے کریں، یہ نہیں کہ ہر محفل میں اس کا تذکرہ شروع کردیں، اللہ کی رضا کے لئے کریں۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ بہت نازک بدن تھے، جب ان کی وفات ہوئی تو غسل دینے والے نے دیکھا کہ ان کے کندھے پہ کالا سا نشان ہے، یہ نشان کیوں ہے کسی کو پتہ

نہیں تھا، گھر کے لوگوں سے معلوم کیا انھوں نے کہا ہمیں تو اس کی Reason(وجہ)
معلوم نہیں، چنانچہ ان کو نہلایا گیا، کفنایا گیا، دفنا دیا گیا، ایک ہفتہ جب گذرا تو آبادی کے
جو معذور لوگ تھے Handicape تھے، بوڑھے تھے، ان کے گھروں سے آواز آئی کہ
وہ کہاں گیا جو رات کے اندھیرے میں ہمارے گھروں میں پانی بھرا کرتا تھا، تب پتہ چلا
کہ حضرت نے مشک بنائی ہوئی تھی، جب لوگ سو جاتے تھے تو پانی بھرا کرتے تھے اور
ایسے Senior citizen (عمر رسیدہ) اور Handicape (معذور) جو لوگ تھے،
کندھے پہ مشک اٹھا کے ان کے گھروں میں پانی پہنچا دیا کرتے تھے، ساری زندگی اس
عمل کا کسی کو پتہ ہی نہیں چلنے دیا۔ سوچیں ذرا! ہمارے پاس کوئی ایسا عمل ہے جو ہمیں معلوم
ہو اور ہمارے رب کو معلوم ہو؟ اگر نہیں تو پھر نیت کرلیں کہ آج کے بعد ہم ایسے بھی عمل
کریں گے کہ جس کا سوائے ہمارے پروردگار کے کسی کو پتہ نہ چلے، وہ بندے اور اس کے
مالک کے درمیان راز ہو، حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایسے خفیہ عمل جو ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس
کے اجر کا ریٹ بھی بہت بڑھا دیا کرتے ہیں۔

نماز کی زینت خشوع وخضوع میں ہے

اور چوتھی بات فرمائی کہ نماز کی زینت خشوع وخضوع میں ہے کہ ہم نماز پڑھیں تو
بڑے سکون اور تسلی کے ساتھ پڑھیں، آپ غور کریں کہ ہم کیسی نماز پڑھتے ہیں، وقت بھی ہوتا
ہے، کوئی کام بھی نہیں ہوتا، مگر بھاگی دوڑی ہوئی نماز پڑھتے ہیں، بس رکوع سجدہ ہو رہا ہوتا
ہے، جیسے پیچھے کوئی ڈنڈا لے کے کھڑا ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم سکون وتسلی کی نماز پڑھا کریں،
آج کل ہماری نمازوں کا حال کچھ اس طرح ہے کہ جیسے ایک بندہ اپنی فلائٹ پہ جا کے بیٹھے پھر
جہاز اڑا، یہ بہت تھکا ہوا تھا تو اسے نیند آ گئی، اب نیند میں ہی سفر طے ہو گیا تو جہاز Land
(زمین پر اترنا) کرتا ہے، جیسے ہی پہیے زمین پہ لگتے ہیں تو اس کی آنکھ کھلتی ہے کہ افوہ! ہماری
منزل آ گئی؟ بالکل اسی طرح اللہ اکبر امام صاحب نے کہی اور ہم نے خیالات کی دنیا میں
پرواز شروع کردی، اور ابھی پرواز چل رہی ہوتی ہے کہ امام صاحب نے کہا السلام علیکم ورحمۃ

اللہ اور ہمیں محسوس ہوتا ہے جیسے اب landing ہوگئی ہے، ہم واپس اس دنیا میں آجاتے ہیں، ایسی نمازیں اللہ رب العزت کے یہاں قبول نہیں ہوتیں، نماز پڑھیں سکون کے ساتھ، تسلی کے ساتھ، توجہ الی اللہ اور رجوع الی اللہ کے ساتھ۔

نوجوانوں میں ایک عام بیماری

ہم نے نوجوانوں میں ایک عجیب عادت دیکھی کہ نفلیں پڑھنے کی عادت ہی ختم ہوتی جارہی ہے، ظہر کی نماز ہوگی تو اس کی نفلیں غائب، مغرب کی نماز کی آخری نفلیں غائب، عشاء کی نماز وتر کے آگے پیچھے کی نفلیں غائب، بھائی! نفلیں نہ چھوڑیں، کیوں کہ ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن اگر کسی بندے کے فرائض میں کوئی کوتاہی ہوگی اور نامۂ اعمال میں نوافل ہوں گے تو اللہ تعالی کریم ہیں، توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان فرضوں کو نفلوں کے بدلے میں Compensate (کمی کی بھرپائی) فرمادیں گے تو معلوم ہوا کہ نفل تو پڑھنے چاہئیں To be on the safe site (احتیاط کے تقاضے کے تحت) ایسا ضرور کرلینا چاہیے، اور ویسے بھی نفل پڑھ لیا کریں کہ معلوم نہیں اس زمین پر کیا ہوا میرا سجدہ میرے مالک کو پسند آجائے، اس لئے نفلیں شوق سے پڑھا کریں، تسلی کے ساتھ نماز پڑھا کریں۔ ہم نے اپنی زندگی میں ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے جو اپنے ہر سجدے میں ۲۱ مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَى" پڑھا کرتے تھے، چلو ہم تین کی جگہ ۵ ہی دفعہ پڑھ لیں، ۷ دفعہ پڑھ لیں کہ آج چھٹی کا دن ہے تو نماز کو ذرا سکون و تسلی کے ساتھ پڑھ لیں، جیسے اللہ سے انسان ہم کلامی کررہا ہوتا ہے؛ اس طرح پڑھیں، یہ ہے سکون کی نماز، یہ اللہ رب العزت کو پسند ہے۔

جیسی نماز ہوگی ویسا اللہ کا دیدار ہوگا

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں ایک بڑی عجیب بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو ہم نماز دنیا میں پڑھتے ہیں یہ نماز قیامت دن جب جنت میں جائیں گے تو اللہ رب العزت کے دیدار کی شکل میں سامنے ظاہر ہوگی، کہ جو شخص دنیا میں نماز پڑھتا [illegible]، لیکن اس کو خیالات آتے رہتے ہوں [illegible] فرماتے ہیں کہ یہ مومن جب جنت

میں جائے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ذاتی ہوگا، پھر اس کے اوپر صفات کے پردے آ جائیں گے، جو بندہ بغیر خیال والی نماز پڑھتا ہوگا اس مومن کو جنت میں جا کر بغیر صفات کے پردوں میں اللہ رب العزت کے چہرے کا دیدار ہوگا، وہ فرماتے ہیں جیسی نماز پڑھیں گے، جنت میں مومن کو دیدار اسی کیفیت کا حاصل ہوگا، لہٰذا ہمیں دنیا میں ایسی کوئی تو دو رکعت پڑھنا ہے کہ جس میں اللہ اکبر سے لے کر سلام پھیرنے تک ہمیں کوئی دنیا کا خیال نہ آئے، مشق کرنے سے یہ آ جاتا ہے۔

نماز بنانے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے

اور یاد رکھیں نماز بنانی پڑتی ہے، خود بخود نہیں بن جاتی۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ایک بندے کو Boxing (مکہ بازی) کا مقابلہ کرنا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ کبھی تو وہ کبھی Jogging (ورزش کی نیت سے دوڑنا) کر رہا ہے، اور وہ کبھی Trade Mill (ورزش کی ایک مشین) کے اوپر چل رہا ہے، اور کبھی ایک Leather (چمڑے) کا تکیہ ہے اس پر مکے مار رہا ہے، اس سے پوچھیں گے کہ کیا کر رہا ہے؟ وہ کہے گا میں Practice (مشق) کر رہا ہوں، تا کہ جب میں Ring (بوکسنگ کے مقابلہ کا مخصوص احاطہ) میں اتروں تو میں Champion (کامیاب) بن جاؤں؛ اب اگر یہ بندہ Boxing کے مقابلے میں نام تو لکھا چکا، لیکن تیاری نہیں کر کے آیا تو رنگ میں اس کے ساتھ کیا ہوگا کہ یہ پہلے ہی مکے پہ ہی technical knockout (ڈھیر) ہو جائے گا، بالکل اسی طرح ہم اگر چاہتے ہیں کہ نماز کے رنگ میں اترتے ہی ہم حضوری کے ساتھ نماز پڑھیں تو اس کے لئے رنگ کے باہر اس کی Excersise (مشق) کرنی پڑتی ہے۔

ہمارے مشائخ جو کہتے ہیں کہ ذکر کرو اور ہر وقت اللہ کا دھیان رکھو، چلتے پھرتے، لیٹے بیٹھے دل میں اللہ کی طرف دھیان رکھو، یہ اصل میں نماز کی پریکٹس ہے جو خارجِ نماز کروائی جاتی ہے، چنانچہ جس بندہ کی طبیعت پہلے ہی سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے جب وہ اللہ اکبر کہہ کے نماز کے رنگ میں داخل ہوتا ہے تو اس کو مکمل انقطاع محسوس ہوتا ہے، وہ پھر

اپنے اللہ کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے، ہم کلام ہو جاتا ہے، پھر اس کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھنے کا مزہ آتا ہے کہ جیسے میرے مالک اس کا جواب دے رہے ہوں کہ میرے بندے نے میری حمد بیان کی، اس لئے ہم نماز کو بنانے کی کوشش کریں اور اللہ سے یہ نعمت مانگیں، کیونکہ نماز کی زینت خشوع اور خضوع میں ہے۔

خوف کی زینت گناہوں کو چھوڑنے میں ہے

اور چوتھی بات فرمائی کہ خوف کی زینت گناہوں کو چھوڑنے میں ہے، کوئی بندہ کہے کہ میرے دل میں بڑا اللہ کا خوف ہے، تو بھائی خوف کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان نافرمانی چھوڑ دے، یہ کیسا خوف کہ انسان آنسو بھی بہالے، گناہ کرنا بھی نہ چھوڑے، اچھا انسان وہی ہے جو اپنے مالک کی نافرمانی سے بچے۔

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ وعظ کیا، لوگ چلے گئے، ایک نوجوان آیا، لگتا تھا کہ کسی بڑے امیر گھرانے کا ہے، کسی نواب کا بیٹا ہے، اس کے ساتھ اور بھی ۱۵، ۲۰ نوجوان تھے، آکر کہنے لگا کہ حضرت! آپ نے یہ کیا بات کہی اور میری تقریر کا ایک فقرہ اس نے مجھ سے پوچھا، تو میں نے کہا ہاں! میں نے یہ بات کہی ہے، بات کیا تھی کہ سری سقطیؒ نے بیان میں کہا تھا: ''عَجَبًا لِضَعِیْفٍ یَعْصِیْ قَوِیًّا'' تعجب ہے اس کمزور پر جو ایک طاقت ور کی نافرمانی کر رہا ہے۔ کہتے ہیں جب اس نے پوچھا تو میں نے کہا کہ دیکھو انسان سے زیادہ کمزور کوئی نہیں، رب سے زیادہ طاقت والا کوئی نہیں، اور تعجب ہے کہ اتنا کمزور اتنے قوی کی نافرمانی کرتا ہے، کہنے لگا کہ آج کے بعد میں اس قادر پروردگار کی نافرمانی نہیں کروں گا، ہم بھی اللہ رب العزت کی نافرمانی سے بچیں۔

عبادت گذار بننے کا آسان راستہ

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میں سب سے زیادہ عبادت گذار بننا چاہتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِتَّقِ الْمَحَارِمَ'' گناہوں سے اپنے آپ کو بچالے ''تَکُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ'' انسانوں میں سب سے

زیادہ عبادت گذار تو بن جائے گا، لہٰذا ہم گناہوں کو چھوڑ دیں اور دعا مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں معصیت کی ذلت سے محفوظ فرما۔

سب سے بڑا عالم کون؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بڑا عالم وہ ہوتا ہے جس پر گناہوں کی مضرتیں زیادہ کھل جائیں'' ہم تو کچھ اور سمجھتے ہیں، جو زیادہ بولتا ہو، ہر بات کا جواب دیتا ہو، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا عالم ہے، اس کا بڑا مطالعہ ہے، وہ فرماتے ہیں، کہ جس بندے پر گناہوں کی مضرتیں زیادہ کھل جائیں وہ شخص بڑا عالم ہے، اس لئے کہ اب وہ گناہوں سے خود بچے گا۔

طالب علم کی زینت عاجزی میں ہے

اور پانچویں چیز فرمایا کہ طالب علم کی زینت عاجزی میں ہے، جو انسان چاہے کہ مجھے علم کی دولت ملے، اس کو اپنے اساتذہ کے سامنے عاجز بننا چاہئے، حدیث مبارک ہے ''تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُم'' تم جن سے علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے تواضع اختیار کرو۔ یاد رکھئے! علم کو اللہ رب العزت نے عظمت دی ہے، علم اللہ کی صفت ہے اور اللہ عظمتوں والے ہیں تو علم کے اندر بھی عظمت ہے، یہ اس کو ملتا ہے جو جھکتا ہے، جو نہیں جھکے گا اس کو نہیں ملے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ'' کہ جو شرمانے والا ہو یا تکبر کرنے والا ہو، ان بندوں کو علم حاصل نہیں ہوتا، تو علم حاصل کرنے کے لئے انسان جھکتا ہے تب یہ نعمت ملتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پانی نچان کی طرف جاتا ہے، علم کی نعمت بھی نچان کی طرف جاتی ہے

جو اہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں
صراحی سرنگوں ہوکر بھرا کرتی ہے پیمانہ
تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

جتنا صراحی زیادہ جھکتی ہے اتنا فیض زیادہ جاری ہوتا ہے، پانی زیادہ جاری ہوتا ہے، تو علم انسان کو تواضع سے ملتا ہے۔

ایک علمی نکتہ

اب طلبہ کے لئے ایک نکتے کی بات کہ علم کے سامنے فرشتے بھی سرنگوں، آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تو اس کی وجہ کیا تھی کہ آدم علیہ السلام کے پاس علم الاسماء تھا، اس علم الاسماء کی وجہ سے فرشتے ان کے سامنے جھکے تو علم کے سامنے فرشتے بھی سرنگوں۔ اور علم کے سامنے انبیاء بھی سرنگوں، وہ کیسے کہ خضر علیہ السلام اللہ کے ولی ہیں اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں، سورۂ کہف پڑھ کے دیکھئے موسیٰ علیہ السلام ان کے سامنے شاگرد بن کے بیٹھے ہیں، تو علم کے سامنے انبیاء علیہم السلام کو بھی جھکنا پڑا۔ اور علم کے سامنے دنیا کے بادشاہ بھی سرنگوں، چنانچہ ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ درس دیا کرتے تھے اور وقت کا بادشاہ ملنے آتا تھا، ایک ایک گھنٹہ انتظار کرتا تھا، جب حضرت کا درس مکمل ہوتا تب مصافحہ کیا کرتا تھا، تو علم کے سامنے دنیا کے بادشاہ بھی سرنگوں۔ علم کو اللہ رب العزت نے یہ بڑائی دی ہے اور علم کی وجہ سے انسان کو دنیا میں عزتیں ملتی ہیں۔

علم کی زینت حلم میں ہے

ساتویں بات فرمائی کہ علم کی زینت حلم میں ہے۔ حلم کہتے ہیں Tolerance کو، حلیم الطبع وہ بندہ جس میں Tolerance زیادہ ہو جو برداشت کرسکتا ہو تو علم کی زینت حلم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صفتوں کا قرآن میں ایک جگہ تذکرہ فرمایا ''وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا'' یہ دونوں صفتیں اکٹھی اچھی لگتی ہیں کہ اللہ جتنا علم کسی کا بڑھائے اس کے اندر حلم بھی اتنا ہی بڑھ جائے۔ آپ اگر غور کریں تو آج ہم اس میں بہت کوتاہی کے مرتکب نظر آتے ہیں، اتنے Short tempered (جلد غصہ میں آنے والے) ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ غصہ، Day to day (روزمرہ) کی باتیں ہوتی ہیں اس میں غصہ چڑھ جاتا ہے اور کبھی تو بغیر وجہ کے غصہ کر لیتے ہیں، چنانچہ ایک نوجوان آیا، کہنے لگا کہ پتہ نہیں کیا ہوا، باہر دو دستوں

میں بڑا ٹھیک رہتا ہوں، گھر آتا ہوں تو بس پارا چڑھا رہتا ہے، پوچھا بھائی! کوئی وجہ؟ کہا کوئی وجہ بھی نہیں ہے، میں نے کہا دیکھیں شیطان آگ سے بنا اور یہ شیطانیت جس کے دماغ میں جتنا زیادہ ہوتی ہے اتنا بندے کا پارا چڑھا رہتا ہے، تو اس شیطانیت سے جان چھڑاؤ، گھر میں شگفتہ چہرے کے ساتھ آنا چاہئے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تھے تو مسکراتے چہرے کے ساتھ آتے تھے اور اہل خانہ کو سلام کیا کرتے تھے، ہمیں بھی اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

حلم کی کمی طلاق کا سبب

حلم کی کمی آج بہت زیادہ دیکھنے میں آرہی ہے، چھوٹی بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے، چنانچہ ایک ملک میں ہمیں ایک عجیب واقعہ سننے میں آیا، دو میاں بیوی اور دونوں پی ایچ ڈی ڈاکٹر تھے اور ان میں ۲۳ سال شادی شدہ زندگی گذارنے کے بعد ایک معمولی سی بات پہ Separation (علاحدگی) ہوگئی، میاں کو ایک دن دفتر میں Meeting میں پہنچنا تھا، آنکھ کھلی تو انھوں نے دیکھا کہ ٹائم کم ہے، انھوں نے سوچا کہ چلو میں ناشتہ تو نہیں کرتا، میں برش کر لیتا ہوں، تاکہ میں جلدی سے پہنچوں، دیکھا تو واش روم میں کوئی بچہ تھا، انھوں نے یہ کیا کہ وہ Kitchen (باورچی خانہ) میں چلے گئے اور وہاں کا Sink (برتن وغیرہ دھونے کی جگہ) تھا وہاں جاکے انھوں نے ٹوتھ پیسٹ کر لی، اب جب بیوی صاحبہ آئیں تو دیکھا کہ کیچن کے Sink میں خاوند نے ٹوتھ برش استعمال کیا، تو اس کو بڑا غصہ ہوا، جب میاں صاحب آئے تو وہ Argument (لڑائی) کرنے لگی کہ آپ تو بہت ہی Tough rough (بدسلیقہ) ہیں، آپ کے اندر تو Sophistication (سلیقہ) نہیں ہے، لکھے پڑھے تو ہیں لیکن آپ کو تہذیب نہیں آتی، اس نے کہا میری مجبوری تھی، بیوی نے کہا: نہیں، آپ ہیں ہی ایسے۔ اب یہ چھوٹی سی بات بڑھتے بڑھتے اتنی بڑی بن گئی کہ دونوں نے ایک دوسرے سے Separate (الگ، جدا) ہونے کا فیصلہ کر لیا، ہم نے جب یہ سنا تو واقعہ سنانے والے کو کہا کہ واقعی مجھے بھی لگتا ہے کہ دونوں ''پی ایچ ڈی'' تھے (PHD)، تو وہ حیران

ہو کے دیکھنے لگے کہ حضرت! آپ کی کیا مراد کہ دونوں پی ایچ ڈی تھے (PHD)، میں نے کہا انگریزی کے نہیں، اردو کے، کہنے لگا کیا مطلب؟ میں نے کہا پی ایچ ڈی (PHD) یعنی "پھرا ہوا دماغ"۔(Phira Hua Dimagh) اس کو کیا کہیں گے؟ ۲۳ سال کی Association (ساتھ) کے بعد جو بندہ بیوی کو اتنی چھوٹی سی بات پہ طلاق دے، وہ پھرا ہوا دماغ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ یہ اس لئے ہوا کہ ہمارے اندر حلم کی بہت زیادہ کمی ہے، اس کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلم نوجوانوں کے ساتھ

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلم کی ایک مثال تھے، بچوں کے ساتھ بھی حلم، بوڑھوں کے ساتھ بھی، عورتوں کے ساتھ بھی، جوانوں کے ساتھ بھی، ہر ایک کے ساتھ حلم کا برتاؤ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک نوجوان صحابی رضی اللہ عنہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عادت تھی کہ جب مجھے بھوک لگتی تو مجھے جو بھی کھجور کا پھل پسند آتا، میں اسے توڑ کے کھالیتا تھا، ایک دن مجھے مالک نے پکڑ لیا اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کے آیا، وہ کہتے ہیں کہ پہلے تو میں بڑا گھبرایا کہ پتہ نہیں کیا ہوگا، مجھے دُرّے لگیں گے یا میرا ہاتھ کٹے گا، میں بڑا نروس تھا، اس نے آکے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ لڑکا میری کھجوریں بغیر اجازت کے توڑ کے کھاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا اور مجھے اپنے قریب بلایا —— ہم ہوتے تو معاملہ کو کیسے Deal (انجام تک پہونچانا) کرتے؟ اے فلاں! تو ایسا اور تو ویسا، ایسے مزاج سے ہم بات شروع کرتے، دو چار گالیاں نکالتے —— نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے پاس بلایا، وہ کہتے ہیں کہ میں ڈرتے ڈرتے قریب ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پہ رکھا، ہاتھ سر پر رکھنے سے میرا آدھا ڈر ختم ہوگیا، میرے اندر Confidence (خود اعتمادی) آگیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: بھائی! تم دوسروں کی کھجوریں بغیر اجازت کے کیوں کھاتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے بھوک لگی ہوتی ہے، مجھے جو کھجور پسند ہوتی ہے میں توڑ کے کھالیتا ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مسئلہ سمجھایا، فرمایا کہ دیکھو! جو کھجوریں نیچے گری پڑی ہوتی ہیں اس کا تو اذنِ عام ہوتا ہے، سب کو اجازت ہے، لہٰذا جو کھجور

نیچے گری ہو تو بیشک اس کو کھالیا کرو، لگی کھجوریں توڑ کے کھانے کے لئے مالک سے اجازت لینی ضروری ہے، فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مسئلہ سمجھا دیا تو مجھے پتہ چل گیا کہ کیا کر سکتا ہوں، کیا نہیں کر سکتا، پھر اس کے بعد نبی ﷺ نے ایک دعا دی کہ اے اللہ! اس کے رزق میں برکت عطا فرما اور ان کی بھوک کو دور فرما دے، وہ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں وہاں سے لوٹ کے آیا پھر پوری زندگی میں نے کسی کی چیز کو بغیر اجازت استعمال نہیں کی۔ یہ ہوتا ہے حلم کہ جڑ ہی کاٹ کے رکھ دی تھی، نبی ﷺ نے پہلے پوچھا کہ مسئلہ کیا؟ پھر مسئلہ سمجھایا، پھر ان کو دعا بھی دی، چنانچہ اس نے گناہ ہی چھوڑ دیا۔

حلم سے محرومی اور اس کے نقصانات

کیا ہم اپنے گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں؟ ہم تو ذکر میں لگے ہوئے ہیں، دعوت میں لگے ہوئے ہیں، دین میں لگے ہوئے ہیں، لیکن نوجوان بچہ بعض مرتبہ رات دیر میں سویا، جوانی کی پکی نیند، وقت پر نہیں اٹھ سکا تو ایک مرتبہ آواز دی، نہیں اٹھا تو دوسری مرتبہ جا کے ڈانٹنا شروع کر دیتے ہیں کہ مردار! سویا پڑا ہے، شرم نہیں آتی، بیل کی طرح کھاتا ہے، نماز پڑھنے کے لئے نہیں اٹھتا، اب ذرا سوچئے! ہم دیندار ہو کر اپنے بچوں کو اس طرح دین کی دعوت دے رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے اندر آج اس Tolerance (حلم، برداشت کی صفت)) کی بہت زیادہ کمی ہے، حد سے زیادہ کمی ہے۔ اسی وجہ سے گھروں میں جھگڑے زیادہ ہیں، کوئی گھر بتا دیجئے جہاں میاں بیوی کے جھگڑے، بھائی بھائی کے جھگڑے، پڑوسی کے جھگڑے، نہ ہوں، ہر جگہ جھگڑے ہیں، اس کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ Tolerance نہیں ہوتی ہے، بات برداشت ہی نہیں ہوتی۔ اور ہم نے کئی جگہ دیکھا کہ دو بندوں میں جھگڑا ہے، یہ بھی بول رہا ہے، وہ بھی بول رہا ہے، نہ یہ سن رہا ہے نہ وہ سن رہا ہے، تو پھر مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ اتنی بھی Tolerance ہمارے یہاں نہیں ہوتی۔

حضور ﷺ کا حلم عورتوں کے ساتھ

نبی ﷺ عورتوں کے ساتھ بھی حلم کا معاملہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کوئی بات کی، نبی ﷺ نے ان کو بات سمجھائی، اتنے میں ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ آ گئے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! آپ حکم بن کر ہمارا فیصلہ کروا دیں، انھوں نے کہا: بہت اچھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! تم بات بتاؤ گی یا میں بات بتاؤں؟ انھوں نے جلدی میں کہہ دیا: آپ ہی بتائیں، لیکن ٹھیک بتائیں، اب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا انھوں نے کہا: عائشہ! تجھے تیری ماں روئے، کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح نہیں بتائیں گے؟ ایک تھپڑ لگانا چاہا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ پر روک لیا بچایا، عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آ کے چھپ گئیں؛ کہ ابو ہیں کہیں دوسرا نہ لگا دیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! ہم اپنا معاملہ خود حل کرلیں گے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چلے گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے مڑ کے کہا: عائشہ! تھپڑ سے میں نے تجھے بچایا۔ مسئلہ ہی حل ہو گیا، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر والوں کے ساتھ حلم کا یہ معاملہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلم بوڑھوں کے ساتھ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوڑھوں کے ساتھ بھی حلم کا معاملہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک صحابی جو دیہات کے رہنے والے تھے، وہ آئے اور مسجد نبوی کے اندر آ کر بیٹھے، ان کو Urination (پیشاب) کی ضرورت پیش آئی، مسجد نبوی کا Covered Area (ڈھکی ہوئی جگہ) جو تھا وہ چھوٹا سا تھا، مگر جو Land occupied (مقبوضہ کھلی زمین) تھی وہ ذرا زیادہ تھی Courtyard (صحن، آنگن) کی طرح صحن بھی تھا، ان کو پتہ نہیں تھا، اور دیہاتی لوگوں کو تو جہاں جگہ مل جائے وہ پیشاب کر لیتے ہیں، وہ کمرے سے نکلے اور انھوں نے پیشاب کرنا شروع کر دیا، اب جس نے دیکھا اس نے کہا ارے! کیا کر رہے ہو؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کر دیا، اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحمل اور حکمت عملی دیکھئے! —— جو بندہ پیشاب کرنے کی ابتدا کر چکا ہو پھر وہ تو اس کے اپنے اختیار میں بھی نہیں ہوتی، اگر اس کو منع کیا جاتا تو بدن بھی ناپاک، کپڑے بھی ناپاک، اور مسجد نبوی کا زیادہ حصہ بھی ناپاک ہوتا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی، وہ فارغ ہو گئے، مٹی استعمال کر لی، پھر اٹھ کے آ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! مسجد اللہ کا گھر ہے، اللہ بڑے عظیم ہیں، ہمیں اس کے گھر کو پاک صاف رکھنا چاہیے،

جب نبی ﷺ نے بات سمجھائی تو ان بڑے میاں کو محسوس ہوا کہ میں کتنا بڑا Blunder (بہت بڑی غلطی) کر بیٹھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے اب احساس ہوا کہ مجھ سے واقعی غلطی ہوئی، میں آج کے بعد کبھی کوئی ایسا کام نہیں کروں گا۔ نبی ﷺ نے بات سمجھانے کے بعد جب مجلس برخاست کی تو وہ صحابی رضی اللہ عنہ جانے لگے، نبی ﷺ نے دیکھا کہ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کو نئے کپڑے ہدیے کے طور پر دیئے، انھوں نے وہ کپڑے پہن لئے، اور بڑے خوش ہوئے، جب جانے لگے تو دیکھا کہ پیدل جا رہے ہیں، نبی ﷺ نے ان کو سواری بھی پیش کی کہ بھائی! آپ پیدل آئے ہیں، سواری پہ سوار ہو کے جائیں، وہ سواری پہ سوار ہو کے گئے، جب اپنے گاؤں پہنچے تو گاؤں سے باہر ہی چلانے لگے اے میرے چچا، اے میرے ماموں، اے میرے بھائی، سب لوگ حیران کہ تجھے کیا ہو گیا؟ کیوں تم اس طرح آوازیں لگا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے ایک ایسے معلم کو دیکھا ہے کہ مجھ سے تو اتنی بڑی غلطی ہوئی، لیکن نہ انھوں نے میری Public Insult (سرِ عام بے عزت کرنا) کی، نہ انھوں نے Punish (سزا دینا) کیا، نہ مجھے دوسروں کے سامنے رسوا کیا، پیار سے بات سمجھائی، جب میں آنے لگا تو انھوں نے مجھے کپڑے بھی تحفے میں دیئے اور سواری بھی تحفے میں دی۔ وہ سب کہنے لگے اچھا اگر اتنے اخلاق والا بندہ ہے تو ہم بھی تیرے ساتھ جائیں گے، اس بستی سے تین سو آدمی اس صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے اور انھوں نے کلمہ پڑھا، اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی Patience (صبر) کا اور Tolerance (حلم) کا یہ حال تھا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا حلم

ہمارے بزرگوں کی زندگی میں بھی یہ چیز نظر آتی ہے، امام ابو یوسفؒ اپنے وقت کے Chief justice تھے، قاضی القضاء تھے، ان کی ایک عادت تھی کہ جو مسئلہ ان کو ازبر نہیں ہوتا تھا یعنی مطالعہ فوری نہیں ہوتا تھا تو وہ کہہ دیتے تھے: ''لَا أَدْرِی'' بھائی! مجھے نہیں پتہ ——— ہمارا تو حال یہ ہے کہ جس کو کچھ بھی نہیں آتا، وہ بھی مفتی بنا پھرتا ہے، مرد سے پوچھو،

عورت سے پوچھو، فوراً فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں، لیکن وہ اکابر حضرات اتنے محتاط تھے کہ بندہ مسئلہ پوچھتا، اگر فوری طور پہ از بر نہیں ہوتا تھا، یا وہ جزئیہ پہلے سامنے نہیں آیا ہوتا تھا؛ تو کہہ دیتے تھے "لاأَدرِی" بھائی! مجھے نہیں پتہ، مقصد یہ تھا کہ Consult (رجوع) کروں گا، دیکھوں گا، پھر دوبارہ جواب دے دوں گا۔ اب ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے، ایک نوجوان آیا اور اس نے آ کے کوئی مسئلہ پوچھا، حضرت نے سن کے کہا: "لاأَدرِی" اس کو غصہ آگیا، وہ کہنے لگا: ایسے ہی Chief justice بنے ہوئے ہیں، آدھے خزانے کے برابر تنخواہ لیتے ہیں اور جب مسئلہ پوچھتے ہیں تو کہتے ہیں "لاأَدرِی" مجھے نہیں آتا، اب دیکھئے اس نے کیسی بے عزت کرنے والی بات کی کہ Chief justice بنے ہوئے ہیں اور آدھے خزانے کے برابر تنخواہ لیتے ہیں اور مسئلہ پوچھتے ہیں تو کہتے ہیں "لاأَدرِی" تو حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ بھائی! یہ تنخواہ ملتی ہے میرے علم کے برابر، اس لئے آدھے خزانے کے برابر ملتی ہے، اگر مجھے تنخواہ میری جہالت کے بقدر ملتی تو پورے خزانے سے زیادہ ملتی، وہ بچہ مسکرا پڑا اور بات ختم ہوگئی، تو دیکھئے اکابر کا حلم کیسا تھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حلم

ہمارے حضرت اقدس تھانویؒ ایک مرتبہ کہیں بیان کے لئے تشریف لے گئے، اس علاقے میں کوئی مخالف بھی تھا، اس نے بیان سے پہلے ایک چٹھ حضرت کے پاس بھیج دی، جب آپ نے چٹھ پڑھی تو پرچی کے اوپر تین باتیں لکھی ہوئی تھیں، پہلی بات لکھی ہوئی تھی کہ "تم کافر ہو" اور دوسری بات کہ "حرام زادے ہو" اور تیسری بات یہ کہ "سنبھل کے بات کرنا"۔ اب ہم جیسا کوئی Short Tempered (جلد طیش میں آجانے والا) بندہ ہوتا تو کہتا کہ میں ایسے نامعقول لوگوں میں بیان ہی نہیں کرتا، اٹھ کر ہی آجاتا، مگر ہمارے اکابر کے حوصلے بڑے تھے، ظرف بڑے تھے، انھوں نے وہ چٹھ پڑھ کر سب لوگوں کو سنائی اور سنانے کے بعد فرمایا کہ دیکھو بھائی! پہلی بات اس میں لکھی ہے کہ تم کافر ہو، تو بھائی سب گواہ رہو میں کلمہ پڑھ کے مسلمان ہوتا ہوں: "أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً رسول

اللہ'' پھراس میں لکھاہے کہ تم حرام زادے ہو،تو بھائی! میرے والدین کے نکاح کے گواہ ابھی زندہ ہیں، میں ان کے نام بتادیتاہوں، جو بندہ Verify (تصدیق) کرنا چاہے، وہ جاکے پوچھ لے کہ میں نکاح کی اولادہوں کہ زنا کی، اس کا بھی پتہ چل جائے گا اور پھر تیسری بات لکھی کہ سنبھل کے بات کرنا تو بھائی! میں چندہ کرنے تو آیا نہیں ہوں، میں تو دین کی بات کرنے آیا ہوں جو کھری بات ہوگی وہ میں سنادوں گا،اس کے بعد بیان شروع فرمایا۔اب بتایئے! کتنا بڑا پہاڑ بن سکتا تھا مگر آپ نے کتنے آرام کے ساتھ مسئلہ کو حل کردیا،اس کو کہتے ہیں Tolerance۔اورآج ہمارے اندراس Tolerance کی کمی ہے، چھوٹی چھوٹی بات پہ فوراً React (ردِّعمل) کردینا، instantaneously (فوری) غصہ کے اندر آجانا، یہ مومن کا شیوہ نہیں ہوتا،اتنا جذباتی پن کا ہونا کہ بنا سوچے سمجھے ہاتھ اٹھالینا، قدم اٹھالینا،یہ بیوقوفی کی علامت ہوتی ہے،ٹھنڈے دل ودماغ سے انسان سوچے کہ مجھے کیا کرنا ہے،شریعت کا مجھے حکم کیا ہے۔لہٰذا ہم اپنے اندر حلم پیدا کریں۔

آپ نے دیکھاہوگا کہ مشینیں جب بنائی جاتی ہیں توان مشینوں کے اندر Clearance Tolerance, ہوتی ہے، Shape (بناوٹ) کا سائز اِتنا ہوگا، تو Barring کا سائز اتنا ہوگا،اب ان میں کچھ Thousand (ہزار) کا Difference (فرق) ہوتا ہے،اگر وہ فرق نہ ہوتو اس Shape کے اوپر Barring ٹ ہی نہ ہوسکے گا،مشین فٹ ہی نہ ہوگی تو چل ہی نہ سکے گی، جام ہوجائے گی،توجیسے مشین کو چلنے کے لئے Tolerance کا ہونا ضروری ہے،اسی طرح انسان کی مشین کو چلنے کے لئے بھی Tolerance کا ہونا ضروری ہے۔اورآج ہم بیوی کی، بھائی کی،والدین کی، پڑوسی کی،چھوٹی سی بات برداشت نہیں کرتے،ہم نے کئی نوجوانوں کو دیکھا کہ ذراسی بات پہ والدنے سمجھادیا توغصہ کرلیا،امی سے نہیں بولتے،کیوں کہ امی نے سمجھادیا، بھائی! امی نہیں سمجھائے گی توکون سمجھائے گا؟ سمجھانے پہ نوجوان اپنی ماں سے ناراض پھرتے ہیں، Tolerance کی اتنی کمی ہوگئی،لہٰذا آج کی اس مجلس میں ہمیں اپنے دل میں یہ عہد کرنا ہے

کہ ہم اپنے اندر Tolerance کو بڑھائیں گے اور گھروں کے اندر ایک اچھا انسان بن کر زندگی گذاریں گے، ایک اچھا پڑوسی بنیں گے، شہر کا ایک اچھا فرد بنیں گے، ایک اچھا مومن مسلمان بن کر اللہ کا بندہ بن کر زندگی گذاریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنوں کے ساتھ Tolerance تو تھی ہی، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو کفار کے ساتھ بھی حلم کے ساتھ پیش آتے تھے، ذرا دل کے کانوں سے بات سنئے گا! بات بڑی خوبصورت اور عجیب ہے، یہودیوں کے ایک عالم تھے، ان کا نام زید بن سانہ تھا، وہ مالدار بھی تھے اور حبر بھی تھے یعنی عالم بھی بڑے تھے، وہ اپنے اسلام لانے واقعہ بیان کرتے ہیں اور اس واقعہ کو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ''قال '' تو زید رضی اللہ عنہ نے کہا ''لَمْ يَبْقَ مِنْ عَلاماتِ النُّبوةِ شيئٌ اِلّاَوقدعَرفْتُهٗ فِي وَجهِ محمدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِين نظرتُ اِليه اِلّاَ اثْنَتَيْنِ '' کہ جب میں نے پہلی نظر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر ڈالی تو ان میں نبوت کی تمام علامتیں مجھے نظر آ گئیں سوائے دو علامتوں کے ''لم أخبر هامنه '' مجھے دونشانیوں کا پتہ نہ چل سکا، ایک نشانی تورات میں یہ لکھی ہوئی تھی: ''يَسبقُ حلْمُه غضبَه '' کہ وہ جو نبی آخر الزماں ہوں گے، ان کا حلم ان کے غصے سے زیادہ ہوگا اور جو بندہ جتنا ان کے ساتھ جہالت کا برتاؤ کرے گا، اتنا ان کا حلم اور بڑھتا جائے گا، یہ دونشانیاں مجھے نظر نہ آئیں ''فَكُنْتُ أَتَلَطَّفُ لَهٗ لِأَنْ أُخالِطَهٗ '' اب میں موقع کی تلاش میں تھا کہ مجھے Interact کرنے، لین دین، بات چیت کا کوئی موقع ملے، تو میں آزماؤں کہ ان کے اندر حلم کتنا ہے، وہ کہتے ہیں: ''فخرَجَ رَسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَوْمًا مِنَ الأيّامِ مِنَ الْحُجُرَاتِ '' ایک دن نبی علیہ السلام حجرات سے باہر تشریف لائے ''ومَعَهٗ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طالِب '' اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، ''فَأَتَاهُ رَجلٌ عَلَى راحِلَتِهٖ كَالْبَدَوِيّ '' ایک بدوی صحابی ان کے پاس سواری پہ سوار ہو کے آئے اور کہنے لگے ''يَارَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم '' اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''اِنَّ قَرْيَةَ بَنِي فلانٍ قد

أسلموا" فلاں بستی کے لوگ ایمان لے آئے اور ان کو تنگدستی اور قحط نے پریشان کر دیا "فإن رأیتَ أن ترسِلَ الیهم بشیئٍ تُعِینُهم " اگر آپ ان کو کوئی چیز HelP (امداد) کے طور پر دینا چاہتے ہیں تو میں ان کو پہچادوں گا' فَلَمْ یَکُنْ مَعَهُ شَیْئٌ " اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں تھا جو وہ اس کو دے سکتے "قَالَ زید" زید کہتے ہیں کہ میں نے سوچا سنہرا موقع اور Golden Opportunitiy ہے، "فَدَنَوتُ مِنهُ" میں ذرا قریب ہوگیا "فَقُلتُ یَامُحمدُ" میں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! "اِنْ رَأیتَ أنْ تَبِیعَنِی تَمرًا مَعلُومًا مِنْ حائطِ بَنِیْ فُلانٍ اِلٰی أجَلٍ کذا و کذا" آپ مجھ سے فلاں فلاں باغ کی اتنی کھجوریں بیچنے کا سودا کریں تو میں آپ کو Advance Payment (پیشگی ادائیگی) ابھی کر دیتا ہوں، آپ اس کو دے دیں، یہ لے کر چلا جائے گا "فَقَالَ" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا "لا یَا أخَا یَهود" اے یہود کے بھائی میں ایسا نہیں کر سکتا "وَ لا أُسَمِّیْ حَائطَ بَنِی فُلانٍ وَلٰکِنْ أَبِیْعُکَ تَمرًا مَعلُومًا اِلٰی أجَلٍ کذا و کذا" میں اتنے پیسے کے بدلے اتنی کھجوریں تو بیچ دوں گا، لیکن جو تم نے Condition (شرط) لگائی ہیں وہ شرط مجھے نہیں منظور "فَقُلتُ: نَعَم" وہ یہودی کہنے لگا کہ ٹھیک ہے، بس یہ Rate (بھاؤ) ہے، آپ کو اتنی کھجوریں دینی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "فَبَایَعَنِی وَ آتَیتُهُ ثَمَانِینَ دِینَارًا فَآتَاهُ الرجلَ" یہ ڈیل ہوگئیں، میں نے ۸۰ دینار دے دئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دینار اس بندے کو دئے کہ تم جا کے ان غریبوں کو دے دو جو قحط کی وجہ سے پریشان ہیں، اب Date (تاریخ) طے ہوگئی تھی کہ میں فلاں Date (تاریخ) تک کھجوریں دے دوں گا، اب سنئے زید کہتے ہیں:

"فلمَّا کانَ قَبلَ مَحلِّ الاَجلِ بِیومَینِ أوْ ثلٰثةٍ" وہ جو Date (تاریخ) طے کی گئی تھی، اس میں دو دن یا تین دن ابھی باقی تھے "خرج رَسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی جَنازةِ رجلٍ مِنَ الأنصار ومعهُ ابوبکرٍ و عمرُ و عثمانُ فِی نَفَرٍ مِنْ أصحابِه" نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پڑھنے کے لئے آئے، ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ساتھ تھے، "فلمَّا صَلّٰی عَلَی الْجنازةِ أتَیتُهُ" وہ یہودی کہتا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھائی تو اس وقت میں آیا، اب ذرا سمجھنے کی

بات یہ ہے کہ جنازہ پڑھنے میں تو Community (معاشرہ) کے سارے ہی لوگ ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ کہ اس نے سب کے سامنے یہ معاملہ کیا، کہتا ہے ''فَأَخَذْتُ بِمَجَامِعِ قَمِيصِهِ وَرِدَائِهِ'' یہ جو قمیص اور تہبند کا کمر کا جوائنٹ حصہ ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں آیا اور میں نے آ کے بغیر کسی تمہید کے وہاں سے کپڑے کو پکڑ لیا یہ تو Misbehave (بدتمیزی) کرنے والی بات ہوئی اور اکیلے میں بھی نہیں بلکہ لوگوں کے سامنے اور آتے ہی بات چیت کئے بغیر، چونکہ وہ Intentionally (ارادے کے ساتھ، قصداً) ایسا معاملہ کر رہا تھا کہ میں Misbehave (بدتمیزی) کروں گا اور میں دیکھوں گا کہ یہ آگے سے React (ردّعمل) کیسے کرتے ہیں، وہ یہودی کہتا ہے ''وَنَظَرْتُ إِلَيْهِ بِوَجْهٍ غَلِيظٍ'' اور بڑے غصے والے چہرے سے میں نے ان کی طرف دیکھا ''ثُمَّ قُلْتُ'' پھر میں نے کہا ''أَلَا تَقْضِي يَا مُحَمَّدُ حَقِّي'' اے محمد! میری کھجوریں کیوں نہیں مجھ کو دیتے، ''فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُكُمْ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ إِلَّا نَسِيَّ الْقَضَاءِ مَطْلًا'' اللہ کی قسم اے بنی عبدالمطلب کی اولاد! میں نے تم سے زیادہ Payment (ادائیگی) کرنے میں سستی کوتاہی کرنے والا کوئی دیکھا ہی نہیں ہے، اب ذرا غور کیجئے! عربوں میں خاندان کا طعنہ دینا کتنی بڑی بات ہوتی تھی، ایک تو قمیص کو پکڑ کے کھینچا، غصے والے چہرے سے دیکھا اور خاندان کا بھی طعنہ دیا اور ابھی دو تین دن Deadline (انتہائے مدت) میں باقی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ کیا ''فَنَظَرْتُ إِلَى عُمَرَ وَعَيْنَاهُ تَدُورَانِ فِي وَجْهِهِ'' —— عمر ؓ تو عاشق تھے، ان کے سامنے نبی ﷺ کے ساتھ کوئی ایسی بدتمیزی کیسے کر سکتا تھا؟ وہ Expect (سوچ) ہی نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی بندہ میرے آقا ﷺ کے ساتھ اس قدر Misbehave کرے گا ——
زید کہتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کی طرف دیکھا، ان کی نگاہیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں ''ثُمَّ قَالَ'' پھر عمرؓ کہنے لگے: ''أَيْ عَدُوَّ اللهِ'' او اللہ کے دشمن! ''أَتَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ مَا أَسْمَعُ'' نبی ﷺ کو تو یہ کہہ رہا ہے جو میں سن رہا ہوں؟ ''فَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ'' اس ذات کی قسم جس نے نبی ﷺ کو سچ کا پیغام دے کر بھیجا ''لَوْلَا مَا أُحَاذِرُ فَوْتَهُ لَنَزَعْتُ

سَيفِي رأسَک ''اگر تیرا حق ضائع ہونے کا مجھے ڈر نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا، تو ہوتا کون ہے نبی ﷺ سے ایسے بات کرنے والا،'' وَرَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ يَنظُرُ اِلٰى عُمَرَ فِي تَكَوُّنٍ وَتَبَسُّمٍ'' زید کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو مسکراتے اور تبسم والے چہرے کے ساتھ دیکھا Cool mind (ٹھنڈے دماغ کے ساتھ) ہوکر عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ''ثُمَّ قَالَ'' پھر فرمایا ''يَا عُمَرُ'' اے عمر! ''أنا وهو إلى غيرِ هٰذا مِنكَ أحوج'' میں اور یہ بندہ تیرے دوسرے برتاؤ کے مستحق تھے'' أنْ تَأمُرَهُ بِحُسْنِ الاِقْتِضَاءِ وَتَأمُرَنِي بِحُسْنِ القَضَاءِ'' کہ تم اسکو ایسا کہتے کہ اگر کسی سے کچھ مانگنا ہو تو Decent (مہذب) طریقے سے مانگنا چاہئے اور مجھے بھی سمجھاتا کہ اگر کسی کو ادائیگی کرنی ہو Well in time (وقت پر) کرلینی چاہئے، عمر تو اسے بھی سمجھاتا، تو مجھے بھی سمجھاتا، ''اِذْهَبْ يَا عُمَرُ'' اے عمر! اب جاؤ ''فَاقْضِهِ حَقَّهُ'' اس بندے کو اس کی کھجوریں بھی دے دو ''وَزِدْهُ عِشْرِيْنَ صَاعًا'' اور اس کو ۲۰ صاع کھجوریں زیادہ دو ——— صاع ایک پیمانہ تھا، مثلاً سمجھ لیجئے ایک کلو ——— ''مَكَانَ مَارَوَّعْتَهُ'' کہ تم نے اس کو کیوں کیا ہے، تم نے اس کو جو دھمکی دی ہے اس دھمکی کی Compensation (بھرپائی) میں اس کی کھجوریں بھی دے دو اور ۲۰ کلو کھجوریں زیادہ بھی دے دو ''قَالَ زَيْدٌ'' زید کہتے ہیں ''فَذَهَبَ بِيْ عُمَرُ'' عمر رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے گئے ''فَقَضَانِي'' انھوں نے میری کھجوریں بھی تول کے مجھے دے دیں ''وَزَادَنِي'' اور ۲۰ کلو کھجوریں زیادہ بھی دیں '' فَأسْلَمْتُ'' میں لوٹ کے آیا اور آکے میں نے اسلام قبول کرلیا۔ اللہ کے حبیب ﷺ کا حلم ایسا تھا کہ کافر اس حلم کو دیکھ کر اسلام قبول کیا کرتے تھے اور آج اس ہماری جذباتیت کو دیکھ کے لوگ دین سے متنفر ہوجاتے ہیں، ہم اپنے گھر میں تحمل مزاجی کا اظہار نہیں کرسکتے ؟ کیوں ہوتے ہیں یہ گھروں میں جھگڑے؟ سب کلمہ پڑھنے والے ہوں تو جھگڑے تو نہیں ہونے چاہئیں، اس لئے کہ تحمل مزاجی ہی نہیں، برداشت ہی نہیں ہوتی، چھوٹی چھوٹی بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے، آج ہمیں یہ سبق پھر سیکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ ہمیں علم بھی عطا فرمائے اور علم کے ساتھ حلم بھی عطا فرمائے۔

یادرکھئے! ﷺ جب اس دنیا سے پردہ فرمانے لگے تو آخری بات جو آپ نے فرمائی، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کان لگا کے سنی تو کہہ رہے تھے'' التوحید التوحید'' کہ توحید پہ قائم رہنا اور دوسری بات فرمائی ''وَمَامَلَکَتْ أَیْمَانُکم'' جو تمہارے ماتحت ہیں، نوکر ہیں، خادم ہیں، اولاد ہیں، بیوی بچے ہیں، یہ سب ماتحت ہیں، کہتے کہ ماتحتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، یہ نبی ﷺ کا اس امت کو Last Message (آخری پیغام) ہے، آپ ﷺ نے پردہ فرمانے سے پہلے جو پوری زندگی تعلیمات تھیں اس کی Summry (خلاصہ) بتائی وہ یہ تھی کہ اپنے ماتحتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اور آج غصے کا اظہار بھی انھیں کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں ان ماتحتوں کا وکیل بنوں گا اور جو ماتحتوں کے حقوق پامال کرے گا میں قیامت کے دن ان کے حقوق ان کو لے کر دوں گا، اب کیا عجیب منظر ہوگا، خاوند کلمہ پڑھنے والا کھڑا ہے اور بیوی مقدمہ دائر کرتی ہے کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! اس نے مجھے ستایا ہوا تھا، نکاح میں مجھے رکھا ہوا تھا اور غیر لڑکیوں کے پیچھے بھاگتا پھرتا تھا، میرے اوپر گھر میں توجہ نہیں دیتا تھا، بات کرتی تھی تو جھگڑا کرتا تھا، غصہ اتارتا تھا، مار پیٹ کرتا تھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے حق لے کے دیجئے، نبی ﷺ فرماتے ہیں ''أَنَا حَجِیْجُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ'' میں قیامت کے دن Attorney (وکیل) بنوں گا، حق لے کر دوں گا اب سوچئے جس کی شفاعت کی ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس شفاعت کی وجہ سے ہمیں قیامت کے دن اللہ مغفرت فرمائیں گے اگر وہ وکیل بن کر کھڑے ہو گئے ہمیں کونسی جگہ سمائے گی کہاں ٹھکانا ہوگا آج وقت ہے اپنی کوتاہیوں سے سچی معافی مانگ کر اللہ کے سامنے ایک نیک انسان بننے کا ارادہ فرمایئے اللہ ہمیں علم بھی عطا فرمایئے اور حلم بھی عطا فرما دیجئے ایک اچھا انسان بن کر زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے'' وَلِلّٰہِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا'' اللہ تعالیٰ کے پیارے پیارے نام ہیں، ان ناموں کا واسطہ دے کر مانگو۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ

رب العزت کا ایک نام ہے جس کو اسم اعظم کہا جاتا ہے، اس نام کے ساتھ دعا مانگیں تو دعا قبول ہوتی ہے۔اب اس پر مفسرین نے بڑی تفصیل لکھی کہ وہ "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ" ہے یا اسم جلالہ "اللہ" ہے، لیکن ایک بات پکی ہے کہ جو اللہ کے ۹۹ نام ہیں، ان میں سے کوئی ایک نام ہے، اس لئے ہم دعا پورے اسماء الحسنیٰ پڑھ کر مانگیں گے، طریقہ یہ ہوگا کہ یہ عاجز پڑھے گا اَلرَّحْمٰنُ یَااللہ، آپ کو خاموشی سے سنناہے اور آپ کو صرف یااللہ کہنا ہے، پھر یہ عاجز پڑھے گا "اَلرَّحِیْمُ یَااللہ" پھر آپ کو "یااللہ" کہنا ہے، صرف یااللہ، یااللہ، جس طرح بچہ ماں کو مناتا ہے تو امی، امی، امی، امی کہتا ہے اور اس کی زبان سے جو امی کا لفظ نکلتا ہے تو ماں کا دل موم ہو جاتا ہے، بس ہمیں بھی آج اسی طرح اللہ اللہ اللہ ایسے دل سے کہنا ہے کہ اللہ کی رحمت جوش میں آجائے، اللہ کو منانا ہے، بس اس نیت کے ساتھ کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ کے چھوڑنا ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ چھوٹا بچہ روتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ کمرے کے اندر بھائی بیٹھا ہے، بہن بیٹھی ہے، پھوپھی بیٹھی ہے، اس کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی، آج اسی طرح جب اللہ کو پکاریں تو اردگرد سے بالکل ہٹ کٹ جائیں، بس آپ ہوں اور اللہ ہوں، اس طرح تال جوڑ کے آج اپنے اللہ سے دعا مانگنی ہے، اللہ تعالیٰ ہماری ان دعاؤں کو قبول فرمائے۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلَی الْوَهَّاب

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ

اَلرَّحْمٰنُ یَااللہ، اَلرَّحِیْمُ یَااللہ، اَلْمَالِکُ یَااللہ، اَلْقُدُّوْسُ یَااللہ، اَلسَّلَامُ یَااللہ، اَلْمُؤْمِنُ یَااللہ، اَلْمُهَیْمِنُ یَااللہ، اَلْعَزِیْزُ یَااللہ، اَلْجَبَّارُ یَااللہ، اَلْمُتَکَبِّرُ یَااللہ، اَلْخَالِقُ یَااللہ، اَلْبَارِئُ یَااللہ، اَلْمُصَوِّرُ یَااللہ، اَلْغَفَّارُ یَااللہ، اَلْقَهَّارُ یَااللہ، اَلْوَهَّابُ یَااللہ، اَلرَّزَّاقُ یَااللہ، اَلْفَتَّاحُ یَااللہ، اَلْعَلِیْمُ یَااللہ، اَلْقَابِضُ یَااللہ، اَلْبَاسِطُ یَااللہ، اَلْخَافِضُ یَااللہ، اَلرَّافِعُ یَااللہ، اَلْمُعِزُّ یَااللہ، اَلْمُذِلُّ یَااللہ، اَلسَّمِیْعُ یَااللہ، اَلْبَصِیْرُ یَااللہ، اَلْحَکَمُ یَااللہ، اَلْعَدْلُ یَااللہ، اَللَّطِیْفُ یَااللہ، اَلْخَبِیْرُ یَااللہ، اَلْحَلِیْمُ یَااللہ، اَلْعَظِیْمُ یَااللہ، اَلْغَفُوْرُ یَااللہ، اَلشَّکُوْرُ یَااللہ، اَلْعَلِیُّ یَااللہ، اَلْکَبِیْرُ یَااللہ، اَلْحَفِیْظُ یَااللہ، اَلْمُقِیْتُ یَااللہ، اَلْحَسِیْبُ یَااللہ، اَلْجَلِیْلُ یَااللہ، اَلْکَرِیْمُ یَااللہ، اَلرَّقِیْبُ یَااللہ، اَلْمُجِیْبُ یَااللہ، اَلْوَاسِعُ یَااللہ، اَلْحَکِیْمُ یَااللہ، اَلْوَدُوْدُ یَااللہ، اَلْمَجِیْدُ یَااللہ،

الْبَاعِثُ یااللہ، الشَّھِیدُ یااللہ، الحَقُّ یااللہ، الْوَکِیلُ یااللہ، القَوِیُّ یااللہ، الْمَتِینُ یااللہ، الْوَلِیُّ یااللہ، الْحَمِیدُ یااللہ، الْمُحْصِیْ یااللہ، الْمُبْدِئُ یااللہ، الْمُعِیدُ یااللہ، الْمُحْیِی یااللہ، الْمُمِیتُ یااللہ، الْحَیُّ یااللہ، الْقَیُّومُ یااللہ، الْوَاجِدُ یااللہ، الاَحَدُ یااللہ، الصَّمَدُ یااللہ، القَادِرُ یااللہ، الْمُقْتَدِرُ یااللہ، الْمُقَدِّمُ یااللہ، الْمُؤَخِّرُ یااللہ، الاَوَّلُ یااللہ، الآخِرُ یااللہ، الظَّاھِرُ یااللہ، البَاطِنُ یااللہ، الوَالِیْ یااللہ، المُتَعَالِیْ یااللہ، البَرُّ یااللہ، التَّوَّابُ یااللہ، الْمُنْتَقِمُ یااللہ، الْعَفُوُّ یااللہ، الرَّؤُوْفُ یااللہ، مَالِکُ المُلْکِ ذُوالجَلالِ وَالاِکْرَام یااللہ، الْمُقْسِطُ یااللہ، الْجَامِعُ یااللہ، الغَنِیُّ یااللہ، الْمُغْنِیْ یااللہ الْمُعْطِیْ یااللہ، الْمَانِعُ یااللہ، الضَّارُّ یااللہ، النَافِعُ یااللہ، النُّوْرُ یااللہ، الھَادِیْ یااللہ، البَدِیْعُ یااللہ، البَاقِیْ یااللہ، الْوَارِثُ یااللہ، الرَّشِیْدُ یااللہ، الصَّبُوْرُ یااللہ یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ، یااللہ

اے کریم پروردگار!! آپ کے بندے آپ کے در پر حاضر ہیں، دامن پھیلائے بیٹھے ہیں، میرے مولیٰ! ہماری گناہوں کو بخش دیجئے، معاف فرما دیجئے، کوتاہیوں سے درگذر کر دیجئے، اے اللہ! ہمارے سر سے گناہوں کا بوجھ ہٹا دیجئے، ہمیں اچھا انسان بنا دیجئے، نیکی اور تقویٰ کی زندگی عطا فرما دیجئے، دلوں کو نور سے بھر دیجئے، دلوں کو موم کر دیجئے، اے اللہ! دلوں کو منور کر دیجئے، اللہ! علم میں برکت عطا فرما، عمل میں برکت عطا فرما، رزق میں برکت عطا فرما، صحت میں برکت عطا فرما، کاموں میں برکت عطا فرما، اللہ! قدم قدم پر اپنی برکتیں شامل حال فرما، اللہ! ہمیں نماز کی حضوری نصیب فرما، سجدے کا سرور نصیب فرما، قرآن پاک پڑھنے کا لطف عطا فرما، رات کے آخری پہر کی مناجات کی لذت نصیب فرما، ایمان حقیقی کی حلاوت نصیب فرما، اے کریم آقا! اس سے پہلے کہ لوگ ہمیں کلمہ پڑھائیں ہمیں اپنے اختیار سے کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرما، اس سے پہلے کہ ظاہر کی آنکھیں بند ہو جائیں، من کی آنکھیں کھلنے کی توفیق عطا فرما، اس سے پہلے کہ لوگ ہمیں غسل دیں، ہمیں غسلِ توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما، اس سے پہلے کہ لوگ کفن پہنائیں، ہمیں تقویٰ کی پوشاک پہننے کی توفیق عطا فرما، اس سے پہلے کہ ہماری نماز پڑھی جائے، اللہ! ہمیں نماز کی حضوری نصیب فرما، اس سے پہلے کہ قیامت کے دن آپ کے سامنے پیشی ہو، اللہ! ہمیں اپنی بارگاہ میں قبولیت نصیب فرما، زندگی کے آخری حصے کو زندگی کا بہترین حصہ بنا، قیامت کے دن کو زندگی کا سب سے زیادہ خوشیوں بھرا دن بنا، اللہ! ہمیں علم حاصل ہونے کے بعد جہالت کے کاموں سے محفوظ فرما، اللہ! قرب حاصل ہونے کے بعد دوری سے محفوظ فرما، ہدایت ملنے کے بعد گمراہی سے محفوظ فرما، اللہ! عزتیں ملنے کے بعد ذلت سے محفوظ فرما، میرے مولیٰ! آپ نے ہم بے قدروں کو کتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اللہ! ہمیں نعمتوں کی قدردانی کی توفیق عطا فرما،

میرے مولیٰ! ہمیں نعمتوں سے محروم نہ فرما، اے اللہ! دی ہوئی نعمتیں واپس نہ لیجئے، اے اللہ! اور زیادہ عطا فرمایئے، اللہ! مہربانی کا معاملہ فرما، اے اللہ! ہمیں پریشانیوں سے محفوظ فرما، غموں سے محفوظ فرما، اے اللہ! ذلت سے محفوظ فرما، قِلّت سے محفوظ فرما، عِلّت سے محفوظ فرما، اپنی رحمتوں کی پشت پناہی نصیب فرما، زندگی میں کبھی بھی بے سہارا نہ فرما، کبھی بھی بے آسرا نہ فرما، کبھی بھی اپنے در سے دور نہ فرما، ہمیشہ اپنی رحمتوں کی ٹھنڈی چھاؤں نصیب فرما، اے اللہ! ہمارے تینوں حرم کی حفاظت فرما، کریم آقا! ہم نے زندگی میں جو گناہ چھپ کر کئے وہ بھی معاف فرما، جو ظاہر میں کئے وہ بھی معاف فرما، جو محفل میں کئے وہ بھی معاف فرما، جو تنہائیوں میں کئے وہ بھی معاف فرما، جو گناہ یاد ہیں وہ گناہ بھی معاف فرما، جو کر کے بھول گئے اللہ! وہ گناہ بھی معاف فرما، اے کریم! آپ نے ارشاد فرمایا: ''وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ'' سوالی کو انکار نہ کرو، جب ہم کمزوروں کو حکم ہے کہ ہم سوالی کو انکار نہ کریں، اے مالک! ہم بھی تو آپ کے در کے سوالی ہیں، اے اللہ! انکار نہ فرمایئے، جھڑکیاں نہ دیجئے، اپنے در سے خالی نہ لوٹایئے، اے اللہ! رحمت کا معاملہ کر دیجئے، فضل کا معاملہ فرما دیجئے، اے اللہ! مہربانی کا معاملہ فرمایئے، آپ نے قرآن مجید میں فرمایا: ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ'' اے انسانو! تم سب فقیر ہو، اور دوسری جگہ فرمایا: ''إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ'' صدقات فقیروں کے لئے ہوتے ہیں، جب ہم فقیر ہیں اور صدقات فقیروں کے لئے ہوتے ہیں، اللہ! ہمیں اپنی کریمی کا صدقہ دے دیجئے، رحیمی کا صدقہ دے دیجئے، ستاری کا صدقہ دے دیجئے، غفاری کا صدقہ دے دیجئے، رزاقی کا صدقہ دے دیجئے، اے اللہ! ہمارے دامن بھر دیجئے، امیدوں سے زیادہ عطا فرما دیجئے، اے اللہ! مہربانی کا معاملہ فرما دیجئے، اللہ! آپ نے ہارون اور موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو انہیں فرمایا: ''فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا'' کہ جاؤ اور اس کے ساتھ نرم بات کرنا، اے اللہ! جب فرعون کے ساتھ آپ نے ان کو نرمی معاملہ کرنے کا حکم فرمایا، وہ فرعون تو ''أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ'' کہتا تھا، اے اللہ! یہ سامنے سارا وہ مجمع ہے جو روزانہ سجدے میں سر ڈال کر ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ'' کہتا ہے، اللہ! ان کے ساتھ نرمی کر دیجئے، اللہ ان کے ساتھ نرمی کر دیجئے، اے اللہ! نرمی فرما دیجئے، اے کریم! نرمی کر دیجئے، اے حنان! نرمی فرما دیجئے، اے منان! نرمی فرما دیجئے، اللہ! گناہ معاف کر دیجئے، آج کی اس مجلس میں گناہوں کو بخش دیجئے، خطاؤں کو معاف کر دیجئے، اے اللہ! اس مجمع میں کتنے نوجوان ہیں جو آج سچی توبہ کرنا چاہتے ہیں، میرے مولیٰ! آج تو گرم خون بھی معافیاں مانگ رہا ہے، میرے مولیٰ! معاف فرما دیجئے، توبہ قبول کر لیجئے، اللہ! اگر آپ نے دھتکار دیا، تو شیطان بہکائے گا اور زندگیاں برباد ہو جائیں گی، اللہ! مہربانی کر دیجئے، معاف

فرما دیجئے، اے اللہ! ہمیں تقویٰ وطہارت کی زندگی عطا فرمایئے، پاکدامنی کی زندگی عطا فرمایئے، اللہ! ہماری ان دعاؤں کو اپنی رحمت سے قبول فرمالیجئے، اے اللہ! اس مجمع میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو بال سفید کر بیٹھے، مگر دل سیاہ کر بیٹھے، وہ اپنے دل کا حال کس کے سامنے جا کر کھولیں، آپ سینوں کے بھید جاننے والے ہیں، میرے مولیٰ! وہ بھی ہاتھ اٹھائے بیٹھے ہیں، اللہ! ان کے سفید بالوں کی لاج رکھ لیجئے، میرے مولیٰ! آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ آپ سفید بالوں سے حیاء فرماتے ہیں، اے اللہ! مہربانی فرما دیجئے، اے اللہ! کرم کر دیجئے، اے اللہ! ہماری توبہ قبول فرمالیجئے، اے اللہ! اس مجلس میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی تو بیٹھے ہیں، اے اللہ! ان کے ہاتھوں کی معصومیت کا واسطہ دیتے ہیں، اے اللہ! ان معصوموں کے ہاتھ خالی نہ لوٹایئے، اور ان کی برکت سے ہم گنہگاروں کے ہاتھوں کو بھی قبول فرمالینا، اللہ! مہربانی کا معاملہ فرما، رب کریم! رحمتوں کا معاملہ فرما، جسمانی بیماریوں کو دور فرما، روحانی بیماریوں کو دور فرما، گھروں کی پریشانیوں کو دور فرما، ازدواجی زندگی کی پریشانیوں کو دور فرما، کام کاروبار کی مختلف پریشانیوں کو دور فرما، بے اولادوں کو اولاد عطا فرما، اولاد نرینہ کے جو طلبگار ہیں ان کو اولاد نرینہ عطا فرما، جو صاحب اولاد ہیں ان کی اولادوں کو نیکوکار بنا، فرمانبردار بنا، ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا، جن گھروں میں جوان بچے بچیاں موجود ہیں، اللہ! ان بچوں کے مستقبل کو روشن فرما، ماں باپ کے لئے فرض ادا کرنے آسان فرما، اے کریم! رحمتوں کا معاملہ فرما، اللہ! آپ کے پیارے یوسف علیہ السلام کریم تھے، انھوں نے بھائیوں کو معاف کرتے ہوئے کہہ دیا تھا: ''لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' آپ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی کریم تھے، انھوں نے قریشِ مکہ کو یہی الفاظ کہے تھے: ''لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' اللہ! آپ سب کریموں سے بڑے کریم ہیں، اے مولیٰ! آج آپ اپنے بندوں کو یہی فرما دیجئے، ''لَا تَثْرِيبَ عليكم اليوم'' اللہ! گناہ معاف ہوجائیں گے، خطائیں معاف ہوجائیں گی، میرے مولیٰ! معاف کر دیجئے، اللہ! معاف فرما دیجئے، اے اللہ! مہربانی کا معاملہ فرما دیجئے، ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے، اللہ! مانگنا نہیں آتا، ہمیں بن مانگے عطا فرما دیجئے، اے اللہ! اتنا بڑا مجمع آپ سے دل میں توقعات لے کر بیٹھا ہے، آپ ہی نے تو فرمایا: کہ اچھے بروں کے ساتھ بھی اچھائی کا ہی معاملہ کریں، اے اللہ! ہم مانتے ہیں ہم برے ہیں، مگر اللہ! آپ تو اچھے ہیں، آپ ہمارے ساتھ اچھائی کا معاملہ فرما دیجئے، اللہ! ہمیں نیکی پر استقامت عطا فرما دیجئے، ہمارے گھروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا گلشن بنا دیجئے اے اللہ! ہمیں اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بنا دیجئے، تقویٰ طہارت کی زندگی عطا فرمایئے، اللہ! مہربانی کا معاملہ فرما، اللہ! ہماری ان دعاؤں کو اپنی رحمت سے قبول فرما،

اللہ! جو مانگا وہ بھی عطا فرما، جن دوستوں نے پیغام بھیجے، خط لکھے، فون کئے، یا جن کے ہمارے اوپر حقوق آتے ہیں، یا جو ہم سے توقعات رکھتے ہیں، یا جو احباب آنا چاہتے تھے، مجبوریوں کی وجہ سے نہیں آسکے، اللہ! سب کو ان دعاؤں میں شامل فرما دیجئے، جو دور بیٹھی عورتیں اپنے گھروں میں پروگرام سن رہی ہیں، آمین کہہ رہی ہیں، اللہ! سب مردوں عورتوں کی آمین کو قبول کر لیجئے، ان کو بھی دعاؤں میں حصہ عطا فرمائیے، اللہ! مہربانی کا معاملہ فرما، اللہ! ہماری ان دعاؤں کو اپنی رحمت سے قبول فرما، اے کریم! رحمتوں کا معاملہ فرمائیے، اللہ! آپ کے سامنے کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا، آپ ہمارے دلوں کے بھید جانتے ہیں، اللہ! ہم ایک قدم آگے بڑھنا چاہتے ہیں، مگر دو قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں، نفس وشیطان رکاوٹ بنتے ہیں، اے اللہ! ہمارے نفس کو نفس مطمئنہ بنا دیجئے، شیطان کو ہمارے راستے سے ہٹا دیجئے، اے اللہ! جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے، شیطان کو ہم پر مسلط ہونے سے روک دیجئے، اللہ! ہمیں گناہ کے موقعوں سے بچا لیجئے، قدم اٹھنا چاہیں اٹھے قدموں کو واپس لوٹا دیجئے، گناہ کے لئے ہاتھ اٹھنا چاہیں تو بڑھتے ہاتھوں کو واپس لوٹا دیجئے، اللہ! گناہ کی ذلت سے محفوظ فرما، طاعات کی عزت نصیب فرما، یا اللہ! جو احباب دینی تعلیم کے ادارے چلا رہے ہیں، ان سب کے ساتھ اپنی مدد کو شامل فرما دیجئے، جو مختلف اداروں کے معاونین ہیں، ان کو اپنے مقربین میں شامل فرما دیجئے، رب کریم! آج کی اس مجلس میں ہم سب کی توبہ کو قبول فرما لیجئے، رب کریم! ہم نے دیکھا کہ ماں باپ کے دل میں آپ نے محبت ڈالی ہے، بچہ اگر اپنے باپ سے کوئی پھل مانگے تو باپ اس کے منہ میں کوئی کنکریاں پتھر نہیں ڈالتا، اس محبت کی وجہ سے جو باپ کے دل میں ہوتی ہے، اے اللہ! ساری مخلوق کی محبتیں جمع کر دی جائیں اس سے بھی ننانوے گنا آپ کو اپنی مخلوق سے محبت ہے، اے اللہ! اٹھے ہاتھوں کی لاج رکھ لیجئے، مہربانی کا معاملہ فرما دیجئے، بچہ پریشان ہوتا ہے، ماں باپ کی طرف دوڑتا ہے، بندہ پریشان ہوتا ہے پروردگار کی طرف لوٹتا ہے، اے بے کسوں کے دستگیر! اے ٹوٹے دلوں کو تسلی دینے والے! اے خالی جھولیوں کو بھر دینے والے اللہ! ہم نے تو ماں کو دیکھا ہے کہ بچہ کو نجاست میں لتھڑا دیکھتی ہے تو پھینک نہیں دیتی، چھوڑ نہیں دیتی، سمجھتی ہے کہ یہ تو نادان ہے، بیٹا تو میرا ہی ہے، وہ بچہ کو دھو لیتی ہے، سینے سے لگا لیتی ہے، اے کریم آقا! ہم بھی آپ کے بندے ہیں، مگر نادان ہیں، گناہوں کی نجاست میں لتھڑے ہوئے ہیں، اے اللہ! ہمیں رد نہ کر دیجئے، شیطان کے حوالے نہ کر دیجئے، ایک رحمت کی نظر ڈال کے ہمیں دھو دیجئے اور رحمت کی چادر میں جگہ عطا فرما دیجئے، اللہ! ہمیں حلم عطا فرما، علم عطا فرما، اے اللہ! ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کرنے کی

توفیق عطا فرما، اے اللہ! ہم نے دنیا کے بڑوں کو دیکھا ہے کہ جب ان کے غلام اُن کی غلامی کرتے کرتے بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ بادشاہ غلاموں کو آزاد کر دیتے ہیں، اللہ! اس مجمع میں کتنے لوگ ہیں، جو کلمہ پڑھتے پڑھتے بال سفید کر بیٹھے، آپ کی غلامی کرتے کرتے بوڑھے ہو گئے، اللہ! آج آپ ان کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیجئے، جہنم کی آگ سے بچا لیجئے، حالت ہماری ایسی ہے کہ ہم سے چند کلو کا وزن نہیں اٹھایا جاتا، اللہ! قیامت کے دن یہ پہاڑوں برابر گناہوں کا وزن ہم کیسے اٹھائیں گے، مہربانی فرما دیجئے، اے اللہ! ہم دنیا میں ایسے وقت میں پیدا ہوئے کہ آپ کے پیارے حبیب ﷺ کا دیدار نہ کر سکے، اے اللہ! اب ہمیں آخرت میں ان کا دیدار عطا فرمانا، ان کے قدموں میں جگہ نصیب فرمانا، اللہ! قرآن پاک کی آیت پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو اندھا کھڑا کروں گا، اللہ! بڑا ڈر لگتا ہے، اگر قیامت کے دن اندھا کھڑا کر دیا تو قیامت کے دن بھی ہم ان کی زیارت سے محروم ہو جائیں گے، اللہ! دوہری محرومی سے بچا لینا، بڑی دل کی تمنا ہے کہ اس چہرے کو دیکھیں جسے آپ نے ”وَالضُّحٰی“ فرمایا، ان زلفوں کو دیکھیں جنھیں آپ نے ”والَّیْل“ فرمایا، اللہ! قیامت کے دن اپنے محبوب کے دیدار کی توفیق عطا فرمانا، ان کے ہاتھوں حوض کوثر کا جام عطا فرمانا، ان کی شفاعت نصیب فرمانا، جنت میں ان کے قدموں میں جگہ عطا فرمانا، ہمارے والدین، عزیز واقارب اور مشائخ جو فوت ہو چکے ہیں، اللہ! ان کی مغفرت فرما، جن کی آپ نے مغفرت کر دی، اللہ! ان کو قُرب کے اعلیٰ درجات عطا فرما، اس اجتماع کے لئے خدمت کی جتنی جماعتیں ہیں اے اللہ! ہر ہر فرد کو اس کی امیدوں سے بڑھ کر اجر عطا فرما دیجئے، ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ عبادت سے جنت ملتی ہے، خدمت سے خدا ملتا ہے، اے اللہ! خدمت کرنے والوں کو آپ مل جایئے، ان کو اپنا بنا لیجئے، اپنے بندوں میں شامل فرما لیجئے، اے کریم! ساری زندگی ہم یہی کہتے رہے کہ ہم اللہ کے ہیں، ہم اللہ کے ہیں، ہم اللہ کے ہیں، میرے مولیٰ! آج تو آپ بھی ایک مرتبہ کہہ دیجئے کہ ہاں! تم میرے ہو، اے اللہ! ایک مرتبہ کہہ دیجئے، اے اللہ! ایک مرتبہ تو کہہ دیجئے کہ تم میرے ہو، اے اللہ! مہربانی کر دیجئے، اللہ! ایک مرتبہ کہہ دیجئے، رب کریم! ایک مرتبہ کہہ دیجئے، اللہ! Please کہہ دیجئے کہ ہاں تم میرے ہو۔

اللہ! مہربانی فرما دیجئے، رحمت کا معاملہ فرمایئے، اللہ! ہماری ان دعاؤں کو اپنی رحمت سے قبول فرما لیجئے، جو مانگا عطا فرما، جو مانگنا چاہئے تھا نہیں مانگ سکے، وہ بھی عطا فرما، اے کریم آقا! کتنے لوگ

ہیں جو سیکڑوں ہزاروں میل دور سے سفر کر کے اس گرمی کے موسم میں آپ کی محبت کی تلاش، میں آپ کو پانے کی نیت سے سب یہاں آئے بیٹھے ہیں، میرے مولیٰ! یہ سوالی اگر دنیا کے بادشاہ کے دروازے پہ جاتے اور ایک ٹکا مانگتے تو وہ دیئے بغیر واپس نہ بھیجتا، اللہ! آپ کے لئے بخش دینا آسان ہے، دنیادار کا ایک ٹکا دینا مشکل کام ہے، اے اللہ! بخش دیجئے، مغفرت مانگ رہے ہیں، آپ کی محبت مانگ رہے ہیں، اپنی محبت سے دلوں کو بھر دیجئے، اے کریم آقا! دعا ختم کرنے سے پہلے دو دعائیں مانگتے ہیں اے اللہ! ہمیں موت دینے سے پہلے ہمیں اپنی رضا عطا فرما دینا، پہلے ہم سے راضی ہو جانا اور بعد میں ہمیں موت دینا، دوسری ایک دعا جو آخری ہے، اے اللہ! اس پورے اتنے بڑے مجمع کو ایک مرتبہ محبت کی نظر سے دیکھ لیجئے، اللہ! ایک مرتبہ، اللہ! ایک مرتبہ، اللہ! ایک مرتبہ پیار کی نظر سے دیکھ لیجئے، محبت کی نظر سے دیکھ لیجئے، اے اللہ! یہ دعا مانگتے ہوئے ڈر بھی لگ رہا ہے کہ کہیں آپ کی طرف سے آواز نہ آجائے کہ محبت کی نظر میں بلال رضی اللہ عنہ پہ ڈالتا تھا، محبت کی نظر میں سمیہ رضی اللہ عنہا پہ ڈالتا تھا، تم اپنی زندگیوں کو دیکھو، میرے مولیٰ! یقیناً ہماری زندگیاں گناہوں سے بھری ہوئی ہیں، ہم اقرار کرتے ہیں، مگر اللہ! معاف بھی تو آپ ہی کو کرنا ہے، اے اللہ! ہماری گناہوں کو معاف کر دیجئے، اور ہمیں آئندہ نیکیوں بھری زندگی عطا فرمایئے، بس ایک محبت کا نگاہ ڈال دیجئے، Please اللہ مان جایئے۔

تیری ایک نگاہ کی بات ہے　　　میری زندگی کا سوال ہے

اے اللہ! اپنی رحمت کا معاملہ فرما، اے اللہ! ہماری ان دعاؤں کو اپنی رحمت سے قبول فرما، اے اللہ! اس ادارے[1] کو دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب فرما، اے اللہ! اس کو منارۂ نور بنا، اور اس کے نور کو دنیا کے کونے کونے کے اندر پہنچا، جو اس ادارے کے معاونین ہوں، اللہ ان کو اپنے مقربین میں شامل فرما۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْن

بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْن

[1] معهد الامام ولی اللہ الدہلوی للدراسات الاسلامیہ، خانقاہ نعمانیہ نیرل

آئندہ صفحات پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، یہ خطاب "خانقاہ فیض اولیاء" کے زیر اہتمام، ترکیسر کے ایک کرکٹ گراؤنڈ میں ۷/ اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب، ہوا تھا، شرکاء کی تعداد سوا سے ڈیڑھ لاکھ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ جن میں ہزاروں علماء و طلبۂ مدارس بھی تھے۔ جن کے طالب علمانہ ذوق کی رعایت کے اثرات آپ اِس خطاب میں صاف محفوظ کریں گے۔

نام خدا میں ہزاروں برکتیں

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم
یٰاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، و سلام علی المرسلین، و الحمد للہ رب العلمین
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللہ کے ناموں کی خوبصورتی

جب کسی گھر میں بچہ پیدا ہو تو ماں باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا اچھوتا نام رکھا جائے، جو لینے میں آسان بھی ہو، خوبصورت بھی ہو اور معنی کے اعتبار سے بہترین بھی ہو، تاکہ اسم با مسمّٰی بن جائے، یہ ہر ماں باپ کے دل کی فطری خواہش ہے اور عجیب بات ہے کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے بھی اپنے ایک پیغمبر اسلام کا نام رکھا تو فرمایا: "اِسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا" ایسا نام ہم نے رکھا کہ اس سے پہلے کبھی رکھا ہی نہیں گیا۔ جب اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی ولادت ہوئی تو آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کا نام محمد رکھا، یہ ایسا نام تھا جو عام لوگوں نے سنا ہی نہیں تھا۔ یہ فطری چیز ہوتی ہے کہ بچہ کا نام بہت بامعنی، خوبصورت اور آسان ہونا چاہئے، یہ تو مخلوق کا حال ہے، کیا ہم اندازہ لگا سکتے

ہیں کہ جس پروردگار نے اس کائنات کو پیدا کیا، اس نے اپنا نام کتنا خوبصورت رکھا ہوگا؟
''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى'' اللہ تعالیٰ کے بہت سارے خوبصورت نام ہیں، جتنی صفات اتنے نام، جب صفات کی انتہاء نہیں تو ناموں کی بھی انتہاء نہیں، کچھ وہ نام جو اللہ رب العزت نے اپنے انبیاء کو بتائے، کچھ وہ نام جو اس کے فرشتوں کو معلوم، کچھ وہ نام جو مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم، فقط اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، تاہم ننانوے نام بہت معروف ہیں، جو حدیث مبارک میں آئے ہیں، ان کو یاد کرنے کی فضیلت بھی ہے، وہ سب کے سب صفاتی نام ہیں، لیکن اللہ رب العزت کا ایک نام ذاتی ہے، وہ اسم جلالہ ''اللہ'' ہے۔

اسم جلالہ ''اللہ'' کی خوبصورتی

یہ اللہ کا نام اس قدر خوبصورت ہے کہ آپ اس کے معارف پہ غور کریں تو حیران ہوتے چلے جائیں، ہمارے نام ایسے ہوتے ہیں کہ ایک حرف کو الگ کردو تو بقیہ سب بے معنی رہ جاتے ہیں، مگر اللہ رب العزت کا نام کتنا خوبصورت ہے کہ آپ الگ الگ بھی کرتے چلے جائیں تو جو بچے گا وہ بھی با معنی ہوگا، مثلاً اللہ تو ''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' پھر اگر شروع میں ہمزہ کو ہٹادیں، الف کو ہٹادیں تو ''لِلّٰهِ'' بچا، وہ بھی اللہ رب العزت کی طرف اشارہ کرتا ہے ''لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' اگر ایک اور لام بھی ہٹادیں تو ''لَهٗ'' باقی بچا، اس کا اشارہ بھی اللہ کی طرف ''لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' اور اگر ایک اور لام بھی ہٹادیں تو ''ہٗ'' باقی بچا تو ''ہٗ'' کا اشارہ بھی اللہ کی طرف، تو معلوم ہوا کہ اس قدر خوبصورت نام ہے کہ الگ الگ حروف بھی کریں تو ہر حرف اسی ذات کی طرف دال ہے۔ پھر اس نام پہ نقطہ بھی کوئی نہیں ہے، جیسے اللہ رب العزت کو شرک پسند نہیں تو نام پہ بھی کوئی نقطہ نہیں لگنے دیا۔

ایک علمی نکتہ

طلبہ کے لئے ایک علمی نکتہ کہ لفظ اللہ کی اضافت کسی دوسرے کی طرف نہیں ہوسکتی، کیونکہ اضافت نقص کی دلیل ہوتی ہے، ہاں باقی اسماء کی اضافت اللہ کے اسم کی طرف ہوسکتی ہے، جیسے بیت اللہ، کتاب اللہ، عبداللہ۔

ہر چیز سے پہلے اللہ اور ہر چیز کے بعد بھی اللہ

یہ ایسا نام ہے کہ بچہ اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں سب سے پہلے اللہ کا نام پڑتا ہے، سنت یہی ہے کہ اس کے دائیں کان میں اذان دیں اور بائیں میں اقامت، تو اللہ کا نام دونوں کانوں میں پہنچ رہا ہے۔ پھر یہ نام انسان کی زندگی کا آخری نام ہوتا ہے، ہم یہ تمنا کرتے ہیں کہ ہماری موت کلمہ پر آئے تو کلمہ پڑھے تو آخر میں آئے گا" لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ " پورا کلمہ" مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ " اس کا مطلب کہ آخری لفظ جو زبان سے نکلے وہ بھی اللہ کا نام ہونا چاہئے۔ اور حدیث مبارک میں ہے کہ اگر کسی کا بچہ ہو بیٹا یا بیٹی اور ماں باپ اس بچے کو اللہ کا لفظ سکھائیں اور وہ بچہ جب بولنا شروع کرے تو سب سے پہلے اللہ کا لفظ اس کی زبان سے نکلے، اس عمل پر اللہ ماں اور باپ کے پچھلے سب گناہوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ اذان کی ابتداء اللہ کے لفظ سے اور اذان کی انتہاء بھی اللہ کے لفظ سے۔ نماز کی ابتداء اللہ کے لفظ سے اور نماز کی انتہاء بھی اللہ کے نام پر۔ یہ کیا خوبصورت نام ہے جو اللہ رب العزت نے اپنی ذات کے لئے پسند فرمایا۔

لفظ اللہ میں تلفظ کی آسانی

اس میں ایک خوبصورت بات یہ بھی ہے کہ حرکتیں تین طرح کی ہوتی ہیں، فتحہ، ضمہ، کسرہ، اور قراء حضرات جانتے ہیں کہ فتحہ، جس کو زبر کہتے ہیں، یہ اخف الحرکات ہے، ادا کرنے میں سب سے آسان فتحہ ہے، آپ غور کریں کہ بچہ جب بولنا سیکھتا ہے تو سب سے پہلے ابا اما بولتا ہے، ایسے ہی اللہ کا لفظ سیکھنا سب سے زیادہ اس کے لئے آسان ہے۔ اللہ رب العزت نے اس لفظ کو اتنا آسان کردیا کہ بڑی عمر کا آدمی لے تو صحیح بولے گا، چھوٹا بچہ جو بولنا سیکھتا ہے، وہ بھی اس لفظ کو سب سے پہلے لے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذاتی وصفاتی ناموں میں فرق

ہاں ایک فرق ہے، علماء نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے جتنے صفاتی نام ہیں، وہ سب تخلّق کے لئے ہیں اور اسم ذات تعلّق کے لئے ہے، اس لئے فرمایا" تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰہ " کہ

باقی ناموں سے تم اپنے اخلاق کو مزین کرو، لیکن جو اسمِ جلالہ ''اللہ'' ہے یہ تعلق کے لئے ہے، ذات کا نام ہے۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم میں اللہ رب العزت نے ذاتی نام بھی استعمال فرمایا، صفاتی نام بھی استعمال فرمایا، لیکن تعوّذ (أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطانِ الرَّجِیم) میں کوئی صفاتی نام استعمال نہیں کیا، صرف اسم جلالہ ''اللہ'' صفاتی نام بھی یہاں ہوسکتا تھا، اس پر مفسرین نے اس میں نکتہ لکھا کہ اللہ رب العزت کی شیطان کے ساتھ ذاتی عداوت ہے، اس ذاتی دشمن سے بچنے کے لئے جب اللہ کا بندہ اللہ کو پکارتا ہے تو وہ فرماتا ہے تو میرا نام لے کر مجھے پکارو، میں تیری اس سے حفاظت فرمادوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بھی برکت والی، فرمایا: ''تَبَارَکَ الَّذِی بِیَدِہِ الْمُلْکُ'' برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں یہ ملک ہے، اور اللہ کا نام بھی برکت والا ہے، قرآن مجید میں فرمایا: ''تَبَارَکَ اسْمُ رَبِّکَ'' برکت والا نام ہے تیرے رب کا، اس نام کی اتنی برکتیں ہیں سبحان اللہ، چنانچہ بسم اللہ کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ''اللہ کے نام کے ساتھ''، مگر مفسرین نے لکھا کہ اسم کا لفظ عربی میں کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک معنیٰ اس کا برکت ہے، تو پھر بسم اللہ کا معنی بنے گا: ''اللہ کی برکت کے ساتھ''۔ ہم اپنے گھر کی بڑی عورتوں کو سنا کرتے تھے کہ بیٹھتیں اٹھتیں تو زبان سے نکلتا تھا: اللہ کی برکت کے ساتھ، یہ اصل میں ان کو کسی نے بسم اللہ کا ترجمہ سکھادیا تھا، عربی لفظ تو زبان پہ چڑھنا مشکل ہوتا تھا، تو اٹھتے بیٹھتے ''اللہ کی برکت'' ''اللہ کی برکت'' کہتی تھیں، وہ اصل میں بسم اللہ کہہ رہی ہوتی تھیں، اس لئے بسم اللہ ہر اچھے کام کے شروع میں کرنا چاہئے۔ کھانے کی ابتداء بسم اللہ سے کرنی چاہئے، حدیث پاک میں دعا آئی ہے: ''بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہ''۔ سواری میں بیٹھنا ہو تو ''بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَمُرۡسٰىہَا اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ'' پڑھیں۔

بسم اللہ کی کثرت سے جہنم سے حفاظت

یہاں مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا، وہ فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے پوری آیت نہیں عطا کی تھی، صرف ''بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَمُرۡسٰىہَا'' دو لفظ عطا فرمائے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کے الفاظ میں اتنی برکت تھی کہ اللہ نے پورے طوفان

سے بچا کر نوح کی کشتی کو کنارے لگا دیا، اے مومن! اگر تو اپنی زندگی میں پورے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے لفظ کو کثرت سے استعمال کرے گا تو اللہ تیرے ایمان کی کشتی کو پل صراط سے کنارے لگا دے گا، دو لفظوں سے دنیا کے طوفان سے حفاظت اور پوری آیت سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جہنم سے حفاظت فرمائیں گے۔

بسم اللہ میں تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ

علماء نے لکھا ہے کہ جتنی آسمانی کتابیں آئیں، ان کا نچوڑ اور ان کا خلاصہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں عطا فرما دیا، پھر جو کچھ قرآن مجید میں ہے اس کا خلاصہ سورۂ بقرہ میں عطا فرما دیا، اور جو سورۂ بقرہ میں ہے اس کا خلاصہ اللہ رب العزت نے سورۂ فاتحہ میں عطا فرما دیا، اور جو کچھ سورۂ فاتحہ میں ہے اس کا خلاصہ بسم اللہ میں عطا فرما دیا، اور بسم اللہ کا خلاصہ اس کے پہلے حرف ''ب'' میں عطا فرما دیا، اور ''ب'' کا معنی ہوتا ہے جوڑنا، گویا تمام آسمانی کتابوں کا لبِّ لباب یہ تھا کہ مخلوق اپنے خالق کے ساتھ جڑ جائے۔

لفظ اللہ نے زمین و آسمان کو سنبھالا ہوا ہے

یہ اس قدر خوبصورت نام ہے کہ حدیث مبارک ہے: ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اَللّٰہ اَللّٰہ'' اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو سکتی جب تک زمین میں ایک آدمی بھی اللہ اللہ کہنے والا باقی رہے۔ یہاں محدثین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لفظ نے اس زمین و آسمان کو سنبھالا ہوا ہے، اتنا بابرکت لفظ ہے کہ جب تک یہ لفظ دنیا میں ہے قیامت نہیں آسکتی، اگر اللہ کا لفظ دنیا میں ہے تو قیامت نہیں آسکتی، تو جس بندے کے دل میں یہ اللہ کا نام ہوگا، اس بندے کے دل میں بھی ایسی مصیبتیں نہیں آسکتیں۔

ایک مرتبہ اللہ کہنے کا اثر ۴۰ سال تک

ایک حدیث مبارک میں ہے کہ اسرافیلؑ صور پھوکیں گے، جس کی وجہ سے پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ ختم فرمادیں گے، مگر ان کو یہ حکم ہے کہ اگر تم میری مخلوق میں سے کسی کی

زبان سے میرا نام سنو تو تم صور نہیں پھونک سکتے۔اور حدیث مبارک میں ہے کہ جب آخری بندہ آخری مرتبہ اللہ کا نام لے گا تو اس نام کو سننے کے ۴۰ سال کے بعد پھر وہ صور پھونکنا شروع کریں گے، گویا اللہ کا لفظ ایک دفعہ کہنا اتنی قوت رکھتا ہے کہ صور پھونکنے والے فرشتے کو ۴۰ سال انتظار کرنا پڑتا ہے،اس نام کی برکتوں کی کیا انتہاء ہے۔

اللہ کے نام کی برکتیں

اس نام کے ذریعہ سے بیوی حلال ہو جاتی ہے،آپ غور کریں ایک بچہ ایک بچی دونوں آپس میں غیر محرم ہیں، آنکھ اٹھا کے دیکھنا حرام، مگر اللہ کے نام پر ان دونوں کا رشتہ جوڑا جاتا ہے "یَاأَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَۃٍ وَخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَنِسَآءً وَاتَّقُوا اللہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْأَرْحَامَ" اللہ کا نام کتنا پیارا ہے کہ اس نام کی برکت سے یہ رشتہ جڑ گیا، جو غیر محرم تھی، جس پر ایک نظر ڈالنا حرام تھا،اب وہ زندگی کی ساتھی سب اپنوں سے بڑی اپنی بن گئی۔ اور اللہ ہی کے نام کے ساتھ انسان کے لئے گوشت حلال ہوتا ہے،بکری کو ذبح کرنا چاہیں تو فرمایا: "لَا تَأْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللہِ عَلَیْہِ" اگر ویسے ہی مر جائے تو حرام ہے، نہیں کھا سکتے۔غور کیجئے کہ اللہ رب العزت کے نام میں کتنی برکت ہے۔جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث مبارک روایت کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے عزت وجلال کی قسم کھا کے کہا کہ جس چیز پر میرا نام لیا جائے گا میں اس میں برکت اور رحمت عطا کروں گا۔

تین موقعوں پہ شیطان بہت زیادہ رویا

علماء نے لکھا ہے کہ تین ایسے مواقع تھے کہ شیطان بہت زیادہ رویا،نیکوں کے اعمال دیکھ کے وہ روتا تو رہتا ہی ہے،مگر تین مواقع ایسے تھے کہ بہت زیادہ رویا،سب سے پہلے جب اللہ رب العزت نے فرمایا "فَاخْرُجْ مِنْھَا فَإِنَّکَ رَجِیْمٌ" اور فرشتوں کی جماعت سے جدا ہوا،اس وقت بہت زیادہ رویا، دوسرا موقع جب اللہ رب العزت کے پیارے حبیب ﷺ دنیا میں تشریف لے آئے، جب محبوب ﷺ کی ولادت باسعادت

ہوئی تو اس موقع پہ بہت رویا کہ رحمۃ للعالمین اب دنیا میں تشریف لے آئے۔ اور تیسرا موقع جب اللہ رب العزت نے سورۂ فاتحہ کو اتارا، وہ اتنی بابرکت سورہ تھی کہ شیطان بہت زیادہ رویا۔

ایک علمی نکتہ

مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف کو گنیں تو ۱۹ حروف بنتے ہیں، اور جہنم کے اوپر جو فرشتے متعین ہیں وہ بھی ۱۹ ہیں، تو جو بندہ اپنی زندگی میں بسم اللہ کی کثرت کرے گا، ان کو اللہ ان ۱۹ فرشتوں والے جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمائیں گے۔

لفظ اللہ کے پڑھنے میں سیکڑوں فائدے

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ اللہ کے بہت زیادہ فائدے بتلائے ہیں، فرمایا: ''فما ذُكِرَ هٰذَا الْاِسْمُ فِیْ قَلِیْلٍ اِلَّا كَثَّرَهٗ'' یہ لفظ تھوڑی چیز پر اگر پڑھا جائے تو اللہ اس کو بڑھا دیتے ہیں ''وَلَا عِنْدَ خَوْفٍ اِلَّا أَزَالَهٗ'' خوف کی حالت میں اللہ کا لفظ کہا جائے تو یہ خوف کو دور کر دیتا ہے ''وَلَا عِنْدَ كَرْبٍ اِلَّا كَشَفَهٗ'' اور پریشانی کے عالم میں اگر اس کا نام لیا جائے تو پریشانی ختم ہو جاتی ہے ''وَلَا عِنْدَ هَمٍّ وَغَمٍّ اِلَّا فَرَّجَهٗ'' ہم اور غم کے حالات میں پڑھا جائے تو اللہ اس غم کی حالت کو ختم کر دیتے ہیں ''وَلَا عِنْدَ ضِیْقٍ اِلَّا وَسَّعَهٗ'' تنگی کی حالت میں پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ تنگی میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں ''وَلَا تَعَلَّقَ بِهٖ ضَعِیْفٌ اِلَّا أَفَادَهُ الْقُوَّةَ'' اور جب کمزور بندہ اللہ کے نام سے رشتہ جوڑ لیتا ہے تو اللہ اس کمزور کو قوی بنا دیتے ہیں ''وَلَا ذَلِیْلٌ اِلَّا أَنَالَهُ الْعِزَّ'' اور کوئی آدمی پست ہوتا ہے اگر وہ اس نام کے ساتھ تعلق کو جوڑ لیتا ہے، تو اللہ اس کو عزت عطا فرما دیتے ہیں ''وَلَا فَقِیْرٌ اِلَّا أَصَارَهٗ غَنِیًّا'' فقیر اگر اس نام کو کثرت سے لیتا ہے اللہ اس کو غنی بنا دیتے ہیں ''وَلَا مُسْتَوْحِشٌ اِلَّا آنَسَهٗ'' پریشان حال اگر اس نام کو لیتا ہے اللہ اس کے دل کی تسکین عطا فرما دیتے ہیں ''وَلَا مَغْلُوْبٌ اِلَّا أَیَّدَهٗ وَنَصَرَهٗ'' مغلوب اگر اللہ کا نام لیتا ہے تو اللہ بندے کو غالب فرما دیتے ہیں، اور مدد کر دیتے

ہیں" وَلَا مُضْطَرٌ اِلَّا کَشَفَ ضُرَّہٗ "مضطرب آدمی اگر اس کو لیتا ہے، اللہ اضطراب کو دور فرمادیتے ہیں، پھر آگے لکھتے ہیں" وَھُوَ الاسمُ الَّذِیْ تُکْشَفُ بِہٖ الکُربَاتُ وَتُسْتَنْزَلُ بِہٖ البَرَکَاتُ وَتُجَابُ بِہٖ الدَّعَوَاتُ "یہ وہ لفظ ہے جس سے کہ پریشانیاں دور ہوتی ہیں، برکات اترتی ہیں اوردعائیں قبول ہوتی ہیں" وَتُقَالُ بِہٖ العَثَرَاتُ "لغزشوں سے اللہ تعالیٰ درگذرفرمادیتے ہیں" وَتُسْتَدْفَعُ بِہٖ السَّیِّئَاتُ" خطاؤں کواللہ تعالیٰ مٹادیتے ہیں "وَتُسْتَجْلَبُ بِہٖ الحَسَنَاتُ" یہ لفظ نیکیوں کو کھینچ لیتا ہے" وھو الاسمُ الذی قامتْ بِہٖ الاَرْضُ وَالسَّمٰوٰتُ" یہ وہ نام ہے جس پر زمین اورآسمان قائم ہیں، "وَبِہٖ اُنْزِلَتِ الکُتُبُ "اس نام کے ساتھ کتابیں نازل ہوئیں" وَبِہٖ اُرْسِلَتِ الرُّسُلُ "جس کے نام کے ساتھ رسول بھیجے گئے" وَبِہٖ شُرِعَتِ الشَّرَائِعُ "جس نام پر شریعتیں نازل ہوئیں" وبہ انْقَسَمَتِ الخَلِیقَةُ اِلَی السُّعَدَاءِ وَالْاَشْقِیَاءِ "یہ اللہ کا وہ نام ہے کہ جس نام کو لینے والے وہ سعید ہوتے ہیں، جونام سے محروم ہوتے ہیں وہ شقی ہوتے ہیں، تو یہ شقی اورسعید کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے، لہٰذا اس نام کو ہم جتنا زیادہ لیں اتنا کم ہے۔

قرآن کریم میں لفظ اللہ کی کثرت

قرآن مجید کی ایک آیت ہے جس کا نام ہے" سورۂ مجادلہ" اس کی ہر ہر آیت میں اللہ رب العزت کا نام ہے، سورت کی جتنی آیات ہیں؛ ہر آیت میں اللہ کا نام ہے۔ اور پھر بعض آیات ایسی ہیں جن میں ایک مرتبہ اللہ کا نام ہے، بعض آیات میں دومرتبہ اللہ کا نام ہے جیسے" یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ○ "بعض آیات میں تین مرتبہ اللہ کا نام ہے مثلاً" یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ "بعض آیات میں ۴ مرتبہ اللہ کا نام آیا ہے" تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ○'' اس آیت میں ۴ مرتبہ اللہ رب العزت کا نام آیا ہے۔ اور بعض آیات میں ۵ مرتبہ اللہ رب العزت کا نام ہے ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ○'' اس آیت کے اندر پانچ مرتبہ اللہ رب العزت کا نام اسم اللہ آیا ہے۔

کیا اسم اعظم لفظ ''اللہ'' ہے؟

احادیث میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت کا ایک نام ایسا ہے جس کو اسم اعظم کہتے ہیں، چنانچہ عوام الناس کو بھی اس کی بڑی فکر رہتی ہے، شوق رہتا ہے کہ ہمیں اسم اعظم کا پتہ چل جائے اور مفسرین نے اس پر بڑی تفصیل لکھی ہے، اگر بہترین تفسیر پڑھنی ہو تو تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر عجیب کلام کیا ہے، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے، وہ لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ تھا کہ لفظ اللہ یہ اسم اعظم ہے، بعض حضرات ''یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ'' کو اسم اعظم کہتے ہیں، مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کا نام جو اللہ ہے یہ اسم اعظم ہے۔

لفظ اللہ کی تاثیر

فرماتے ہیں کہ اسم اعظم یہی ہے، مگر لینے والی زبان کا فرق ہے، مثال کے طور پر آپ اگر اسکول میں کسی بچے کو شرارت کرتے دیکھیں اور آپ بچے کو کہیں کہ میں نے تمھیں اسکول سے نکال دیا، تو وہ بالکل نہیں نکلے گا، بلکہ آپ کو پوچھے گا کہ آپ ہوتے کون ہیں مجھے نکالنے والے؟ اور اگر اسکول کے پرنسپل اس کو کوئی الٹا کام کرتے دیکھیں اور وہ کہہ دیں کہ میں نے تمھیں اسکول سے نکال دیا تو وہ نکل جائے گا، یہی الفاظ ہم نے کہے تو بچہ نہیں نکلا، یہی الفاظ پرنسپل نے کہے تو بچہ اسکول سے نکل گیا، تو معلوم ہوا کہ انسان اللہ رب العزت کی

عبادت کرتے کرتے ایک ایسے مقام پہ پہنچ جاتا ہے اللہ اسکو Range (طاقت) ایسا دے دیتے ہیں کہ جب اس کی زبان سے اللہ کا لفظ نکلتا ہے تو اللہ اس کی دعاؤں کو قبول فرما لیتے ہیں، لفظ یہی ہوتا ہے، مگر لینے والی زبان میں فرق ہوتا ہے۔

چنانچہ واقعات میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے، ایک کافر آگیا، اس کے ہاتھ میں تلوار تھی، اس نے سوچا کہ میں موقع سے فائدہ اٹھاؤں، جب ذرا قریب آیا تو نبی ﷺ بیدار ہوئے، اس وقت وہ کہنے لگا "مَنْ يَعْصِمُكَ مِنِّيْ" آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ حدیث مبارک میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ"، اس لفظ کا لینا تھا کہ اس بندے کے اوپر ایسا خوف طاری ہوا کہ اس کے ہاتھ سے وہ چیز گر گئی، نبی ﷺ نے اٹھالیا، فرمایا کہ اب تجھے کون بچائے گا؟ تو منتیں کرنے لگا کہ آپ تو بہت کریم ہیں، بہت محسن ہیں تو۔ معلوم ہوا کہ اگر ایسی زبان سے لیا جائے جو سچ بولنے والی ہو تو اللہ رب العزت کے نام کے اندر برکت ہے، اور جھوٹی زبانوں سے اگر ہم یہ نام لیں گے تو اس کی برکات ظاہر نہ ہوں گی۔

چنانچہ ایک شہر تھا، جس کا نام تھا "دربند" جب تاتاریوں سے فتح پائی تو وہ اس میں داخل ہوئے، شہر کے سارے لوگوں نے شہر خالی کر دیا تو تاتاری شہزادے نے خوش ہو کے کہا کہ ہمارا کتنا رعب ہے، کتنا خوف ہے کہ لوگ شہر خالی کر کے پہلے ہی چلے گئے، کسی نے کہا نہیں جناب! مسجد میں ایک بڑے میاں ہیں بیٹھے ہوئے ہیں، اس نے کہا: گرفتار کر کے پیش کرو، چنانچہ اس کو گرفتار کر کے ہتھکڑیاں لگا کے پیش کیا گیا، تاتاری شہزادے نے پوچھا کہ باقی سب لوگ یہاں سے بھاگ گئے جان کا خوف تھا، تمہیں نہیں تھا؟ انھوں نے کہا کہ خوف تو تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا اللہ مجھے بچائے گا، کہا کہ کون بچائے گا؟ جب اس نے یہ کہا کہ تجھے کون بچائے گا تو سید احمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ نے ہتھکڑیاں پہنی ہوئی تھیں، فرمایا: اللہ، اور اس لفظ کے لینے سے ہتھکڑیاں ٹوٹ کر نیچے گر گئیں، اس لفظ کے اندر ایسی برکت ہے۔

چنانچہ ہمارے علاقے میں حضرت خواجہ غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں، ان کے متعلق ہزاروں لوگ گواہ ہیں کہ اگر کسی کافر کی طرف بھی رخ کر کے اللہ کا لفظ کہہ دیتے تھے تو وہ فوراً کلمہ پڑھ لیتا تھا، ایسی ان کی زبان میں تاثیر تھی کہ دوسروں کے دل میں اللہ کا لفظ اتر جایا کرتا تھا۔ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اللہ کا نام اتنا بابرکت ہے کہ اگر کسی شخص نے پوری زندگی میں ایک مرتبہ محبت کے ساتھ اللہ کا لفظ لیا ہوگا تو یہ لفظ کبھی نہ کبھی اس کے لئے جہنم سے نکلنے کا سبب بن جائے گا۔

اللہ کے نام میں دلوں کی تسکین

اس لئے اس نام میں تسکین ہے، سکون ہے، فرمایا "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" جان لو! اللہ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان ہوتا ہے

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

کتنی تسکین ہے وابستہ تیرے نام کے ساتھ
نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

اسی لئے مومن جب اللہ کا نام سنتا ہے تو اس کا دل گدگدا جاتا ہے، فرمایا: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ" ایمان والے وہ بندے ہیں جن کے سامنے اللہ کا نام آتا ہے تو تڑپ جاتے ہیں:

ایک دم سے محبت چھپ نہ سکی　　　جب تیرا کسی نے نام لیا

ماں کے سامنے اس کے بیٹے کا بھی نام لیں تو ماں فوراً متوجہ ہوتی ہے، اس کا نام اچھا لگتا ہے، اسی طرح اللہ والوں کو اللہ کا نام بھی اچھا لگتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ" تم اپنے رب کے نام کو یاد کرو، اب ہمارے رب کا ذاتی نام اللہ ہے، تو اللہ کے نام کا ہم ذکر کریں، جتنا بھی کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ

فَصَلّٰی'' اسم رب اللہ کا ذکر کرے، ایک جگہ فرمایا: ''فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ'' تو اللہ کا نام جتنا ہم اپنے دلوں میں گذاریں اتنا ہمارے لئے یہ تسکین کا باعث ہوتا ہے۔

اللہ کے نام کی لذت

کسی عارف نے کہا:

اللہ اللہ ایں چہ شیریں ہست نام　　　　شیر و شکر می شود جانم تمام

یہ اللہ اللہ اتنا شیریں لفظ ہے کہ جب میں لیتا ہوں تو میرے تن بدن میں اس طرح مٹھاس آتی ہے جیسے چینی کے ملانے سے پورا کا پورا دودھ میٹھا ہوجایا کرتا ہے، اللہ کیسا پیارا نام ہے، عاشقوں کا مینا اور جام ہے۔

اللہ کے نام کی لذت کی ایک دلچسپ مثال

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے، ایک مرتبہ ان کے پاس ایک فلاسفر بوعلی سینا آئے تو حضرت نے اپنی مجلس میں اسمِ ذات کے کچھ فضائل بیان کرنا شروع کئے کہ اس سے پریشانیاں دور ہوتی ہیں، دلوں کو سکون ملتا ہے، برکت ہوتی ہے، خوب فضائل بیان کئے اور پھر فرمایا کہ اس نام سے انسان کے اندر ایک چاشنی آجاتی ہے، اب وہ عقلی انسان تھا مجلس کے بعد کہنے لگا: حضرت! اس ایک لفظ میں یہ سارا کچھ؟ حضرت نے فرمایا: اے خر تو چہ دانی؟ ''ابے گدھے! تو کیا جانے یہ باتیں'' اب جب بھری مجلس میں گدھا کہا گیا تو ان کے تو پسینے چھوٹ گئے، یہ تو ایک Public insult (سرعام بے عزتی) ہے، اب حضرت نے دیکھا کہ پسینے آرہے ہیں اور ''بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں'' تو حضرت نے پوچھا حکیم صاحب! کیا ہوا؟ حضرت! آپ نے لفظ ہی ایسا بولا، حضرت نے کہا کہ دیکھو! میں نے ایک لفظ گدھا بولا اور اس نے تن بدن میں تبدیلی پیدا کر کے رکھ دی، کیا اللہ کا لفظ انسان کے اندر تبدیلی نہیں پیدا کرسکتا؟

اور ہم اپنی زندگی میں اس کا تجربہ کرتے ہیں وہ اس طرح کہ ذرا اَچار کا نام لیجئے

دیکھو منہ میں پانی آتا ہے کہ نہیں؟ مٹھاس کا نام لو، کھٹاس کا نام لو، فوراً طبیعت متوجہ ہوتی ہے، للچاتی ہے، تو اگر اچار، کھٹاس اور مٹھاس کا نام تاثیر چھوڑتا ہے تو اللہ کے نام میں بھی تو تاثیر ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہمارے دل کے اوپر غفلت کا پردہ ہوتا ہے، دل اس کو محسوس نہیں کر پاتا، جب وہ غفلت کا پردہ اتر جاتا ہے تو پھر اللہ کا نام انسان کو گدگدا دیتا ہے۔ ماں کتنی تھکی ہوئی کیوں نہ ہو، بہت بھوک لگی ہو، ذرا لقمہ توڑا کر کھانا کھاؤں اور دوسرے کمرے سے بچے نے کہا: امی امی! تو کیا ماں بیٹھی رہے گی؟ اسی وقت پہنچے گی جیسے بجلی اس کے جسم میں آگئی، تو اگر امی کا لفظ بولنے سے ماں متوجہ ہوتی ہے تو مومن جب محبت کے ساتھ اللہ کا لفظ بولتا ہے تو مالک الملک کی رحمت متوجہ ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب مل گئے، جن کی طبیعت ذرا خشک ناگوار سی تھی، کہنے لگے ”دیکھو! آپ تو بس ہر وقت اللہ اللہ ہی کرتے رہتے ہیں، اس کے علاوہ آپ کو کچھ کام ہی نہیں“ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کے میں نے کہا: آپ کا احسان ہوگا قیامت کے دن یہی گواہی دے دینا کہ یہ شخص دنیا میں بس اللہ اللہ ہی کرتا رہتا تھا، کیا یہ چھوٹی بات ہے کہ ہر وقت انسان کا دل اللہ رب العزت کی طرف متوجہ رہے؟ ہاں پانی کا نل اگر لیک ہوا اور ایک ایک قطرہ گرتا رہتا ہو تو ہم نے دیکھا کہ نیچے سیمینٹیا ماربل ہو اس میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے، اس کی وجہ کیا بنی؟ اس کی وجہ یہ بنی کہ متواتر وہ قطرہ گرتا رہا، گرتا رہا، اس نے پتھر میں بھی اپنا راستہ بنا لیا۔ بالکل اسی طرح ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جب اللہ اللہ کا لفظ تواتر کے ساتھ انسان کے دل پر پڑتا رہتا ہے، تو یہ دل میں بھی اپنا راستہ بنا لیا کرتا ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ کے نام کی لذت

شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، ان کا واقعہ عجیب ہے، یہ شروع میں نہاوند کے علاقہ کے گورنر تھے، ایک مرتبہ بادشاہ نے سارے گورنروں کو بلایا کہ میں ان میں سے اچھے کام کرنے والوں کا اعزاز کروں گا، تاکہ جو دوسرے ہیں وہ خود بخود ذرا سمجھ جائیں، عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے، تو جتنے بھی گورنر تھے وہ آئے، بادشاہ نے ان کو خلعت پیش کی، اس زمانے

میں خلعت ایک Honour (اعزاز) تھا، اس کی خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ جس کو بادشاہ دے دیتا تھا، اس کو بادشاہ کے پاس آنے کے لئے کسی حاجب اور دربان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، وہ جب چاہتا تھا، آجاتا تھا، وہ گرین کارڈ ہوتا تھا، بادشاہ سے ملنے کے لئے تو بڑی اس کی عزت ہوتی تھی، تو بادشاہ نے سب کو وہ پوشاک دی اور کہا کہ میں کل اس خوشی میں آپ سب لوگوں کی دعوت کروں گا، اگلے دن دعوت ہوئی، پھر مجلس لگی، اللہ کی شان دیکھیں کہ باشاہ صاحب بات کر رہے تھے، لوگ توجہ سے سن رہے تھے، ان میں ایک صاحب ایسے تھے، جن کو چھینک آنی چاہ رہی تھی اور وہ اس کو دبا رہے تھے کہ نہ آئے، کیونکہ مجلس میں چھینک آئے تو ذرا بدمزگی سی ہوجاتی ہے، تو وہ دبا رہے تھے، لیکن اچانک ان کو دو تین مرتبہ متواتر چھینک آ گئی، سب نے ان کی طرف دیکھا، اب چھینک آئی تو ناک سے کچھ پانی بھی نکل آیا، اب وہ ٹشو پیپر کا زمانہ نہیں تھا، اور ان کے پاس کوئی اور کپڑا بھی نہیں تھا، انھوں نے ہاتھ سے پانی کو صاف تو کیا، مگر ہاتھ یوں کپڑے پہ صاف کر لیا اور عین جب انھوں نے وہ پانی کپڑے پہ صاف کیا تو بادشاہ کی ان پر نظر پڑ گئی، بادشاہ کو غصہ ہوا، کہ تم نے میری دی ہوئی پوشاک کے ساتھ اتنی بے قدری کا معاملہ کیا؟ اس نے حکم دیا کہ میرے خادم آئیں اور اس سے پوشاک چھین لیں اور اس کو میرے دربار سے دھکے دے دیں، اب اتنا معزز آدمی اور اس کی اس طرح Public insult (سرِ عام ذلیل) کر کے نکال دیا جائے تو اس کا تو مستقبل ہی ختم ہوگیا، باقی لوگ جو لوگ تھے وہ بڑے پریشان ہوئے کہ یہ کیا ہوگیا کہ بادشاہ اتنا غصہ ہوگیا، وزیر سمجھدار تھا، اس نے کہا: بادشاہ سلامت! مجلس برخاست کر دیجئے، مجلس برخاست ہوگئی، تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی آیا، اس نے یہ پیغام بھیجا کہ میں بادشاہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں، بادشاہ نے بلالیا، اس نے آ کر کہا کہ میں نہاوند کے علاقے کا گورنر ہوں، میں صرف اتنا پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ کیا چھینک اختیار سے آتی ہے یا بے اختیار آ جاتی ہے؟ تو بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ مجھ سے Question (سوال) کر رہا ہے، اس نے کہا: تم کو مجھ سے ایسی بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اس نے کہا: بادشاہ سلامت! مجھے ایک بات آج سمجھ میں آ گئی کہ آپ نے کسی کو خلعت دی اور وہ بندہ اس کی عزت نہ کر سکا تو بھرے دربار میں آپ نے

اس کو دھکا دے دیا، مجھے بھی میرے مالک نے انسانیت کی خلعت پہنا کر بھیجا ہے، اگر میں دنیا میں اس کا اکرام نہیں کروں گا، تو پھر قیامت کے دن اللہ بھی مجھے دھتکار دے گا، آپ کی یہ گورنری پڑی ہے، میں جاتا ہوں اور پہلے میں اپنے اللہ کی بندگی کرتا ہوں، یہ آدمی سوچنے لگا کہ میں کہاں جاؤں، سوچا کہ میں سراج رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتا ہوں وہ ایک بزرگ تھے، جا کے کہنے لگا کہ حضرت! میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں کہ میرے دل میں نور آجائے، انھوں نے دو دن میں پہچان لیا کہ طبیعت تو بہت تیز ہے، یہ میرے قابو میں نہیں آئے گا، انھوں نے کہا کہ جاؤ جنید بغدادی کے پاس، یہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آگئے، جنید بغدادیؒ نے ان کی خوب تربیت فرمائی اور آخر دو تین سال کے بعد ان کی طرف سے اجازت اور نور نسبت نصیب ہوگئی، اب اس اللہ کے بندے پر اللہ کی محبت کا عجیب غلبہ تھا، چونکہ قربانی بڑی دی تھی، اتنے بڑے عہدے کو اللہ کی خاطر لات ماری تھی، ان کے دل میں اللہ کی اتنی محبت تھی کہ ان کے سامنے کوئی بندہ اللہ کا نام لیتا تھا تو یہ جیب میں ہاتھ ڈالتے تھے، یہ ان کی کرامت تھی کہ جیب میں سے گڑ کی ڈلی نکالتے تھے اور اس بندے کو کھانے کے لئے دے دیتے تھے، پھر کوئی اللہ کا نام لیتا پھر اس کو گڑ کی ڈلی دیتے، تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا معاملہ کہ جو اللہ کا نام لے اس کو گڑ کھانے کو دیتے ہیں؟ کہنے لگے کہ جس منہ سے میرے محبوب کا نام نکلے، اس منہ کو میٹھا اس سے نہ بھر دوں تو اور کیا کروں، دل میں کتنی محبت ہوگی؟

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق مع اللہ

ان کے بارے میں تذکرۃ الاولیاء میں بڑے واقعات لکھے ہیں، لیکن اس طرح کے واقعات کو بیان کرنے سے میری طبیعت بہت گھبراتی تھی، مگر ایک واقعہ حضرت مولانا محمد اسلم ملتانی نے رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں سنایا، اس کے بعد ہمیں بھی جرأت ہوگئی، فرمانے لگے کہ ان کا اللہ کے ساتھ ایسا عجیب تعلق تھا کہ جیسے پیارے ایک دوسرے کے ساتھ خوش طبعی کرتے ہیں، اللہ رب العزت کا ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا، چنانچہ ایک دفعہ وضو کر کے مسجد کی طرف جا رہے تھے، الہام ہوا: ''شبلی! ایسا گستاخانہ وضو کر کے میرے گھر

کی طرف جا رہے ہو؟'' یہ الہام جیسے ہوا شبلیؒ واپس چلے کہ پھر سے وضو کر کے آتا ہوں، پھر الہام ہوا: ''شبلی! ہمارے در سے پیٹھ پھیر کے کہاں جاؤ گے؟'' تو شبلیؒ نے زور سے اللہ کا نام لیا، پھر الہام ہوا: ''شبلی! تو ہمیں اپنا جذبہ دکھاتا ہے؟'' اب چپ ہو گئے، پھر الہام ہوا: ''شبلی! تو ہمیں اپنا صبر دکھاتا ہے؟'' اللہ کا ان کے ساتھ ایسا محبت کا معاملہ تھا، مگر جو بتانے والی بات ہے وہ بہت عجیب ہے: کہ ایک مرتبہ اللہ رب العزت نے الہام فرمایا کہ ''شبلی! کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرے عیبوں کو لوگوں پر ظاہر کردوں کہ تجھے دنیا میں کوئی منہ لگانے والا نہ رہے؟'' تو کتاب میں لکھا ہے کہ فوراً عرض کیا کہ اللہ! ''کیا آپ چاہتے کہ میں تیری رحمت کو کھول کھول کے بیان کردوں کہ تجھے دنیا میں کوئی سجدہ کرنے والا ہی نہ رہے۔'' پھر الہام ہوا: شبلی! ''نہ تم میری بات کہنا، نہ میں تیری بات کہتا ہوں،'' اللہ اکبر!

رحمت الٰہی کی وسعت

اللہ کی رحمت اتنی زیادہ ہے کہ پوری دنیا میں جو آپ محبتیں دیکھتے ہیں، ہمدردیاں دیکھتے ہیں، یہ ایک حصہ ہیں، اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کے ہزار حصے فرمائے، ان میں سے ایک حصہ اللہ نے دنیا میں پیدا کیا، انسانوں، جانوروں اور پرندوں، سب کی آپس میں محبتیں اور ہمدردیاں اکٹھی کریں تو یہ ایک حصہ ہیں اور اللہ رب العزت کی رحمت کے نوسو ننانوے (۹۹۹) حصے قیامت کے دن ظاہر ہوں گے۔ جب انسان اللہ رب العزت کا نام کثرت سے اپنے دل میں سوچتا ہے، لیتا ہے تو دل مانوس ہو جاتا ہے، اس نام کو لینے سے دل کو راحت ہوتی ہے، پھر اللہ رب العزت کی محبت آجاتی ہے۔

محبت الٰہی کے دو دیوانے

ہمارے یہاں خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں، ان کی خانقاہ میں لوگ آکے ٹھہرتے تھے، اور اللہ اللہ سیکھتے تھے، دو بوڑھے میاں دونوں سفید ریش، تہجد کے

پابند، متبعِ سنت، ورع اور تقویٰ کی زندگی گذارنے والے تھے، ایک مرتبہ مسجد کے صحن میں ایک دوسرے کو پکڑ کے جھنجھوڑ رہیں، دیکھنے والا حیران کہ یہ دونوں اتنے بزرگ آدمی یہ کیا ہوا، جب وہ قریب ہوا تو حیران ہوا کہ اصل میں ان میں سے کسی ایک نے کہہ دیا تھا کہ اللہ میرا ہے، اللہ میرا ہے، اور دوسرا اس بات کو سن کے اس کو جھنجھوڑتا ہے کہ نہیں، اللہ میرا ہے، اللہ میرا ہے، دونوں اللہ کی محبت میں دیوانے ہیں، اور واقعی جب انسان اللہ رب العزت سے ایسی محبت کرتا ہے تو پروردگار اس کا بدلہ اس کی امیدوں سے بڑھ کر عطا فرماتا ہے، تبھی تو ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں باندی لے کر آیا، آنکھ کھلی تو تہجد میں وہ کہہ رہی تھی کہ ''اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم'' تو میں نے اسے ٹوکا کہ یوں نہ کہو، بلکہ یوں کہو ''اللہ! مجھے آپ سے محبت رکھنے کی قسم'' کہتے ہیں کہ وہ اس بات پہ خفا ہوئی، کہنے لگی کہ اگر اللہ کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو مجھے میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے رات کو مصلے پہ نہ بیٹھاتا، مصلے پہ بیٹھایا ہے تو آخر اللہ کو مجھ سے محبت ہے ؂

مجھ کو نہ اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں

تاروں سے پوچھ لو میری رودادِ زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

انسان کو ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ تہجد میں خود بخود آنکھ کھلتی ہے۔ تو یہ اللہ رب العزت کا ذاتی نام ہے، اس کو اسمِ ذات کہتے ہیں۔

اللہ کے صفاتی نام ''مَنّان'' کا مطلب

اب دو ناموں کی اور مختصر سی تشریح عرض کر دیں، پھر بات مکمل کریں، ایک نام ہے ''مَنّان'' یہ نام اگر بیت اللہ کی زیارت نصیب ہو تو غلافِ کعبہ کے اوپر بھی ''یاحَنّانُ

یَامَنَّانُ" لکھے ہوئے ہوتے ہیں، منان کا معنی ہوتا ہے: احسان کرنے والا، مگر علماء نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کی طبیعت ہوتی ہے کہ مانگنے والے کو مانگنے کا موقعہ نہیں دیتے، بس آثار دیکھ کے پہلے ہی دے دیتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ آپ گاڑی میں رُکے اور آپ نے ایک فقیر کو آتے ہوئے دیکھا تو آپ نے جیسے ہی دیکھا، کچھ Quoins (سکے) نکال لئے، اس نے مانگا نہیں، صرف اس کے انداز دیکھ کے آپ نے اس کو دے دیا، جس کی یہ صفت ہو اس کو منان کہتے ہیں۔ اور علماء نے لکھا ہے کہ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو امید سے بڑھ کے دے دیتے ہیں، توقع سے زیادہ دینے کی عادت ہوتی ہے، جیسے حاتم طائی کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ جناب! مجھے پانچ دینار کی ضرورت ہے، غلام کو کہا کہ اس کو پانچ سو دینار دے دو، غلام نے پیسے تو دے دئے، پھر آ کر پوچھنے لگا کہ مانگے تو اس نے پانچ تھے اور آپ نے پانچ سو کیوں دئے؟ تو حاتم طائی نے جواب دیا کہ اس نے اپنے مقام کے مناسب مانگا تھا اور میں نے اپنے حساب سے دیا تھا، تو آدمی کا اپنا بھی ایک مقام ہوتا ہے، اس کو پھر تھوڑا دیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، تو جو امید سے بڑھ کر دینے والا ہو اس کو بھی منان کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت منان ہیں، اس لئے جب بھی کوئی بندہ اللہ سے مانگتا ہے تو جتنا مانگتا ہے، اللہ اسکی امیدوں سے بڑھ کر عطا فرماتے ہیں۔

ذرا غور کیجئے گا، طلبہ کے لئے ایک دو مثالیں پیش ہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے پروردگار عالم! میں نے اپنی اولاد کو تیرے گھر کے پاس آباد کیا "وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ" ان کو کھانے کے لئے پھل عطا کیجئے۔ اب عموی طور پہ پھل درختوں پہ لگتے ہیں، اللہ رب العزت نے دعا قبول کر لی، مگر دعا کے جواب میں فرمایا کہ اے میرے ابراہیم! "یُجْبٰى اِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ" اس جگہ پر ہر چیز کا پھل پہنچے گا، "ثَمَرَاتُ اَشْجَار" نہیں کہا کہ درختوں کے پھل پہنچیں گے، حالانکہ جانتے تھے کہ مانگنے والے کا مقصود تو وہی تھا، مگر دینے والا بہت بڑا ہے، میرے خلیل! تم درختوں کے پھل

مانگتے ہو" یُجْبٰی اِلَیْہِ ثَمَرَاتُ کُلِّ شَیْئٍ " چنانچہ درختوں کے پھل تو ان کے Fruits (پھل) ہوتے ہیں اور کھیتیوں کا پھل ان کے غلہ اور سبزیاں، اور فیکٹریوں کا پھل ان کا Products (ان میں بننے والی چیزیں) ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے آج بیت اللہ کو ایسی جگہ بنا دیا کہ جو چیز جہاں کہیں بن رہی ہے، پیدا ہو رہی ہے، اللہ دنیا کی ہر چیز کو اپنے گھر میں پہنچا رہا ہے، تو مانگنے والے نے تھوڑا مانگا تھا، مگر دینے والے نے زیادہ دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف آرہے تھے، تہجد میں آنکھ کھلی، چودھویں کا چاند تھا، نور برس رہا تھا، طبیعت بہت متوجہ ہوئی اور اس میں انھوں نے سوچا کہ یہ قبولیتِ دعا کا وقت ہے، کیوں نہ میں اللہ سے اپنی مراد مانگوں، انھوں نے اللہ سے دعا مانگی "اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ قَبْرِیْ فِی بلدِ حبیبک" (اے اللہ اپنی راہ میں مجھے شہادت نصیب فرما، اور میری قبر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر یعنی مدینہ منورہ میں بنوا دیجیے) اب ذرا سوچیے کہ انھوں نے تو فقط شہادت مانگی تھی، یہ پہاڑ کی چوٹی پہ بھی مل سکتی تھی، زمین کی پستی پہ بھی، مگر نہیں، اللہ نے یہ سعادت کہاں دی؟ باوضو ہیں، مسجد نبوی ہے، مصلّٰی رسول ہے، اس کے اوپر فجر کی نماز کی امامت کروا رہے ہیں، نماز کے اندر ان کو یہ سعادت ملتی ہے، نماز کے اندر وہ زخم لگا جو شہادت کا ذریعہ بنا، پھر انھوں نے دعا مانگی تھی کہ اللہ! مجھے اپنے محبوب کے شہر میں دفن ہونے کی توفیق دینا، تو جنت البقیع میں دفن ہو جاتے، دعا پوری ہو جاتی، مگر نہیں، دینے والا بڑا ہے اور امیدوں سے بڑھ کے دیتا ہے، اللہ رب العزت نے کہاں جگہ عطا فرمائی؟ سبحان اللہ! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ عطا فرمائی، گنبد خضراء میں آج آرام کر رہے ہیں تو جتنا انسان اللہ سے توقع کرتا ہے، وہ پروردگار جب دیتا ہے، پھر اس کی امیدوں سے زیادہ بڑھ کے دیتا ہے، وہ منان ہے، توقعات سے بھی زیادہ دینے والی ذات ہے۔

اللہ کے صفاتی نام ”حنان“ کا مطلب

اور پھر اللہ رب العزت کا ایک صفاتی نام حنان ہے، حنان کہتے ہیں سب کو خوش رکھنے والا اور اگر کوئی ناراض ہو تو اس کو جلدی منا لینے والا، ہم نے بعض لوگوں کی طبیعت دیکھی ہے کہ وہ کسی کی ناراضگی نہیں برداشت کر سکتے، کوئی ناراض ہوگا تو معافی مانگ لیں گے، ہاتھ پکڑ لیں گے، پاؤں پکڑ لیں گے کہ بھائی! مان جاؤ، وہ برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ کوئی ان سے ناراض ہو، تو اللہ رب العزت حنان بھی ہیں، وہ چاہتے ہی نہیں کہ میرا بندہ مجھ سے دور ہو، مجھ سے خفا ہو، حالانکہ آداب شاہانہ کا تقاضا تو یہی تھا کہ اگر کوئی بندہ اللہ کے در سے پیٹھ پھیر کے جانے لگتا تو اس کی کمر میں ایک لات بھی لگوا دیتے اور دروازہ بھی ہمیشہ کے لئے بند کر دیتے کہ بدبخت! تو میرے دروازے سے پیٹھ پھیر کے جاتا ہے، مگر اللہ رب العزت حنان ہیں، وہ ایسا نہیں کرتے، بلکہ پیٹھ پھیر کے جانے والے کو فرماتے ہیں: ”یَاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْم“ اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈالا ہوا ہے؟ جیسے چھوٹا بچہ ناراض ہوتا ہے تو ماں اس کو بیٹھ کے منا رہی ہوتی ہے کہ بیٹے! ماں سے نہیں خفا ہوا کرتے، ماں سے نہیں روٹھا کرتے، وہ بتاتی ہے کہ میرا تو محبت کا تعلق ایسا ہے۔ اس آیت مبارکہ کا مطلب بالکل اسی طرح بنتا ہے، اللہ فرماتے ہیں: ”یَاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْم“ اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈالا ہوا ہے؟ کیوں اس در سے دور بھاگتا پھر رہا ہے، ٹھوکریں کھا رہا ہے، آؤ نہ ذرا میرے در کی طرف، چنانچہ ماں اپنے بچے کے ساتھ جتنی محبت کرتی ہے، اللہ رب العزت اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ ذرا سوچیں! اگر ماں کا بیٹا اغوا ہو جائے اور پھر اچانک وہ کسی وقت آ کے دروازے پہ دستک دے کہ امی! میں آ گیا ہوں، دروازہ کھولیں، تو کیا ماں دروازہ کھولنے میں دیر لگائے گی؟ کبھی دیر نہیں لگا سکتی، ماں جس طرح بچے کے لئے دروازہ کھولنے میں دیر نہیں لگاتی، اللہ کا کوئی بندہ جس نے غفلت کی زندگی گذاری، گناہوں بھری زندگی گذاری، جو شیطان کے پیچھے چلتا پھرا، نفس کی پوجا

کرتا پھرا، اگر وہ احساس کرلے کہ مجھے لوٹ کے آنا ہے، وہ اللہ کے دروازے پہ آ کر دروزہ کھٹ کھٹاتا ہے، اللہ رب العزت دروازہ کھولنے میں دیر نہیں لگاتے، میرے بندے! تو میرے پاس آ گیا؟ اسی لئے فرمایا کہ اگر بوڑھا جو ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا، نہ گھر رہا، نہ در رہا، نہ بیوی بچے رہے، وہ کسی کے یہاں رہتا تھا، اگر وہ بندہ احساس کرتا ہے کہ اب مجھے لوگوں نے بھی جواب دے دیا، کہ بڑے میاں! آپ ہر وقت کھانستے رہتے ہیں، بچے تنگ ہوتے ہیں، آپ جائیں کہیں اور ٹھکانا پکڑیں، تو وہ وہاں سے نکلتا ہے، سوچتا ہے کہاں جاؤں، پھر سوچتا ہے کہ چلو مسجد کی طرف چلتا ہوں، اب وہ بوڑھا لاٹھی ٹیک رہا ہے، کمر جھکی ہوئی ہے اور مسجد کی طرف آرہا ہے، تو اللہ رب العزت اس بندے سے یہ نہیں پوچھتے کہ میرے بندے! تیری جوانی کہاں گئی؟ جمال کہاں گیا؟ تجھے کتنا میں نے دیا تھا تو نے سب کچھ کہاں لٹا دیا؟ آج تجھے میرا در یاد آیا؟ اللہ تعالیٰ طعنہ نہیں دیتے، بلکہ اللہ رب العزت اس بندے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، میرے بندے، میرے بندے! نہ تیرے جسم میں طاقت رہی، نہ جوانی رہی، نہ مال رہا، نہ جمال رہا، سب کچھ ضائع کر کے اب اس عمر میں تجھے میرا در یاد آیا، میرے بندے! میں تجھے طعنہ نہیں دوں گا، میں تیرے لئے دروازے بند نہیں کروں گا، تو ایک قدم اٹھائے گا، میری رحمت دو قدم جائے گی ''وَاِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً'' تو میری طرف چل کے آئے گا، میری رحمت تیری طرف دوڑ کے جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس طرح متوجہ فرماتے ہیں۔

چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک گلی سے گذر رہا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا، ایک ماں اپنے بچے سے خفا تھی، اس ماں نے اپنے بچے کو دو تھپڑ لگائے اور دروازے سے دھکا دے دیا اور یہ بھی کہا کہ تو میری بات نہیں مانتا، نافرمان ہے، اگر تجھ کو میری بات نہیں ماننی ہے تو چل تو باہر نکل، اس نے گھر سے دھکا دیا، دروازے بند کر لئے، ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس بچے کو دیکھا، وہ زار و قطار رو رہا تھا کہ اس کی ماں نے اس کو تھپڑ لگائے تھے اور گھر سے باہر اس کو دھکا دے دیا تھا، میں دیکھنے لگا کہ ہوتا کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ وہ بچہ روتے روتے گلی میں چلتا چلتا بالآخر گلی کے کنارے پر

پہنچا اور گلی کے کنارے پر کھڑا ہو گیا اور وہاں وہ سوچنے لگا اور سوچنے کے بعد پھر آہستہ آہستہ واپس اسی دروازے پر آیا، تھوڑی دیر کے بعد ماں نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ بچہ ابھی دروازے کے اوپر بیٹھا ہے تو وہ کہنے لگی جاتا کیوں نہیں؟ اگر تم کو میری بات نہیں مانی، میری بات نہیں سنی، تو یہاں سے دور ہو جا، جب ماں نے دوبارہ اس کو ڈانٹا تو بچہ کی آنکھ میں آنسو آ گئے، کہنے لگا: امی! میں نے دل میں سوچا تھا کہ آپ نے تو مجھے گھر سے دھکا دے دیا، میں چلا جاتا ہوں اور میں گلی کے کونے تک چلا بھی گیا تھا، وہاں جا کر مجھے خیال آیا کہ میں کسی کا نوکر بن جاؤں گا، کھانا بھی مل جائے گا، کپڑے بھی مل جائیں گے، ٹھکانا بھی مل جائے گا، مگر امی! پھر یہ خیال آیا کہ دنیا کی ساری چیزیں تو مل جائیں گی مگر امی! جو محبت آپ نے مجھے دی ہے، وہ محبت مجھے دنیا میں کہیں نہیں ملے گی، یہ سوچ کے میں واپس آ گیا، امی! اب تو مارے، یا دھکے دے، میں یہ در چھوڑ کے نہیں جا سکتا، ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اس نے جب یہ الفاظ کہے تو ماں کا دل موم ہو گیا، ماں نے کہا: بیٹے! اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ جو محبت میں دے سکتی ہوں دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا تو میرا دروازہ کھلا ہے، آ کے تو اس گھر میں زندگی گزار لے، فرماتے ہیں کہ اگر اسی کیفیت کے ساتھ اللہ کا کوئی بندہ اللہ کے دروازے پہ آتا ہے اور یہ دعا کرتا ہے:۔

اِلٰھِیْ! عَبْدُکَ الْعَاصِیْ اَتَاکَا
مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاکَا

اللہ! تیرا گنہگار بندہ تیرے دروازے پہ حاضر ہے، اللہ! اپنے گناہوں کا میں اقرار کرتا ہوں اور آپ کے سامنے یہ دعا کرتا ہوں

فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاکَ اَھْلٌ
وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَرْحَمْ سِوَاکَا

اللہ! اگر آپ مغفرت میری کر دیں تو یہ بات آپ کو سجتی ہے، اور اگر آپ بھی دھکا دے دیں تو میرے لئے تو کوئی در نہیں، میرے لئے تو یہی ایک در ہے، اگر روٹی کا سوال کرنے والا ایک

دروازے سے خالی چلا جائے تو اس کو دوسرے دروازے سے مل جائے گی، تیسرے دروازے سے مل جائے گی، اللہ! میرا تو معاملہ یہ ہے کہ ایک ہی در ہے، مجھے تو آپ کو منانا ہے، اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف کر دیجئے، میں اب تک غفلت بھری زندگی گذارتا رہا، اللہ! آئندہ مجھے نیکوکاری کی زندگی عطا فرمائیے، مجھے اپنا بنا لیجئے۔

ہماری کتنی خوش نصیبی ہے کہ ہم ابھی زندہ ہیں، زندگی میں انسان جس وقت بھی توبہ کرے اللہ توبہ کو قبول فرمالیتے ہیں، لہٰذا اس قیمتی وقت کو اور زیادہ قیمتی بنا کر آج کی اس محفل میں اللہ رب العزت کے سامنے، اس منان کے سامنے جو انسان کی توقع سے بڑھ کر دینے والا ہے، اس حنان کے سامنے جو نہیں چاہتا کہ میرے بندے مجھ سے دور ہو جائیں، جو قریب کرنا پسند فرماتا ہے، اس کے سامنے اپنے گناہوں سے سچی معافی مانگ کے آج ہم ایک نئی زندگی گذارنے کا، اور آئندہ نیکوکاری اور پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کا ارادہ کریں، اے پروردگارِ عالم آج کی اس مجلس کو زندگی کے بدلنے کا ذریعہ بنا دیجئے، تاکہ ہم گھر میں بھی اچھے فرد بن کر رہیں، معاشرے کا اچھا انسان بن کے رہیں، ایک تڑپتا ہوا دل ہمارے سینوں کے اندر ہو، جو دوسروں کے لئے خیر کا ذریعہ بن جائے، پروردگارِ عالم بڑے کریم ہیں یقیناً ہماری ان مرادوں کو پورا فرمائیں گے اور آج کی اس مجلس میں اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدُ للهِ ربِّ العالَمین

آئندہ صفحات پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، یہ خطاب گجرات کی موقر دینی درسگاہ "جامعہ فلاح دارین"، ترکیسر کی مسجد میں ۸/۱ اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعہ، جمعہ کی نماز سے پہلے ہوا تھا، سامعین میں غالب اکثریت حضرات علماء کرام و طلبۂ پر مشتمل تھی۔

قرب الٰہی کے سات زینے

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد
اعوذباللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ
سبحان ربک رب العزۃ عمایصفون، وسلام علی المرسلین، والحمدللہ رب العٰلمین
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی ال سیدنا محمد و بارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی ال سیدنا محمد و بارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی ال سیدنا محمد و بارک وسلم

اللہ کا قرب: ایک عظیم نعمت

ہر انسان کے اوپر اللہ رب العزت کی لاتعداد نعمتیں ہیں، ان میں سے دو نعمتیں بہت ممتاز ہیں، ایک ایمان والی نعمت اور دوسری نعمت اللہ رب العزت کا قرب نصیب ہونا۔ جادوگروں نے فرعون سے پوچھا تھا کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں انعام کیا ملے گا؟ اس نے جواب دیا تھا: ''اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ'' کہ انعام یہ ہوگا کہ میں تم کو اپنے مقرب بندوں میں بنالوں گا، تو معلوم ہوا کہ قرب سے بڑی نعمت اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اور ہر کلمہ گو کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ مجھے اللہ کا قرب نصیب ہوجائے۔ ہمارے مشائخ نے اس کے سات درجے بتائے ہیں، سات زینے اگر چڑھ جائیں تو اللہ رب العزت کا قرب حاصل ہوجائے گا۔

قرب الٰہی کا پہلا زینہ: ادب

ان میں سب سے پہلا زینہ ادب ہے، اس سفر کی ابتداء ادب سے شروع ہوتی ہے ''الدِّين كُلُّهٗ آداب'' دین سب کا سب ادب ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اَدَّبَنِي رَبِّي

فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ ''میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا۔

أَدِّبُوا النَّفْسَ أَيُّهَا الْأَصْحَابُ　　طَرِيْقُ الْعِشْقِ كُلُّهَا آدَابُ

اے ساتھیو! خود کو با ادب بناؤ　　راہِ عشق میں آداب ہی آداب ہیں

ادب کے ثبوت کی قرآنی دلیل

اب اگر کوئی پوچھے کہ ادب کہاں سے آ گیا؟ تو دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک وادی کے اندر پہنچے، تو رب کریم ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے پیارے موسیٰ! ''فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ '' اپنے جوتوں کو اتار دیجئے'' اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى '' آپ ایک مقدس وادی طویٰ کے اندر ہیں، یہ موسیٰ علیہ السلام کا جوتوں کا اتار دینا یہ ادب کی قرآنی دلیل ہے، تو ادب پہلا قدم ہے، یہ پہلا زینہ ہے، جتنا ادب زیادہ ہوگا، اتنا انسان کا پہلا درجہ بلند ہوگا۔

آداب کی رعایت کرنے پر اللہ کی خصوصی رحمتیں

پھر اس ادب سے اللہ رب العزت کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ایک واقعہ سن لیجئے! امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بارے میں واقعہ لکھا ہے کہ میں مکتوبات لکھ رہا تھا، یعنی قرآن وحدیث سے دعوت کے مضمون کو یکجا کر رہے تھے، مجھے بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی، میں وہاں گیا اور قضائے حاجت کے لئے بالکل بیٹھنے لگا تو میری نظر اپنی انگلی پر پڑی، اس میں سیاہی لگی ہوئی تھی، میں نے سوچا کہ اگر میں یہاں پانی استعمال کروں گا تو یہ سیاہی پانی کے ساتھ بہہ کر نجاست کے ساتھ ملے گی، اور یہ تو وہ سیاہی ہے جو میں مکتوبات لکھنے میں استعمال کرتا ہوں، تو یہ ادب کے خلاف ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے تقاضے کو روکا اور بیت الخلاء سے باہر نکل کر پاک جگہ پر اس سیاہی کو صاف کیا، اسی وقت الہام ہوا: احمد سرہندی! اس ادب کی وجہ سے ہم نے جہنم کی آگ کو تم پر حرام کر دیا ہے۔

زبیدہ خاتون ایک نیک عورت گذری ہیں، اُسنے بڑے اچھے اچھے کام کروائے،

نہر زبیدہ بنوائی اور لوگوں کی فلاح کے بڑے اعلیٰ کام کئے، جب فوت ہوگئیں تو کسی کے خواب میں نظر آئیں تو پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا؟ کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی، اس نے کہا: مغفرت تو ہونی ہی تھی، کیونکہ آپ نے نہر زبیدہ بنوائی تھی، پیاسوں کو پانی پلایا تھا، کہنے لگیں کہ نہر زبیدہ کی وجہ سے مغفرت نہیں ہوئی، بلکہ ایک ایسے عمل کی وجہ سے ہوئی جو مجھے یاد بھی نہیں تھا، پوچھا وہ کونسا عمل تھا؟ کہنے لگیں کہ میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی، لقمہ توڑا کہ منہ میں ڈالوں، اتنے میں اذان ہوئی، اللہ اکبر کی آواز کانوں میں آئی تو میں نے محسوس کیا کہ میرے سر پہ دوپٹہ پورا نہیں تھا، آدھے سر پہ تھا اور آدھا سر ننگا تھا، میں نے اپنی بھوک کو دبا کے لقمے کو رکھ دیا اور اللہ کے نام کے ادب کی وجہ سے پہلے دوپٹے سے اپنے سر کو ڈھانپا، اس کے بعد وہ لقمہ کھایا، اللہ نے فرمایا: تو نے میرے نام کا اتنا اکرام کیا، اس پر ہم نے تیرے سب گناہوں کی بخشش کردی۔ یہ پہلا قدم ادب ہے جو انسان کے لئے سعادت کا دروازہ ہے۔

دوسرا زینہ: علم نافع

ادب سے ایک نعمت ملتی ہے، جس کو علم نافع کہتے ہیں، ایک علم ملتا ہے فقط کتابوں کے مطالعہ سے، اور ایک علم نافع ہوتا ہے، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک معلومات ہوتی ہے، جیسے بہت ساری باتوں کا لوگوں کو پتہ ہوتا ہے، مگر عمل کی توفیق نہیں ہوتی، تو جو عام باتیں ہیں ان کو معلومات کہیں گے، اور جس پر انسان کا عمل ہو، اس کو علم نافع کہیں گے، اسی لئے انسان بعض مرتبہ علم کے باوجود گمراہ ہوجاتا ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: ''أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ'' کیا دیکھا آپ نے اس کو جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ''وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ'' اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کردیا، کیونکہ اس کے پاس معلومات تھیں، علم نافع نہیں تھا۔

یہ نفع دینے والا علم عجیب چیز ہوتی ہے، ایک مرتبہ اس عاجز کو مفتی اعظم حضرت مفتی

محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت ملی، حضرت نے حاضرین سے پوچھا کہ علم کا مفہوم کیا ہے؟ کسی نے کہا: جاننا، کسی نے کہا: پہچاننا، سب نے اپنے اپنے جواب دئے، حضرت خاموش رہے، کسی نے عرض کیا: حضرت! آپ ہی بتا دیجئے، تو حضرت نے فرمایا کہ علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کئے بغیر چین نہیں آتا، اس کو علم نافع کہتے ہیں، چنانچہ اِدھر بات پڑھی اور اُدھر سنت سے اپنے آپ کو سجالیا، یہ طالب علم کا شعار بن جاتا ہے، وہ سنتوں کا متلاشی بن جاتا ہے، جیسے دلہن جسم کے اعضاء کو زیورات سے سجالیتی ہے، وہ سمجھتی ہے کہ میں خاوند کی نظر میں خوبصورت بن جاؤں گی، ایسے ہی مومن جسم کے جن اعضاء کو سنتوں سے سجالیتا ہے، وہ اللہ کی نظر میں خوبصورت بن جاتا ہے، تو یہ دوسرا زینہ علم نافع ہے۔ یہ علم نافع ادب سے ملتا ہے۔

استاذ کے ادب کی برکت

ایک واقعہ سن لیجئے! ہمارے علاقے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد تھے، ان کا نام تھا غلام رسول، علاقے کا نام کونٹا تھا، تو غلام رسول کونٹوی ان کے نام سے مشہور تھے، انھوں نے دارالعلوم دیوبند سے حدیث پاک کا علم حاصل کیا، شیخ سے بڑی محبت تھی، جب دورۂ حدیث میں تھے تو ان کو حضرت شیخ الہندؒ سے اتنی محبت تھی کہ رات کے وقت وہ حضرت کے کمرے سے لے کر دارالحدیث تک کا جو راستہ ہے، اس میں وہ جھاڑو دیا کرتے تھے کہ میرے شیخ کو یہاں سے چل کر آنا ہے، اللہ کی شان ایک دن جھاڑو نہیں تھی، تو انھوں نے سر کا عمامہ اتار لیا اور اسی سے صاف کرنا شروع کر دیا اور اللہ کی شان کہ شیخ الہندؒ نے کسی ضرورت سے کھڑکی کھولی، دروازہ کھولا، تو دیکھ لیا، پوچھا کہ غلام رسول! کیا کر رہے ہو؟ بتانا پڑا کہ حضرت! آپ جس راستے سے حدیث پڑھانے کے لئے چل کے آتے ہیں، میرے دل میں محبت ہے، میں اس راستہ کو صاف کر رہا ہوں، شیخ نے دعا دی، اور یہ دعا ایسی لگی کہ اللہ رب العزت نے ان کو جبل العلم کو بنا دیا، ان کا گاؤں مین سڑک سے ۳۰ کلومیٹر اندر تھا،

۳۰۰ طلبہ ان کے پاس پڑھتے تھے، اور ہر طالب علم بس سے اتر کر ۳۰ کلومیٹر سر پہ سامان رکھ کے پیدل جاتا تھا اور پیدل آتا تھا، کھانا بھی پورا نہیں ملتا تھا، جو ہوتا تھا کھا لیتے تھے، ایک مرتبہ خیر المدارس میں جلسہ ہوا تو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں بڑے علماء میں تھے، تو حضرت نے اسٹیج پر اعلان کیا کہ شمس النحاۃ غلام رسول کونٹوی تشریف لے آئیں، پورے ملک کے علماء موجود ہیں، ان کی موجودگی میں فرمایا۔ اور اللہ رب العزت نے ان کو ایسا علم دیا تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شرح جامی پوری دنیا سے ضبط کرلی جائے اور کوئی طالب علم میرے پاس آکر کہے کہ حضرت! شرح جامی کی ضرورت ہے تو میں اپنی یادداشت سے اس کو دوبارہ لکھوا سکتا ہوں، یہ علم استاذ کے ادب کی وجہ سے ملا۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ اور آداب کی رعایت

ہمارے حضرتؒ قرآن مجید ایسا بیان فرماتے تھے کہ سبحان اللہ، ایک مرتبہ خود فرمانے لگے کہ یہ نعمت مجھے بیت اللہ سے ملی، پھر فرمانے لگے کہ تمہیں پتہ ہے کیوں؟ میں نے کہا نہیں، کہنے لگے کہ نہ میں نے اپنے شیخ کا چہرہ کبھی بے وضو دیکھا، نہ میں نے کبھی بیت اللہ کو بے وضو دیکھا، یہ اس کی برکت تھی کہ اللہ نے کتاب اللہ کا علم مجھے عطا فرمادیا تھا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور آداب کی رعایت

ایک مرتبہ حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے طلبہ سے پوچھا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ انور شاہ کشمیری کیسے بنے؟ تو کسی نے کہا کہ بڑے مفسر تھے، کسی نے کہا بڑے محدث تھے، کسی نے کہا اخلاق بڑے اعلیٰ تھے، حضرت خاموش ہوگئے، طلبہ نے کہا حضرت! آپ بتائیں، فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی نے حضرت کشمیریؒ سے یہ سوال کیا کہ آپ علامہ انور شاہ کشمیری کیسے بنے؟ فرمانے لگے کہ کتابوں کے ادب کی وجہ سے اللہ نے مجھے انور شاہ کشمیری بنادیا، پوچھا کہ کیسا ادب؟ فرمانے لگے کہ میں قرآن مجید کے اوپر تفسیر کی کتابوں کو نہیں رکھتا

تھا،تفسیر کے اوپر حدیث کی کتابوں کونہیں رکھتا تھا،حدیث پاک کی کتابوں کے اوپر فقہ کی کتابوں کونہیں رکھتا تھا،فقہ کے اوپر تاریخ کونہیں رکھتا تھا،کتابوں کے رکھنے میں بھی میں ان کے درجے کا خیال رکھتا تھا،اور کتاب کو پکڑتے ہوئے ہمیشہ میں باوضو ہوا کرتا تھا۔

تیسرا زینہ:عمل صالح

اور پھراس پر تیسری نعمت ملتی ہے،جس کو عمل صالح کہتے ہیں،علم نافع جب بھی ملے گا عمل کی توفیق ساتھ ہوگی،عمل کے بغیر چین نہیں آئے گا،''اَلعِلْمُ بِلاعَمَلٍ کَالشَّجَرِ بِلاثَمَرٍ''.

چوتھا زینہ:حکمت

اور جب انسان عمل صالح کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر ایک اور نعمت عطا فرمادیتے ہیں،جس کو حکمت کہتے ہیں''وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا''۔''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ''ایسی حکمت نصیب ہوجاتی ہے کہ پھر انسان کی سوچ وہاں پہنچتی ہے جہاں دوسرے بندے کی پرواز بھی نہیں ہوسکتی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت وفراست

اب واقعات تو بہت ہیں،لیکن ایک دو واقعات عرض کردیتا ہوں،امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس ایک بوڑھا آیا،کہنے لگا''واؤ''او''وادین''حضرت نے فرمایا:''وادین''اب وہ جو ۴۰ حضرات مسائل کے استنباط میں شریک تھے،جن میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں،امام محمد رحمۃ اللہ علیہ،امام زفر رحمۃ اللہ علیہ،داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جیسے تقوے کے پہاڑ ہیں،کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا،سارا دن سوچتے رہے کہ بوڑھے نے کیا کہا اور حضرت نے کیا کہا،حضرت نے فرمایا:''وادین'' تو بوڑھا کہہ کے چلا گیا:''لَاوَلَا''اب یہ سب حیران ہوئے تو انھوں نے امام صاحب سے پوچھا کہ حضرت!یہ اشارے سمجھ میں نہیں آئے،بتادیجئے،فرمایا کہ اس نے مجھ سے سوال پوچھا کہ میں التحیات کو ایک واؤ سے پڑھوں یا دو واؤ سے؟ہم احناف جو ہیں''

دوداوسے پڑھتے ہیں: ''اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلَوَاتُ ةُ وَ الطَّیِّبَاتُ'' تو وہ یہ مجھ سے پوچھنے آیا تھا، اور میں نے کہہ دیا: ''داوین'' یعنی دوداوسے پڑھ لو، پھر پوچھا کہ حضرت! وہ جاتے ہوئے ''لَاوَلَا'' کیا کہہ گیا، فرمایا کہ وہ دعا دے کے چلا گیا، پوچھا حضرت! یہ ''لَاوَلَا'' تو کوئی دعا نہیں ہے، فرمانے لگے کہ وہ قرآن مجید کی آیت سے اشارہ کر گیا کہ اللہ! ابوحنیفہ کے علم کو اتنا پھیلا دے کہ ''لَاشَرْقِیَّةٍ وَّلَاغَرْبِیَّةٍ'' (مشرق ومغرب کا کوئی فرق نہ رہ جائے)۔

ایک آدمی نے آکر کہا کہ حضرت! میری بیوی کی عادت تھی ہنڈیا چاٹنے کی، اور میں نے اسے بڑا منع کیا اور غصے میں قسم کھالی کہ ہنڈیا چاٹے گی تو طلاق دے دوں گا، کچھ دن تو وہ باز رہی، پھر ہنڈیا چاٹنے لگی، اب طلاق واقع ہوئی کہ نہیں ہوئی، جس سے پوچھتے ہیں کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہوگئی، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا، اور پوچھا، تو حضرت نے فرمایا کہ اپنی بیوی کو لاؤ، میں ایک سوال پوچھوں گا، بیوی کو لے آیا، حضرت نے پوچھا کہ تم نے ہنڈیا کیسے چاٹی تھی؟ اس نے کہا حضرت! میں نے یوں انگلی اس میں ڈالی اور جو سالن آیا میں نے اسے چاٹ لیا، فرمایا: تم نے ہنڈیا نہیں چاٹی، تم نے انگلی چاٹی ہے، تمہیں طلاق واقع نہیں ہوئی؛ یہ حکمت ہوتی ہے۔

اسی طرح فقہاء کے نزدیک ایک مسئلہ چھڑا کہ اگر کوئی انسان چار رکعت فرض ادا کر رہا ہو اور پہلی التحیات میں ''عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ'' تک پڑھے پھر بھول جائے (اور درود شریف شروع کردے) تو کسی نے کہا کہ ''اَللّٰھُمَّ'' پڑھ لیا پھر کھڑا ہوگیا تو کوئی حرج نہیں، کسی نے کہا ''صَلِّ'' پڑھ لیا پھر بھی کوئی حرج نہیں، کسی نے کہا ''عَلٰی'' بھی پڑھ لیا اور کھڑا ہوگیا تو بھی کوئی حرج نہیں، امام صاحب نے فتوی دیا کہ اگر ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی ''مُحَمَّدٍ'' کا لفظ بھی ادا کرلیا تو اب سجدہ سہو واجب ہوگیا کیوں کہ تاخیر ہوگئی، اب یہ بڑا عجیب مسئلہ تھا، خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نعمان! تم نے میرا نام لینے

پر سجدۂ سہو کرنے کا حکم دیا؟ تو عرض کیا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں نے یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص بھول کر غفلت سے آپ کا نام لے؛ اس پر سجدۂ سہو کرنے کا حکم ہے تو نبی ﷺ مسکرائے کہ تم نے اچھا جواب دیا، اس کو حکمت کہتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت

قریب کے زمانے میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی مبارک زندگی کو پڑھیں، آپ کو ایک ایک بات میں حکمت نظر آئے گی۔ اور قریب کے زمانے میں حضرت اقدس تھانویؒ کی زندگی کو پڑھ لیجئے، ایسی نکتہ آفرینی کہ سب حیران ہو جائیں، یہ حکمت ہے، جو اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس ایک انگریز آیا، اپنے بچے کو لے کے کہنے لگا کہ مدرسے میں آپ لوگ بس عربی پڑھاتے رہتے ہیں تو آپ کے بچے بہت ہی Narrow mind (تنگ ذہن) بن جاتے ہیں، اور ہم اپنے بچوں کو سائنس پڑھاتے ہیں، انگریزی پڑھاتے ہیں Open minded (وسیع الذہن) بن جاتے ہیں، یہ میرے بچے کو دیکھو میں سائنس پڑھا رہا ہوں، آپ دیکھئے کتنا Intelligent (عقل مند) ہے، حضرت نے اُس بچے کو بلا کر پوچھا کہ یہ وضو کرنے کا جو تالاب ہے بتاؤ کہ اس تالاب میں کتنے پیالے پانی ہوں گے؟ اب تالاب میں تو ہزاروں لیٹر پانی ہوتا ہے، —اب اس میں کتنے پیالے پانی ہے؟؟ یہ کیسے معلوم ہوگا؟ —اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں، تو حضرت نے اس کے ہم عمر ایک طالب علم کو بلایا وہ منطق پڑھنے والا تھا، اس طالب علم سے کہا کہ بتاؤ کہ اس تالاب میں کتنے پیالے پانی ہیں؟ اس نے کہا حضرت! اگر اس تالاب کے مقابلے آدھے سائز کا پیالا ہو؛ تو دو ۲ پیالے پانی اور اگر اس تالاب کے برابر سائز کا پیالہ ہو تو ایک ۱ پیالہ پانی۔

پانچواں زینہ: زہد فی الدنیا

پھر حکمت جب انسان کو مل جائے تو پھر اس کو دنیا کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور پھر اس انسان کو زہد فی الدنیا نصیب ہو جاتا ہے۔

زہد فی الدنیا کی حقیقت

زہد فی الدنیا، ترکِ دنیا کو نہیں کہتے، ترکِ لذاتِ دنیا کو زہد کہتے ہیں، یاد رکھنا جس کو اللہ رب العزت کی حقیقت کا پتہ چل گیا وہ اللہ سے جڑے بغیر رہ نہیں سکتا، جس کو دنیا کی حقیقت کا پتہ چل گیا وہ دنیا سے کٹے بغیر رہ نہیں سکتا، تو جب حکمت ملتی ہے تو پھر زہد فی الدنیا خود نصیب ہو جاتی ہے۔

فقہاء میں ایک مسئلہ چلا کہ اگر ایک آدمی فوت ہو جائے اور وصیت کر جائے کہ میری وراثت متوکلین میں تقسیم کر دینا تو کیا کریں گے، کسی نے کچھ جواب دیا، کسی نے کچھ دیا، امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس کو ہم کاشتکاروں میں تقسیم کریں گے۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمانے لگے کہ یہ بے چارے ہل چلاتے ہیں، بیج ڈالتے ہیں، پانی دیتے ہیں، اس کے بعد پھر اللہ پر نظر رکھتے ہیں کہ اللہ! ہمارا کام تو بیج ڈالنے تک تھا، اب آگے کھیتی تو آپ کو کرنی ہے، تو فرمایا کہ یہ اہلِ توکل لوگ ہیں، ان میں تقسیم کریں گے۔

پھر ایک بات چھڑی کہ اگر کوئی وصیت کرے کہ میری وراثت دانا عقلمند لوگوں میں تقسیم کر دو، تو کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ، حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا، حضرت نے فرمایا کہ اگر یہ اس نے وصیت کی تو اب اس کی وراثت کو زاہدین میں تقسیم کریں گے، کیونکہ زاہد انسان عقلمند انسان ہوتا ہے، تو حکمت سے انسان کو زہد فی الدنیا کی نعمت ملی۔

چھٹا زینہ: انابت الی اللہ

جب زہد انسان کو مل جائے تو پھر انابت الی اللہ کی ایک نئی نعمت ملتی ہے، اس کو کہتے ہیں: " اَلتَّجافِی عَن دارِ الغرورِ والانابۃُ اِلی دارِ الخلودِ واستعدادٌ للموتِ قبلَ نزولہ " (دھوکہ کے گھر دنیا سے بے رغبتی اور ہمیشگی کے ٹھکانے آخرت کی طرف رجوع، نیز موت سے پہلے موت کی تیاری) اور اس انابت کی وجہ سے اس بندے کا ہر ہر عمل اخلاص والا

اور خشوع وخضوع والا بن جاتا ہے، اس لئے قرآن مجید میں فرمایا: ’’ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ۝ اسی سورت میں آگے چل کر فرمایا۔۔ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ۝ کہ یہ بندہ پھر عبدِ منیب بن جاتا ہے، اللہ کو یہ انابت بہت پسند ہے، تو زہد فی الدنیا سے ایک چھٹی نعمت ملی جس کو انابت الی اللہ کہتے ہیں۔

ساتواں زینہ: قربِ الٰہی

اور جو شخص انابت الی اللہ کی زندگی گذارتا ہے، اس کو اللہ رب العزت اپنا قرب عطا فرماتے ہیں تو ابتداء ادب ہے اور انتہاء قرب ہے اور جو مقربین ہوں گے سبحان اللہ فرمایا کہ: ’’ يتقرب الىٰ عبدى بالنوافل ‘‘ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا ایسا قرب پالیتا ہے ’’حَتّٰى اُحِبَّهٗ ‘‘ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ کتنی خوش نصیبی کی بات ہے کہ اللہ رب العزت بندے سے محبت فرمانے لگتے ہیں، سبحان اللہ۔

اسی لئے جنت میں تین طرح کے مہمان ہوں گے، ایک مہمان تو وہ ہوں گے جن کے لئے سبیل ہوگی، چشمے ہوں گے اور وہ وہاں سے پئیں گے، ایک یہ درجہ قرب کا ’’عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ۝ ۔ اور ایک وہ ہوں گے جن کو غلمان یعنی خدام پلائیں گے، وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ.... جیسا گھر میں ہوتا ہے کہ مہمان تین درجے کے ہوتے ہیں، کچھ مہمان ایسے آتے ہیں کہ ان کے لئے پہلے سے جگ گلاس رکھا ہوتا ہے کہ ضرورت ہو تو آپ پی لیجئے۔ اور کچھ مہمان ہوتے ہیں کہ جن کے لئے آپ گھر کے بچے کو بھیجتے ہیں کہ جاؤ مہمان کو پانی پلاؤ وہ نکال کے دیتا ہے اور پلاتا ہے۔ اور کچھ مہمان اتنے عظیم ہوتے ہیں کہ آپ خود جگ گلاس لے کے آتے ہیں، اپنے ہاتھ سے نکال

کے پلاتے ہیں تو جنت میں بھی تین طرح کے مقربین ہوں گے، ایک وہ جن کے لئے چشمے ہوں گے اوران سے وہ پئیں گے۔ اوردوسرے درجے کے وہ لوگ ہوں گے کہ جن کے لئے غلمان ہوں گے اوروہ ان کو پلائیں گے اورتیسرے مقربین وہ ہوں گے" **وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ○** پروردگاران کوشراب پلائے گا،اللہ رب العزت ہمیں اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آئندہ صفحات پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، یہ خطاب نئی دہلی کے، اوکھلا کے ذاکر نگر کی "جامع مسجد" میں ۱۰/۱ اپریل ۲۰۱۱ء بروز اتوار، بعد نماز عشاء ہوا تھا، جس میں سامعین کی تعداد کا اندازہ آٹھ سے دس ہزار کا بتایا جارہا ہے۔

اسلامی شریعت کی خوبصورتی

الحمدللہ و کفٰی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، امابعد

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ

وقالَ رسولُ اللہ ﷺ: المُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسانِهٖ وَيَدِهٖ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین، والحمدللہ رب العلمین

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اٰل سیدنا محمد و بارک و سلم

مسلمان کی تعریف

جو مخلوق سراپا خیر ہے، وہ فرشتے ہیں، جو سراپا شر ہے، وہ شیطان ہے، جو خیر اور شر کا مجموعہ ہے، وہ حضرت انسان، ہر انسان کے اندر خیر بھی ہے اور شر بھی ہے، لیکن دستور یہ ہے کہ جس بندے میں خیر غالب ہو وہ اچھا انسان ہے، جس میں شر غالب ہو وہ برا انسان۔ دین اسلام نے ایک خوبصورت دستور بتادیا کہ ''اَلْمُسْلِمُ'' مسلمان وہ ہے ——— یہ مسلمان کی Definition (تعریف) کی جارہی ہے، جیسے آپ کہتے ہیں کہ فلاں چیز کو Define (پہچان بتانا) کرو، بتاؤ، تو نبی ﷺ نے مسلمان کی Definition (تعریف) بتائی — ''مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسانِهٖ وَيَدِهٖ'' کہ دوسرے مسلمان جس کی زبان سے اور ہاتھوں سے سلامتی میں ہوں، وہ محفوظ ہوں، سمجھ لیجئے کہ گویا مسلمان کی بنیاد دو باتیں بتائی گئیں، دو طرح سے انسان کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے، یا عملی یا زبانی و کلامی، تو فرمایا کہ جس کی زبان سے بھی دوسرے محفوظ ہوں اور جس کے ہاتھ سے بھی دوسرے محفوظ ہوں۔

زبان کا نقصان ہاتھ کے نقصان سے بڑھ کر

اس میں زبان کو مقدم کیا گیا، اس کو پہلے بتایا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے کسی کو نقصان پہنچانا، یہ تو طاقتور بندے کا کام ہوتا ہے، اور زبان سے تو طاقتور بھی بات کرسکتا ہے، کمزور بھی بات کرسکتا ہے، دوسری بات کہ انسان زبان سے فقط زندوں کو ہی نہیں، مردوں کو بھی لپیٹ میں لے سکتا ہے، اپنے سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کی بھی غیبت کرسکتا ہے، ایذاء پہنچا سکتا ہے، جب کہ ہاتھ سے تو ان کو ایذاء نہیں پہنچا سکتا اور تیسری بات یہ کہ ہاتھ سے لگا ہوا زخم بالآخر مندمل ہوجاتا ہے، زبان سے لگا ہوا زخم کبھی مندمل نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ یاد رہتا ہے، اس لئے نبی ﷺ نے زبان کا تذکرہ پہلے فرمایا کہ زبان کا نقصان ہاتھ کے نقصان سے زیادہ برا ہے۔

انسان میں خیر اور شر کا مادہ

نبی ﷺ نے اس کو مزید واضح فرمادیا، مسلم کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ '' تم لوگوں کو اپنے شر سے بچاؤ، ہر بندے میں خیر اور شر ہے، اچھے موڈ میں ہے تو خیر، وہی بندہ غصے میں آجائے تو آپ دیکھیں کہ آنکھیں کیسی ہو جائیں گی، چہرہ کیسا ہوجائے گا، کیا الفاظ بولنے لگ جائے گا، ہاتھ اٹھائے گا، وہی جو شروع میں اتنا اچھا لگ رہا تھا اب وہ بالکل جانور بن جائے گا، تو معلوم ہوا کہ انسان کے اختیار میں ہے کہ اگر وہ اپنے اوپر Control (قابو) کرلے تو اپنے شر سے لوگوں کو بچا سکتا ہے۔

اپنے شر سے دوسروں کو بچانے کا ثواب

بلکہ شریعت نے اس سلسلہ میں بڑا خوبصورت اصول بتلایا کہ اگر انسان کے دل میں خیال آئے کہ میں دوسرے کو ایذاء پہنچاؤں، مثلاً مجلس لگی ہوئی ہے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ کسی کا مذاق اڑائے، لوگوں کے سامنے اس کی Insult (بے عزتی) کرے، لیکن وہ اپنی Temptation (تقاضے) کو Control (قابو) کرتا ہے، مذاق نہیں اڑاتا، کسی کی دل آزاری نہیں کرتا تو شریعت کہتی ہے کہ اپنے جذبے کو کنٹرول کرنے پر تم کو صدقے کرنے کا

ثواب دیا جائے گا۔ اب دیکھئے! اس نے کیا تو کچھ نہیں، لیکن اس میں تین فائدے ہو گئے:
ایک تو وہ انسان گناہوں سے بچا، دوسرا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا، اور تیسرا اس کے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی گئی۔ حدیث پاک میں ہے: ''فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْکَ عَلٰی نَفْسِکَ'' کہ اگر تم نے دوسروں کو اپنے شر سے بچایا تو یہ تمہارے لئے صدقے کا ثواب بن جائے گا۔

تین اہم نصیحتیں

ہمارے بزرگوں نے تین باتیں بتائیں، فرمایا کہ دیکھو اگر کسی انسان کو خوشی نہ دے سکو تو اس بندے کو غم بھی نہ دو، اگر تمہاری اوقات اور ہمت اتنی نہیں کہ تم دوسرے کو خوشی پہنچا سکو تو کم از کم دوسرے کو غم بھی نہ دو، اور اگر تم کسی کے ساتھ دوستی نہیں نبھا سکتے تو اس کے ساتھ دشمنی تو نہ کرو، اور تیسری بات فرمائی کہ اگر تم کسی کی تعریف نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی برائی بھی نہ کرو۔ اگر ہم ان باتوں پر عمل کریں تو دیکھئے ہم دوسرے کے کتنے قریبی دوست ہو جائیں گے۔

اچھے انسان کی پہچان

اچھا انسان اور اچھا مسلمان وہی ہے جس کے دل میں دوسرے انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور محبت ہو۔ سنئے! ایک حدیث مبارک ہے، جس کو ابن عساکر نے روایت کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''خَابَ وَخَسِرَ مَنْ لَمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ فِی قَلْبِهٖ رَحمَةً لِلْبَشَرِ'' وہ انسان برباد ہو گیا جس کے دل میں اللہ نے بشر کے لئے رحمت نہ رکھی ہو۔ یہاں بشر سے مراد ہر انسان ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا دل ایسا ہونا چاہئے کہ دوسروں کے غم کو اپنا غم سمجھیں اور دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں، جو بندہ سمجھے کہ مجھ کو تو بالکل کسی پر ترس نہیں آتا اس کا مطلب کہ وہ مسلمان کی بنیادی Definition (تعریف) کو ہی پورا نہیں کر رہا، جو کہے کہ مجھے رحم نہیں آتا تو مسلمان کی Definition (تعریف) ہی پوری نہیں ہو رہی ہے، نام کا مسلمان ہو گا، اس کے اندر مسلمانی والی علامات نہیں ہوں گی۔

دلآزاری سب سے بری بیماری

چنانچہ ایک اصولی بات سمجھ لیجئے کہ بیماریوں میں سب سے بری دل کی بیماری ہے، کسی کی آنکھ خراب ہو تو پریشانی زیادہ نہیں ہوتی، نزلہ زکام ہو تو پریشانی زیادہ نہیں ہوتی، کوئی اور عضو کی بیماری ہو تو پریشانی زیادہ نہیں ہوتی، کسی کو کہہ دیں کہ یہ Cardic problem (دل کی بیماری) ہے تو ہر بندہ پریشان ہو جاتا ہے کہ یہ تو بڑی Serious (سنجیدہ) بات ہے، تو معلوم ہوا کہ بیماریوں میں سب سے بری دل کی بیماری ہے، اور دل کی بیماریوں میں سب سے بری دلآزاری ہے کہ انسان دوسروں کے دل کو تکلیف پہنچائے۔

کسی کو تکلیف پہنچانے کی چند صورتیں

پھر تکلیف پہنچانے کی کئی صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ زبان سے ہی کوئی ایسا لفظ بول دیا کہ سامنے والے کا دل جل گیا، سامنے والے کو تکلیف پہنچ گئی، کوئی بات کہہ دی، کوئی لفظ بول دیا، مذاق اڑادیا، یا پھر کسی کی غیبت کر دی، شریعت نے اس بارے میں مستقل ایک مضمون بیان کیا، فرمایا: ''وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ'' کہ جہنم کے اندر ایک Special department (مخصوص شعبہ) ہوگا، ایک وادی ہوگی، جس کا نام ویل ہوگا، یہ ان لوگوں کے لئے ہوگا؛ جو ''عیب جو'' ہوں اور ''عیب گو'' ہوں، یہ دو الگ الگ بیماریاں ہوتی ہیں، بعض بندوں کی نظر اتنی میلی ہوتی ہے کہ انھیں ہر بندے میں عیب نظر آتے ہیں، جس کا نام لے لو اس میں عیب نکال دیں گے، ایسے بندے کو ''عیب جو'' کہتے ہیں یعنی عیب تلاش کرنے والا۔ اور بعض بندوں کی عادت ہوتی ہے کہ ان کو کسی کی بات کا پتہ چل جائے تو بس ہر مجلس اور محفل میں اس کو کہتے ہیں، ان کو ''عیب گو'' کہتے ہیں، عیب جو ہونا الگ بیماری ہے اور عیب گو ہونا الگ بیماری، اور بعض لوگوں میں دونوں بیماریاں ہوتی ہیں، وہ عیب جو بھی ہوتے ہیں، عیب گو بھی ہوتے ہیں، قرآن مجید میں ''همزة'' اور ''لمزه'' دونوں استعمال کی گئی ہیں کہ دونوں میں سے جو بیماری بھی ہوگی اس کے لئے ویل ہے۔

عیب لگانے والوں اور غیبت کرنے والوں کا انجام

وَیل کیا ہے؟ یہ جہنم کا ایک Area (علاقہ) ہے، جس میں ان لوگوں کو بھیجا جائے گا جو غیبت کرتے ہوں گے لوگوں کا دل دکھاتے ہوں گے، زبان سے دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہوں گے اور پھر وہاں پر آگ کے بنے ہوئے ستون ہوں گے، ان ستونوں کے ساتھ ان کو باندھ دیا جائے گا اور باندھنے کے بعد وہاں پر آگ ہوگی، اس آگ کے انگارے اوپر اٹھیں گے اور اس بندے کے دل کے اوپر جا کے لگیں گے" نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ" یہ دلوں کو Target (نشانہ لگانا) کریں گے، یہ دوسروں کے دل کو تکلیف پہنچاتا تھا، دل کو ایذاء پہنچاتا تھا، اب آگ اس کے دل کو Target کرے گی، جیسا عمل ویسی جزا، اس کو کہتے الجزاء من جنس العمل کہ دنیا میں یہ لوگوں کے دل دکھاتے تھے، لہٰذا آخرت میں جسم کو تو آگ جلائے گی ہی، لیکن دل کو بالخصوص جلائے گی، تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو اللہ رب العزت اس نوعیت کا عذاب دیں گے جس نوعیت کا یہ دنیا میں گناہ کیا کرتے تھے۔

دوسروں کو تکلیف سے بچانے کا ثواب

شریعت نے دوسروں کی تکلیف کا سبب نہ بننے کے لئے ہمیں بڑے خوبصورت اصول بتائے ہیں مثلاً اگر راستے میں کوئی روڑا پڑا ہے اور آپ محسوس کرتے ہیں کہ کسی کو ٹھوکر لگ سکتی ہے، پاؤں زخمی ہوسکتا ہے، آپ اس پتھر کو اٹھا کر راستے کے کنارے ڈال دیں، تو اتنا کرنے پر صدقہ کرنے کا ثواب مل جائے گا، اس کو کہتے ہیں "اِماطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِيق" راستے میں کانٹوں والی کوئی چیز پڑی ہے، یا پتھر ایسا پڑا ہے کہ جس سے راہگیروں کو نقصان ہوسکتا ہے، اس کو ہٹا دینے پر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

نمازیوں کو پھلاند کر اگلی صف میں جانا

ارشاد فرمایا کہ ایک بندہ اگر مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے تو سب سے افضل

تو یہ ہے کہ پہلی صف میں نماز پڑھے، پہلی صف کا اجر سب سے زیادہ ہے، لیکن وہ Feel (محسوس) کرتا ہے کہ پہلی صف میں بھیڑ ہوگئی، اب میں آگے پہنچنے کی کوشش کروں گا تو لوگوں کو تکلیف ہوگی، اور اس وجہ سے وہ دوسری یا تیسری صف میں پڑھ لیتا ہے تو حدیث مبارک سن لیجئے ''مَنْ تَرَکَ الصَّفَّ الْاَوَّلَ مخافةَ أَنْ یُؤْذِیَ مُسلمًا فقام فِي الصفِّ الثانِي أوِ الثالثِ ضعَّفَ اللهُ أجرَ الصفِّ الاوَّلِ'' جو بندہ پہلی صف کو چھوڑ کر دوسری یا تیسری میں کھڑا ہوگیا تا کہ اگلی صف والے کو تکلیف نہ پہنچے اور اس نے دوسری یا تیسری صف میں نماز پڑھ لی تو اللہ پہلی صف کے اجر کو کئی گنا زیادہ کر کے اس کو عطا فرمادیں گے، اگر چہ پہلی صف کا ثواب سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ ہے مگر شریعت کی روح کو سمجھئے، شریعت کہتی ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ اجر ہے جب کسی کو تکلیف نہ ہو اور اگر کسی کو تکلیف کا اندیشہ ہے تو تم پیچھے پڑھ لو، ہم ثواب تمہیں وہاں سے بھی زیادہ دے دیں گے، تو معلوم ہوا کہ ہمیں دوسروں کی تکلیف کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔

حدیث پاک میں ہے کہ جمعہ سے جمعہ تک جتنے گناہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ جمعہ کی نماز پڑھنے پر سب گناہ معاف کردیتے ہیں، مگر اس میں شرط ہے کہ بندے نے نماز جمعہ اس طرح پڑھی ہو کہ لوگوں کے کندھوں سے پھلانگ کے آگے نہ گیا ہو، اور کندھے سے پھلانگے گا تو کسی کو پاؤں لگے گا، کسی کو تکلیف ہوگی، پریشانی ہوگی، تو فرمایا کہ اگر کندھے پھلانگ کر جائے گا تو ثواب نہیں دیں گے، کیونکہ اس نے دوسروں کو ایذاء پہنچائی، اگر اس طرح جمعہ پڑھے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے اتنا بڑا عمل کیا کہ پچھلے جمعہ سے لے کر اس جمعہ تک تمہارے جتنے گناہ تھے، ہم نے سب گناہ کو معاف کردیا۔

بیماری کی وجہ سے گھر پر نماز پڑھنے میں جماعت کا ثواب

پھر شریعت نے کہا کہ بعض لوگ بیمار ہوتے ہیں، اگر ان کی بیماری ایسی ہے کہ دوسرے لوگوں کی توجہ بٹتی ہے، تکلیف ہوتی ہے، تو فرمایا کہ تم مسجد میں جانے کے بجائے گھر

میں نماز پڑھ لو، فقہاء نے مسئلہ لکھا کہ ایک بندہ برص کا مریض ہے، جس میں چہرے کے اوپر داغ ہوتے ہیں، اگر اس کی کیفیت ایسی ہے کہ دوسرے بندے کو دیکھ کے عجیب سا محسوس ہوتا ہے تو فرمایا کہ تم مسجد میں جماعت میں اس طرح مت جاؤ، الگ پڑھ لو گے تو تمہیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب عطا کر دیں گے، تم بیمار ہو، دوسروں کی تکلیف کا سبب نہ بنو۔

کچی پیاز یا لہسن کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت

اس لئے شریعت نے کہا کہ انسان کوئی ایسا عمل نہ کرے، جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے، مثال کے طور پہ کچا پیاز کسی نے کھالیا، تو کچا پیاز کھانے سے منہ سے مہک آتی ہے، اب یا تو اس کا ٹوتھ پیسٹ کرے تاکہ مہک ہی ختم ہو جائے اور اگر مہک آرہی ہے تو شریعت نے کہا: ''مَنْ أَكَلَ ثُوْمًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْ مسجدَنا'' جو بندہ کچا پیاز لہسن وغیرہ کھائے اور منہ کو صحیح طرح صاف نہ کرے، تو اس کو چاہئے کہ وہ پھر مسجد میں نہ آئے، کیونکہ تمہارے منہ کی گندی بدبو سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی۔ شریعت کا حسن و جمال دیکھئے! یہ کتنی خوبصورت شریعت ہے، یہ کتنا پیارا دین ہے کہ دوسروں کی تکلیف کا اتنا خیال رکھا جا رہا ہے کہ تم اپنا منہ صاف کرو، منہ کی بدبو سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔

گندے کپڑے پہن کر مسجد میں آنے کی ممانعت

اسی طرح شریعت نے کہا کہ جو بندہ مزدوری کر رہا ہو اور پسینہ والے کپڑے پہنے ہو، یا یہ میکینک (Mechanic) لوگ کام کرتے ہیں تو ان کے جسم کے کپڑوں پر ڈیزل بہت عجیب لگا ہوا ہوتا ہے، فرمایا کہ اس حالت میں مسجد میں مت آؤ، نماز الگ پڑھ لو، کیونکہ تمہارے آنے سے اور تمہارے پسینے سے اور تمہارے کپڑوں سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی۔ شریعت نے اس بات کا خیال رکھا کہ ایک بندے کے عمل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

ملاوٹ کرنے والوں کو وارننگ

اسی طرح فرمایا ''مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا'' جو بندہ مال میں ملاوٹ کرتا ہے وہ ہم میں سے ہی نہیں ہے، دوسرے تو پیسے پورے دیں گے لیکن ان کو ملاوٹ والی چیز ملے تو فرمایا کہ یہ چھوٹا گناہ نہیں ہے، یہ دھوکہ دینا، دوسرے کے دل کو تکلیف دینا، دوسرے کے دل کو پریشان کرنا، یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ تم اگر اپنے مال میں ملاوٹ کر کے بیچو گے تو تم ہمارے ہی میں سے نہیں ہو، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں یہ کتنی بڑی تنبیہ ہے، اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کا یہ فرما دینا کہ وہ ہم میں سے نہیں، جن کی شفاعت کی ہم دل میں تمنا رکھتے ہیں، اور امیدیں لگا کے بیٹھے ہیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ کی شفاعت سے ہماری مغفرت ہوگی، اگر اللہ کے حبیب ﷺ فرما رہے ہیں کہ ہم میں سے نہیں ہے تو شفاعت کیسے ملے گی؟

دل آزاری کرنے والوں کا انجام

شریعت نے ہر اس عمل کو منع کر دیا جس سے دوسروں کے دل کو تکلیف پہنچے، دوسروں کی دل آزاری ہو اور جو دوسروں کی دل آزاری کرے گا قیامت کے دن عذاب کیا ہوگا؟ سنئے! نبی ﷺ نے فرمایا ''لَمَّا عُرِجَ بِيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ'' جب مجھے معراج پر لے جایا گیا تو میں نے وہاں جہنم کے منظر دیکھے، تو ایک منظر ایسا بھی دیکھا کہ لوگوں کے ناخن بڑے بڑے تھے، وہ اپنے چہروں کو اور سینوں کو اپنے ناخنوں سے زخمی کر رہے تھے تو میں نے پوچھا جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ یہ لوگ دنیا میں دوسروں کے دل دکھاتے تھے، اب ان کو یہ سزا ملی کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو دکھا رہے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کا اپنے گھر والوں کے آرام کی فکر کرنا

اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ اس چیز کا بڑا خیال کرتے تھے کہ دوسروں کو راحت ملے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، ہم اللہ کے بندوں کے لئے راحتِ جان بنیں، وبال

جان نہ بنیں، ذرا سنئے! سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سوئی ہوئی تھی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے بیدار ہوئے اور بڑے آہستہ آہستہ بستر سے اُٹھنے لگے اور جوتا پہنے بغیر ننگے پاؤں چل پڑے، میری آنکھ کھل گئی تھی، میں نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ایسے کیوں چل رہے ہیں؟ فرمایا: عائشہ! میں نے سوچا کہ تم سوئی ہوئی ہو، کہیں میرے اٹھنے کی وجہ سے تمہاری آنکھ نہ کھل جائے۔ حالانکہ بیوی ہیں اگر اٹھ بھی جائیں اور بیوی کی آنکھ کھل جائے تو کوئی بڑی بات نہیں سمجھی جاتی، لیکن اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اتنی رعایت فرما رہے ہیں کہ میرے عمل کی وجہ سے کہیں اس کی نیند خراب نہ ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے نہیں پہنے، ننگے پاؤں چلنے لگ گئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مخلوق کی خدمت کا جذبہ

یہی عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں نظر آتا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ملنے کے لئے آئے، یہ خلافت صدیقی کا زمانہ ہے، انھوں نے ایک کاغذ پڑا دیکھا، جس پر Society (معاشرہ) کے جو بوڑھے تھے، یا Senior citizen (عمر رسیدہ) تھے، یا Handicapped (معذور) تھے، ان کے نام لکھے ہوئے تھے کہ فلاں بندہ معذور ہے، اس کو خدمت درکار ہے، فلاں بوڑھے کو خدمت درکار ہے، اور پھر جس بندہ نے خدمت اپنے ذمہ لی تھی ان کا بھی نام لکھا ہوا تھا، تو عمرؓ نے پوری لسٹ دیکھی تو ایک جگہ ایک بوڑھی عورت کا نام لکھا تھا اور آگے جگہ خالی تھی، تو عمرؓ نے کہا کہ میں ان کا Address (پتہ) نوٹ کر لیتا ہوں، ان کی خدمت میں کروں گا، ذرا سوچئے وہ کیسا ماحول تھا کہ معاشرہ میں کوئی بندہ جس کو مدد کی ضرورت ہوتی تھی صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے ذمے لیتے تھے کہ ہم ان کی خدمت کریں گے، آج تو ماں اور باپ کی خدمت نوجوان نہیں کر پاتے، اپنے گھر کے بڑے بوڑھوں کی خدمت نہیں کر پاتے، ایک وہ زمانہ تھا، اب عمرؓ نے فجر کی نماز پڑھی اور اس بوڑھی عورت کے گھر گئے، دروازہ کھٹکھٹایا، اس نے پوچھا: کون؟ بتایا کہ میں عمر فاروق ہوں اور آپ کی خدمت کے لئے آیا ہوں، انھوں نے کہا: میری خدمت تو کوئی بندہ پہلے سے کرتا ہے، وہ آیا اور کر کے چلا گیا، پوچھا کہ وہ بندہ کون ہے؟ اس بوڑھی نے کہا: نہ میں نے کبھی نام

پوچھا، نہ اس نے بتایا، پھر پوچھا: اماں! وہ ہے کیسا ہے؟ بوڑھا ہے، جوان ہے، موٹا ہے، پتلا ہے، اس نے کہا: بیٹے! وہ باہر سے آواز دیتا ہے کہ پردہ کرلو، میں کمرہ میں چلی جاتی ہوں، جب کام ہوجاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ پردہ ختم ہوگیا، وہ نکل جاتا ہے، میں باہر آجاتی ہوں، میں نے آج تک اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھا، اس زمانے میں گھروں میں پانی کا انتظام نہیں ہوتا تھا، باہر کنوؤں پہ یا چشمہ پہ پانی ہوتا تھا، وہاں سے مشک میں پانی بھر کے لاتے تھے اور گھر کے برتن پانی سے بھر دیتے تھے، جو دھونے والے برتن ہوتے وہ دھو دیتے تھے، جھاڑو دے دیتے تھے، بس یہی خدمت ہوتی تھی۔ اب جب عمرؓ کو پتہ چلا کہ کوئی بندہ آتا بھی ہے، خدمت بھی کر کے جاتا ہے اور اس بوڑھی عورت کو پتہ بھی نہیں، انھوں نے سوچا کہ میں کل فجر سے پہلے آجاؤں گا، عمرؓ اگلے دن تہجد پڑھ کے اس بڑھیا کے گھر آگئے، پوچھا: اماں! میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں، اس نے کہا: خدمت کرنے والا آیا تھا اور خدمت کر کے رات کو چلا گیا، عمرؓ نے کہا اچھا میں اگلے دن دیکھتا ہوں، انھوں نے عشاء کی نماز پڑھی، اور جا کر اس بڑھیا کے گھر کے دروازے کے قریب چھپ کر بیٹھ گئے، کہ میں ساری رات جاگوں گا اور میں دیکھوں گا کہ کون خدمت کے لئے آتا ہے، فرماتے ہیں کہ جب رات گہری ہوگئی Pin drop silence (مکمل خاموشی) ہر طرف تاریکی چھا گئی، لوگ نیند کی آغوش میں چلے گئے، اس وقت میں نے دیکھا کہ ایک آدمی بہت آہستہ آہستہ پاؤں رکھتا ہوا، اس بڑھیا کے دروازے کے قریب آیا، جب قریب آیا تو میں کھڑا ہوا، میں نے پوچھا: "مَنْ أَنْتَ" آپ کون ہیں؟ تو جواب میں ابوبکر صدیقؓ کی آواز آئی کہ میں ابوبکر ہوں، میں نے کہا: امیر المؤمنین! اس بڑھیا کی خدمت آپ کرتے ہیں اور آپ نے اپنا نام بھی نہیں لکھا کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ خدمت کون کرتا ہے اور عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ صدیق اکبرؓ کے پاؤں میں جوتے نہیں تھے، میں نے کہا: امیر المؤمنین! کیا آپ کے پاس جوتے نہیں تھے؟ یا جوتے گھر چھوڑ کے آئے؟ تو صدیق اکبرؓ نے جواب دیا کہ یہ رات کا وقت ہے، اللہ کے بندے اور اللہ کی بندیاں اس وقت سو رہے ہوتے ہیں، میں نے ارادۃً اپنے جوتے گھر اتار دئے کہ میرے پاؤں کی آہٹ کی وجہ سے کسی کی نیند میں خلل نہ آجائے۔ یہ وقت کے امیر ہیں اور یہ ان کا عمل ہے، صحابہؓ دوسروں کی دل آزاری کا اتنا خیال رکھتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا اپنے ساتھی کو شرمندگی سے بچانے کا نرالا طریقہ

انسان انسان ہے، کچھ چیزیں بس میں نہیں ہوتیں اور اگر ہو جائیں تو شرمندگی بھی ہوتی ہے، چنانچہ ایک قصہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ چند صحابہ بیٹھے ہوئے تھے، اچانک محسوس ہوا کہ کسی کا وضو ٹوٹ گیا، بو محسوس ہوئی، اب صاف ظاہر ہے کہ جس کا وضو ٹوٹا اگر وہ اٹھتا اور وضو کے لئے جاتا تو اس کو شرمندگی ہوتی، تو ابن عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اجازت دیں تو ہم سب کے سب دوبارہ وضو کر کے آئیں، فرمایا: جاؤ، جتنے صحابہ تھے سب گئے، اس لئے وضو کر کے آئے کہ جس کا وضو ٹوٹا اس کو کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑ جائے۔ ذرا اندازہ کیجئے کہ وہ کتنا خیال رکھتے تھے کہ دوسرے بندے کے دل کو تکلیف نہ پہنچے۔

پڑوسی کو تکلیف پہنچانے والوں کا انجام

ایک حدیث مبارک سنئے! ''خَرَجَ رَسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِیْ غَزاۃٍفَقالَ'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر پہ جا رہے تھے، تو سفر پہ جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لَایَصْحَبْنَا الْیَوْمَ مَنْ آذٰی جَارَہٗ'' وہ بندہ ہمارے ساتھ سفر پہ نہ جائے جس نے اپنے پڑوسی کو تکلیف دی، ''فَقَالَ رَجُلٌ'' ایک آدمی کھڑا ہوا، اس نے کہا ''أَنَا بُلْتُ فِی أَصْلِ حَائِطِ جَارِیْ'' میں نے آج اپنے پڑوسی کی دیوار کی بنیاد میں پیشاب کیا تھا، یعنی دیوار کے قریب پیشاب کیا اور پیشاب دیوار کی بنیاد میں چلا گیا، ''فَقَالَ'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا تَصْحَبْنَا الْیَوْمَ'' تو آج ہمارے ساتھ سفر نہیں کر سکتا اس لئے کہ تو نے پڑوسی کو تکلیف پہنچائی، ذرا غور کریں! جو پڑوسی کے دیوار کے قریب پیشاب کر دے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اسے سفر پہ ساتھ نہیں لے کے جا رہے ہیں، جو لوگوں کے دل دکھاتا ہوگا اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ جنت میں کیسے لے کے جائیں گے؟ اور ہم دل بھی کس کے دکھاتے ہیں؟ جو اپنے ہیں، بیوی کا دل دکھایا، ماں باپ کا دل دکھایا، بھائی کا دل دکھایا، بہن کا اور پڑوسی کا دل دکھایا، ہمیں اس چیز کی اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اور عجیب بات آپ دیکھیں کہ کتنے پڑھے لکھے اور ماسٹر ڈگری کی ہوئی ہے لیکن غلط پارکنگ کرکے چلے جاتے ہیں، اب بھائی اتنی اچھی تعلیم کا کیا فائدہ ہوا کہ آپ نے یونیورسٹی بھی پڑھ لی، یا مدرسہ میں بھی پڑھ لیا اور آپ نے پارکنگ کرتے ہوئے یہ خیال نہ کیا کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف ہوگی یا نہ ہوگی، لوگ پریشان ہوتے، Traffic Block (گاڑیوں کی آمدورفت بند ہونا) ہوجاتا ہے، اس قسم کا کوئی بھی کام جس سے دوسرے بندوں کو تکلیف پہنچے، شریعت نے اس کو منع فرمادیا ہے۔

دسترخوان سمیٹنے کا انوکھا طریقہ

ہمارے اکابر کیسے بچتے تھے، ذرا ایک دو واقعات سن لیجئے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میرا زمانہ طالبعلمی ختم ہوا تو میں افتاء کرچکا تھا، مفتی بن چکا تھا، تو میں نے دل میں سوچا کہ میں بزرگوں کے پاس کچھ وقت گذاروں تو میں میاں اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے دسترخوان لگوایا، کھانا کھلایا، کھانا کھا کر میں نے کہا کہ حضرت! اجازت ہو تو میں دسترخوان سمیٹ لوں، تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے دسترخوان سمیٹنا کسی سے سیکھا ہے؟ ذرا سنئے! وہ مفتی بن چکے ہیں، ان سے Question (سوال) کر رہے ہیں کہ تم نے دسترخوان سمیٹنا کسی سے سیکھا ہے؟ تو میں نے کہہ دیا کہ حضرت! آپ سکھا دیجئے، فرمانے لگے کہ میں تو اس طرح سمیٹتا ہوں کہ جو روٹی اور کھانے کے ٹکڑے بچے ہوتے ہیں، ان کو میں الگ کر لیتا ہوں، اور بچی ہوئی سالن روٹی گھر میں پہنچا دیتا ہوں، تاکہ دوسرے وقت استعمال ہوجائیں، پھر کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بچے ہوتے ہیں، میں ان ٹکروں کو اٹھا کے مزید چھوٹا کردیتا ہوں اور وہ میں باہر پرندوں کو ڈال دیتا ہوں، تاکہ ان کو بھی رزق مل جائے، پھر دسترخوان کے اوپر بالکل چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، جن کو ذرے کہتے ہیں، میں ان سارے ذرات کو اکٹھا کرتا ہوں اور باہر جہاں چینوٹیاں ہوتی ہیں، میں ان ٹکڑوں کو وہاں ڈال دیتا ہوں، تاکہ چینوٹیوں کی غذا بن جائے پھر دسترخوان پر جو ہڈیاں پڑی ہوتی ہیں میں، ان کو الگ کرتا

ہوں اور گلی میں فلاں جگہ پر کتے گذرتے ہیں، میں ان ہڈیوں کو فلاں جگہ ڈال دیتا ہوں، تاکہ وہ کتوں کی غذا بن جائے اور دیکھو تم نے ابھی آم کھائے ہیں تو ان کی جو گٹھلیاں ہیں، میں ان گٹھلیوں کو اٹھا کر کے فلاں جگہ جہاں بچے شام کو کھیلتے ہیں، میں اس گراؤنڈ کے قریب جا کے ڈال دیتا ہوں تو بچوں کو آم کی گٹھلیاں مل جاتی ہیں، وہ گٹھلیوں سے کھیلتے ہیں، ان کے دل خوش ہوتے ہیں، اور یہ جو آم کے چھلکے بچے ہیں، میں ان کو باہر گلی میں ڈھیر کی شکل میں نہیں ڈالتا، کیونکہ پڑوس میں غریب بندہ رہتا ہے، اس کا بچہ دیکھے گا کہ انھوں نے تو آم کھائے اور ہمیں تو کھانے کو روٹی بھی نہ ملی، ان کو تکلیف پہنچے گی، اور اس تکلیف کا سبب میں بنوں گا، فرمانے لگے کہ میں یہ چھلکے لے کے باہر نکل پڑتا ہوں، ایک چھلکا یہاں کوڑے کی جگہ پہ ڈال دیتا ہوں، پھر دس قدم چل کے دوسرا چھلکا وہاں کوڑے میں، الگ الگ کر کے چھلکے ڈالتا ہوں، تاکہ قریب کی آبادی کو پتہ بھی نہ چلے کہ کسی نے پھل کھائے ہیں یا نہیں کھائے ہیں۔ دستر خوان سمیٹنے کی یہ ترتیب تو ہم میں سے اکثر لوگوں نے سنی بھی نہیں تھی، ہمارے اکابر دوسروں کے دل کی تکلیف کا اتنا خیال فرماتے تھے۔

ایک فاحشہ عورت کی تکلیف کا خیال

چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے عشاء کی نماز مسجد میں پڑھی اور پھر حضرت کے گھر جانے لگا، راستے میں ایک جگہ حضرت نے جوتے اتار لئے اور ننگے پاؤں چلنے لگ گئے اور دس بیس قدم ننگے پاؤں چل کے پھر جوتے پہن لئے، مجھے بڑی حیرت ہوئی، پوچھا: حضرت! یہ درمیان میں کوئی مسجد کا ٹکڑا تو آیا نہیں تھا کہ آپ نے جوتے اتار لئے اور ننگے پاؤں چلے، اور نہ تو اتنی صاف جگہ تھی، بلکہ عام گلی تھی، تو حضرت نے فرمایا کہ اس جگہ پر جو گھر ہے وہ ایک غیر مسلم عورت کا ہے، جو جسم فروشی کا کام کیا کرتی تھی، اب بوڑھی ہوگئی، اب اس کے پاس Customer (خریدار) تھوڑے آتے ہیں، میں جب یہاں سے گذرتا ہوں تو رات کا وقت ہوتا ہے، مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں وہ کسی کے انتظار میں نہ بیٹھی ہو اور مرد کے جوتوں کی آواز سن کے اس کو امید ہو کہ کوئی میرے پاس آیا ہوگا، میں جوتے اتار لیتا ہوں کہ اس کو مرد

کے قریب سے گذرنے کا پتہ ہی نہ چلے اور میری وجہ سے اس کو تکلیف نہ پہنچے، غیر مسلم عورت کا بھی اتنا خیال! اللہ اکبر کبیرا

أولٰئک آبائی فَجِئنِی بِمِثلِهِم إذَا جَمَعَتنَا یَا جَرِیر المَجَامِع

یہ تھے ہمارے اکابر، یہ تھے جن کو اللہ نے اخلاق محمدی ﷺ کا نمونہ بنایا ہوا تھا، وہ دوسروں کے دلوں کو راحت پہنچاتے تھے، ان کو تکلیف نہیں پہنچاتے تھے، انسان تو انسان، وہ جاندار کو بھی تکلیف نہیں دیتے تھے۔

چیونٹی کو بھی تکلیف پہنچانے سے پرہیز

چنانچہ سنئے! ایک بزرگ تھے، بیوی نے کہا کہ بازار سے میرے لئے کپڑا لے آئیں، انھوں نے کہا بہت اچھا، وہ گئے اور بازار سے کپڑے کے تھان لے آئے اور لا کے کپڑے دئے، تو بیوی نے کہا بڑا اچھا کپڑا ہے، مجھے پسند آیا، انھوں نے کہا: اچھا یہ تھان ابھی میں لے آتا ہوں، وہ تھان لے کے گئے اور کچھ دیر بعد واپس آ گئے، بیوی نے پوچھا تھان بدلا تو نہیں، کیوں لے کے گئے تھے؟ کہنے لگے: میں نے اس تھان پر ایک چینوٹی کو چلتے ہوئے دیکھا اور یہ چینوٹی میں نے اس دوکان پر چینوٹیوں کو کپڑے کے پاس چلتے ہوئے دیکھا تھا، مجھے لگا کہ یہ چینوٹی وہاں سے تھان کے ساتھ گھر آ گئی، اب یہ اپنے خاندان سے الگ ہو گئی، میں تھان لے کر گیا، چینوٹی کو وہاں چھوڑ کر تھان کو واپس لے آیا، ہمارے بزرگ اگر چینوٹی کی اذیت کا خیال رکھتے تھے تو کیا اللہ کے بندوں کی اذیت کا ہم خیال نہیں رکھ سکتے، ہم قیامت کے دن اللہ کو کیا جواب دیں گے، آج تو ہم میں سے بعض دوست ایسے ہیں جیسے بے سینگ کے بکرے ہوتے ہیں، ادھر ہو گیا تو اس کو سینگ لگا دیا، ادھر ہو گیا تو ادھر سینگ لگا دیا، ذرا سی بات پہ جھگڑا کر لیتے ہیں، الجھ پڑتے ہیں، ہاتھ اٹھا لیتے ہیں، گالیاں نکالنی شروع کر دیتے ہیں اور کئی مرتبہ تو زندگی بھر کا بیر کما لیتے ہیں، یہ انسان کہاں سے ہوئے، یہ انسان نہیں، یہ تو جانوروں میں سے بلکہ فرمایا "أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ" جانور ہیں بلکہ جانور سے بھی بدتر ہیں "أُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ"

بلی کو آرام پہنچانے کا صلہ

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ یہ سمرقند کے رہنے والے تھے، جو رشیا ازبکستان کی آزاد ریاستیں ہیں؛ چونکہ وہاں سردی بہت ہوتی ہے سائبیریا کی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں Chilled air (شیت لہر یا سرد لہر) کی وجہ سے بہت ٹھنڈ ہوتی ہے، بعض مرتبہ تو 20- Degree Celsius ٹمپریچر ہوجاتا ہے، حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے ایک مرتبہ تہجد کی نماز پڑھی، جب نماز ادا کرلی تو ٹھنڈ بھی لگ رہی تھی، باوجود اس کے کہ کمبل لی ہوئی تھی، تو سوچا کہ میں جلدی سے بستر پہ آجاؤں، جب بستر کی طرف آئے تو دیکھا کہ ایک بلی جو کہیں تھی وہ آ کے رضائی میں گھس گئی تھی، سوچا کہ بلی کو بھی ٹھنڈ لگ رہی ہے، اور وہ رضائی میں گھس گئی، اگر میں رضائی میں سوؤں گا تو بلی کی نیند خراب ہوگی، تو حضرت اٹھ کر واپس مصلے پہ آئے، سردی برداشت کرتے رہے، حتی کہ فجر ہوگئی، بلی چلی گئی تب بستر پہ آئے، اس واقعہ پر ان کے شیخ کو الہام ہوا کہ ان سے کہئے کہ یہاں سے یہ ہندوستان کی طرف جائیں، ان کو ایک بڑا شہباز ملے گا، چنانچہ شیخ کے حکم پر خواجہ باقی باللہؒ سمرقند سے ہجرت کرکے دہلی آئے، اور یہاں ان کے مرید حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بنے۔ ایک بلی کی تکلیف کا خیال کرنے پر اللہ نے دیکھو ان کو کیسا شاگرد عطا فرمادیا۔

پرندوں کو تکلیف پہنچانے سے پرہیز

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے، وہ مصر کے فاتح تھے، ان کے خیمے لگے ہوئے تھے اور کئی دن کو وہاں مصروف رہنا پڑا، جب کام مکمل ہوگیا تو انھوں نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ خیمے سمیٹو اور اب شہر میں جاکے رہو، جب اپنا خیمہ سمیٹنے کے لئے آئے تو دیکھا کہ خیمے کے اندر ایک کبوتری نے انڈے دئے ہوئے ہیں تو سوچا کہ اگر میں خیمہ یہاں سے ہٹاؤں گا تو اس پرندے کو تکلیف ہوگی، میں بغیر خیمے کے سولیا کروں گا مگر میں اس خیمے کو یہیں رہنے دیتا ہوں، چنانچہ سارے لوگ چلے گئے، وہ خیمہ وہیں رہا، خیمہ کو عربی میں فُسطاط کہتے ہیں، آج اس جگہ پر فسطاط نام سے ایک پورا شہر آباد ہوچکا ہے، جو ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہمارے بڑے، انسان تو انسان، پرندوں اور چھوٹے جانداروں کی راحت و تکلیف کا اتنا خیال کیا کرتے ہیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں، ان کو ایک درخت کے اوپر چھوٹے چھوٹے پرندے کے بچے نظر آئے، جو بڑے خوبصورت تھے، انھوں نے وہ بچے اٹھالئے اور لے کر چل پڑے، ابھی راستے میں تھے انھوں نے دیکھا کہ ان پرندوں کی ماں آگئی، وہ کہیں دانہ چننے گئی ہوئی ہوگی، اور اس نے ان کے سر کے اوپر چکر لگانے شروع کردئے، یہ صحابی اس کے Message (پیغام) کو نہیں سمجھے کہ یہ ماں کیا چاہتی ہے، یہ بچوں کو لے کر چلتے رہے چلتے رہے، کچھ دیر کے بعد وہ چڑیا بالآخر ان کے کندھے کے اوپر آکے بیٹھ گئی تو انھوں نے اس کو بھی پکڑ لیا، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی خوبصورت بات یہ تھی کہ ہر پیش آنے والی نئی بات کو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے تھے، پوچھتے تھے کہ شریعت کا حکم کیا ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو ماں کہیں گئی ہوئی تھی، تم نے چھوٹے بچوں کو اٹھالیا، جب واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ گھونسلہ خالی ہے، وہ پریشان ہو کر تلاش میں نکلی، تمہارے ہاتھ میں بچے دیکھے، وہ تمہارے سر پہ چکر لگاتی رہی، آوازیں نکالتی رہی، وہ تم سے فریاد کر رہی تھی کہ مجھے میرے بچوں سے دور مت کرو، مجھے اپنے بچوں سے جدائی برداشت نہ ہوسکے گی، لیکن تم اس کا Message (پیغام) نہیں سمجھے تو پھر وہ ماں تھی، اس نے کہا اچھا اگر تم میرے بچوں کو نہیں چھوڑتے تو پھر مجھے بھی گرفتار کرلو، میں گرفتار تو ہوجاؤں لیکن بچوں کے ساتھ اکٹھی تو ہوجاؤں گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ماں ہے، اس کے دل میں اللہ نے اولاد کی ایسی محبت رکھی ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ ماں اور بچوں کو اسی گھونسلہ میں واپس چھوڑ کر آؤ، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرندے کی تکلیف کا خیال فرمایا۔

پیاسی مکھی کی پیاس بجھانے پر مغفرت

بلکہ ایک اس سے بھی آگے کی بات سن لیجئے، ایک محدث تھے، انھوں نے بڑی حدیث کی خدمت کی، وفات ہوگئی، کسی کو خواب میں نظر آئے، اس نے پوچھا کہ حضرت! کیا بنا؟ انھوں نے کہا کہ مغفرت ہوگئی، اس نے کہا کہ مغفرت تو ہونی تھی، آپ نے تو اتنی حدیث

کی خدمت کی، وہ کہنے لگے کہ حدیث کی خدمت کی وجہ سے مغفرت نہیں ہوئی، پوچھا حضرت! کس وجہ سے ہوئی؟ فرمانے لگے کہ ایک ایسا عمل جو مجھے یاد بھی نہیں تھا، پوچھا: حضرت! کونسا عمل؟ فرمانے لگے میں بیٹھا حدیث مبارک لکھ رہا تھا، میں نے دوات کے اندر قلم ڈالی اور نکال لی، تو جو سیاہی لگی ہوئی تھی اس کے اوپر مکھی آ کے بیٹھ گئی، میرے دل میں خیال آیا کہ یہ مکھی پیاسی ہوگی اور یہ سیاہی پینا چاہتی ہے تو میں نے چند سکنڈ کے لئے اپنی قلم کو وہیں پکڑے رکھا کہ وہ تسلی سے پی لے، وہ ایک دو سکنڈ کے بعد اڑ کے چلی گئی، میں نے پھر حدیث لکھنی شروع کر دی، اللہ کریم نے فرمایا کہ تم نے ایک مکھی کی پیاس کا خیال کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو ایک جگہ روکا تھا، ہم نے اس عمل پر جہنم کی آگ کو تجھ پر حرام کر دیا۔

ہمیں اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے

ہم ذرا اپنے گریبان میں جھانک کے دیکھیں Where do we stand (ہمارا کیا حال ہے) ہم تو اللہ کے بندوں کا دل دکھاتے ہیں، گھروں میں بیویاں رو رہی ہوتی ہیں اور صاحب موبائل پہ لگے ہوئے ہوتے ہیں، ان کو زلیخائیں نہیں بھولتیں، پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں، گناہوں کی زندگی میں لگے ہوئے ہوتے ہیں اور گھر میں اپنی بیوی آنسو بہا رہی ہوتی ہے، اس کو راتوں کو نیند نہیں آتی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان کرتے ہیں، اس کو تو گویا انسان ہی نہیں سمجھتے، تو معلوم ہوا کہ ہم کو اپنی زندگی میں بہت ساری تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، ہمارے دل بے حس ہو گئے ہیں، اللہ رب العزت بے حس انسان کو پسند نہیں فرماتے، اس کو حساس بنانا پڑے گا۔

بلی کو بھوکا پیاسا رکھنے پر جہنم کا فیصلہ

ذرا حدیث مبارک سنئے "عُذِّبَتْ امرأۃٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ" ایک نیک عورت تھی بلی، کبھی کبھی دودھ پی لیتی تھی، اس نے اس بلی کو باندھ دیا اور کھانا پینا بھی نہ دیا، حتیٰ کہ وہ بلی مر گئی، حدیث پاک میں ہے کہ اس گناہ پر اللہ رب العزت نے سب عبادتوں کو ٹھکرا کر اس کو جہنم میں بھیج دیا کہ تم نے بلی کو کیوں بھوکا پیاسا مارا۔

اگر کسی کی دلآزاری کی، تو اب کیا کریں؟

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دوسرے کے دل کی اذیت اللہ کو اتنی ناپسند ہے تو ہم تو پتہ نہیں کتنوں کو اذیت پہنچا چکے، اب کیا کریں؟ تو اس کے لئے دو کام کرنا پڑے گا، ایک تو یہ کہ جن کے بارے میں پتہ ہے کہ ہم نے ان کی غیبت کی، ہم نے ان کا دل دکھایا، ہم نے جھگڑا کیا، ان سے معافی مانگ لی جائے اور معافی مانگنے میں شرم محسوس نہ کریں، ماں باپ سے مانگیں، بھائی بہن سے مانگیں، بیوی سے مانگیں، بیوی خاوند سے مانگے، پڑوسی پڑوسی سے مانگے، معافی مانگنے میں کبھی بھی شرم محسوس نہ کریں، یہاں معافی ملنی آسان اور قیامت کے دن معافی ملنی مشکل کام۔

معافی مانگنے کا غلط طریقہ

ہم نے دیکھا ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو جنازہ پڑھنے سے پہلے اعلان کر دیتے ہیں کہ بھائی! اگر کسی کا لین دین ہو تو ورثاء سے رابطہ کرو اور اگر کسی کا دل دکھایا ہو تو معاف کر دو، ہے تو بظاہر یہ بڑی اچھی عادت، لیکن اتنا Question (سوال) ہے کہ جن جن کے دل اس مرنے والے نے دکھائے ہوں گے، کیا وہ سب جنازہ پڑھنے آئے ہوں گے؟ اگر نہیں تو پھر اعلان کا کیا فائدہ؟ لہٰذا مرنے کے بعد اعلان کے انتظار میں نہ رہیں، اپنی زندگی میں ہمیں اچھی طرح پتہ ہے کہ ہم نے کس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے، کس کے ساتھ بدسلوکی کی، ہم اپنی زندگی میں ان سے معافی مانگ لیں۔

معافی مانگنے کا آسان طریقہ

اس کا آسان طریقہ یہ ہے، علماء نے لکھا کہ یہ نہیں کہ آپ جا کے Detail (تفصیل) بتائیں کہ میں نے یہ کیا یہ کیا، بس اتنا کہہ دیں کہ بھائی! آپ کے میرے اوپر حقوق آتے ہیں، میں ادا نہیں کر سکا، آپ مجھے اللہ کے لئے معاف کر دیں، اگلے نے اگر زبان سے کہہ دیا کہ میں نے معاف کر دیا تو بھی معافی ہو جائے گی اور اگر یہ بات سن کے اگلا

مسکرا پڑا تو اس کی مسکراہٹ بھی معافی میں شمار کی جائے گی۔ ہمارے ایک بزرگ تھے، ماشاء اللہ ان کی بڑی خوبصورت عادت تھی کہ وہ جب کسی سے ملتے تھے تو ملنے کے بعد جدا ہوتے ہوئے کہتے کہ بھائی! آپ کے میرے اوپر بڑے حقوق ہیں میں کمزور ہوں، میں پورے نہیں کرسکا، مجھے اللہ کے لئے معاف کردیں، وہ ہر کسی کو کہتے تھے، کیا چھوٹا کیا بڑا، کیا پرانا کیا نیا، تھوڑی دیر کی ملاقات ہوتی تو بھی اس کو کہتے آپ کے تو میرے اوپر بڑے حقوق ہیں، میں رعایت نہ کرسکا، آپ مجھے معاف کردیں۔ ہمیں بھی دنیا ہی میں اپنے حقوق معاف کرالینے چاہئیں، ورنہ قیامت کے دن کوئی نہیں معاف کرے گا۔

ایک واقعہ سن لیجئے! ملک شاہ ایک بادشاہ گذرا ہے، وہ ایک مرتبہ شکار کے لئے نکلا، اس کو ہرن کا شکار کرنا تھا، اس کے ساتھ اس کے قافلے کے لوگ بھی تھے، اب اس قافلہ کے لوگوں نے وہاں ایک گائے یا بھینس دیکھی، ان کو کھانے پینے کی ضرورت تھی، انھوں نے اس کو ذبح کیا اور اس کا انھوں نے سالن بنایا، گوشت اور کباب بنا کے کھالیا، وہ ایک بوڑھی عورت کی تھی، اس نے آکے کہا کہ اسی کے دودھ سے میرا گذران ہوتا تھا، مجھے لسّی ملتی تھی، مجھے مکھن ملتا تھا، میرا گذران چلتا تھا، آپ لوگوں نے اس کا کباب بنا کے کھالیا تو مجھے قیمت دے دو، میں دوسری بھینس خرید لوں گی، انھوں نے کہا کہ پیسے نہیں، وہ بڑی پریشان ہوئی، اس نے کہا کہ اچھا مجھے بادشاہ سے ذرا بات کرنے دو، میں ان سے مانگ لوں گی، انھوں نے کہا: نہیں، تجھے آگے بھی جانے کی اجازت نہیں، اب وہ پریشان کہ میں کیا کروں، کسی نے مشورہ دیا کہ ملک شاہ اچھا انسان ہے اور یہ ایک دن کے بعد واپس جائے گا، راستے میں ایک دریا پڑتا ہے، دریا میں ایک ہی پل ہے، دوسرا راستہ واپسی کا نہیں ہے، تو آپ چلی جاؤ اور پل کے اوپر بیٹھ جاؤ، جب بادشاہ کی سواری گذرے گی تو اپنی بات کہہ دینا، بادشاہ آپ کو بھینس کی قیمت دے دے گا، وہ بوڑھی عورت وہاں پہنچ گئی، دوسرے دن جب بادشاہ کی سواری آئی تو جب پل پہ پہنچی تو بوڑھی عورت کھڑی ہوئی اور بوڑھی عورت نے بادشاہ کی سواری کی لگام پکڑ لی، ملک شاہ

کہنے لگا: اماں! کیوں سواری روکی ہے؟ تو بوڑھی عورت نے جواب دیا کہ ملک شاہ! میرا اور تیرا ایک معاملہ ہے، میں تجھ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس پل پہ فیصلہ کرنا چاہتا ہے یا قیامت کے دن پل صراط پہ کرنا چاہتا ہے؟ کہتے ہیں کہ جب اس بوڑھی نے یہ الفاظ کہے تو ملک شاہ کانپ اٹھا، سواری سے نیچے اترا، بات پوچھی، اور سات جانوروں کی قیمت اس کو دی، سات جانوروں کی قیمت دے کے اس سے کہا: اماں! اسی پل پہ معاف کر دو، میں پل صراط پہ حساب دینے کے قابل نہیں ہوں۔ تو ہم بھی یہ سوچیں کہ ہم کو بھی جو معافیاں مانگنی ہیں، اسی دنیا میں مانگ لیں، چہ جائے کہ کل ہمیں کوئی پلصراط پہ پکڑ کے کھڑا ہو، آج وقت ہے کہ ہم معافی مانگ لیں۔ دوسری بات کہ آئندہ ہم دوسروں کا دل دکھانے سے توبہ کرلیں۔ اور تیسری بات کہ آئندہ اللہ کے بندوں کا دل خوش کرنے کی زندگی گذاریں، اچھے اخلاق سے، اچھی عادات سے، اچھے معاملات سے ہم اللہ کے بندوں کا دل خوش کریں کہ یا اللہ! جیسا گناہ پہلے کرتے تھے، اب اسی جنس کی نیکی کر رہے ہیں، اللہ کے بندوں کو خوش کر رہے ہیں۔

ذرا سنئے! صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل کیا تھا، اسلم ایک صحابی ہیں جو عمر فاروق کے غلام تھے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عمر نے فرمایا کہ اسلم! چلو آج مدینہ میں ذرا چکر لگاتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ لوگ کس حال میں ہیں، تو ہم نے مدینہ میں چکر لگالیا، فرمانے لگے کہ سنا ہے باہر ایک قافلہ آیا ہے، چلو ذرا ان قافلہ والوں کا حال بھی پتہ کر کے آئیں، کہنے لگے کہ وہاں گئے تو قافلے کے لوگ سو رہے تھے، البتہ ایک جگہ آگ جل رہی تھی اور ایک عورت تھی اور کچھ بچے پاس تھے، جب ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ بچے رو رہے ہیں، تو عمر نے پوچھا کہ اے خاتون! تو ان بچوں کو کیوں رلا رہی ہے؟ اس نے کہا: میں کیا بتاؤں، میرے بچے بھوک سے رو رہے ہیں، اور میرے سینے میں دودھ بھی نہیں کہ میں پلاؤں اور بچوں کو کھلانے کے لئے کوئی چیز بھی نہیں، میں نے بچوں کو سلانے کا یہ طریقہ اپنایا کہ آگ جلائی اور چولہے پہ ہنڈیا میں صرف پانی ڈال دیا کہ بچوں کو امید لگ جائے گی کہ کچھ بن رہا ہے اور یہ بے چارے سو جائیں گے،

میں بیوہ عورت ہوں، اب اس بات کو سن کے عمرؓ کا دل ڈر گیا کہ یہ بیوہ عورت ہے اور اس تکلیف میں ہے، اسی وقت واپس آئے، بیت المال کا دروازہ کھلوایا، گھی نکالا، چینی نکالی، آٹا نکالا، اور اسلم کو کہا کہ اسلم! میری پیٹھ پہ لاد دو، اسلم نے کہا: میں آپ کا خادم آپ کا غلام، میں پیٹھ پہ لے کے جاتا ہوں، فرمایا: اسلم! قیامت کے دن عمر کا بوجھ عمر ہی اٹھائے گا "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ" کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، یہ میری ذمہ داری تھی کہ ان کو کھانا ملتا، نہیں ملا تو یہ میرا قصور ہے، اسلم! میرے کندھے پہ رکھو، اسلم کہتے ہیں میں غلام ہو کر میں نے بوری اٹھا کے عمرؓ کے کندھے پہ رکھی اور وہ مشقت کے ساتھ اٹھا کے چل رہے تھے، وہاں پہنچے تو اس عورت کو کہا کہ دیکھو یہ آٹا ہے اور یہ گھی ہے اور یہ چینی ہے، تم حلوہ سا بنا دو اور بچوں کو کھلا دو، اس نے کہا ٹھیک ہے، عمرؓ نے کہا کہ تم برتن تیار کرو، میں آگ جلا دیتا ہوں، چنانچہ امیر المؤمنین نے لکڑیاں ڈالیں، آگ جلانے لگے، لکڑیاں گیلی تھیں، آگ جلتی نہیں تھی، اب عمرؓ پھونکیں مار رہے ہیں، پھونکیں مار رہے ہیں اور آگ بالآخر انھوں نے جلائی اور آگ پہ ہنڈیاں رکھی، برتن رکھا، آٹا گھی جو بھی تھا ڈال کے ایک حلوہ سا بنا دیا، جب حلوہ بنا دیا تو بچے خوش ہو گئے کہ کھانے کو ملا، میں نے کہا حضرت! چلیں کام تو مکمل ہو گیا، فرمایا: نہیں، اسلم! ذرا تھوڑی دیر بیٹھو، ہم بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد وہ حلوہ ٹھنڈا ہوا اور بچوں نے کھانا شروع کیا اور بچے جو بھوکے تھے، بڑے شوق سے انھوں نے کھایا اور کھانے کے بعد بچے ہنسنے لگے، کھیلنے لگے، عمرؓ ان بچوں کو بیٹھے دیکھ رہے ہیں، کافی دیر کے بعد اٹھے اور چلنے لگے، میں نے کہا: امیر المؤمنین! آپ اتنی دیر کیوں بیٹھے اسی جگہ پر بچوں کو کھیلتے دیکھتے رہے؟ فرمانے لگے اسلم! میں نے ان بچوں کو روتے ہوئے دیکھا تھا، میرا جی چاہا کہ ان کو ہنستے ہوئے میں دیکھ لوں۔

اللہ کے بندوں کا دل خوش کرنے کا انعام

آج تک اگر ہم نے اپنی بیوی کو رلایا ہے تو اب محبت پیار اور ہدیہ دے کر اس کو خوش بھی دیکھیں، ماں باپ کو خوش دیکھیں، پڑوسی کو خوش دیکھیں، دوست واحباب کو خوش

دیکھیں، تو ایک کام یہ کہ جن کے دل دکھائے اب ان کو خوش بھی کریں اور ایک عام دستور بنائیں کہ ہم اللہ کے بندوں کا دل خوش کریں گے۔ یہ مومن کے دل کو خوش کرنا سبحان اللہ! ایک کتاب میں پڑھا خواجہ معصومؒ نے اپنے مکتوبات میں نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ کسی مومن کے دل کو خوش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے، وہ فرشتہ قیامت تک اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس عبادت کا ثواب اس بندہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ مومن کے دل کو خوش کرنے کی اتنی فضیلت ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں، اللہ نے ان کو دنیا کا مال بھی بہت دیا تھا، ایک بندہ ان کے پاس آکر کہتا ہے حضرت! میرے اوپر سات سو دینار قرض ہے، اگر آپ مجھے ہدیہ میں دے دیں تو میں Payoff (قرض ادا کردوں) کردوں گا، ٹینشن ختم ہو جائے گا، مجھے ہر وقت فکر لگی رہتی ہے کہ سر پہ قرضہ ہے، حضرت نے چٹھ لی اور اپنے منشی کو لکھا کہ اس کو Pay (ادا) کردو، اس نے جا کے خوشی خوشی وہ چٹھ اس محاسب کو دکھائی کہ حضرت نے Pay (ادا) کرنے کے لئے چٹھ لکھ دی اور میرا تو سات سو دینار قرضہ ہے، منشی نے جب چٹھ دیکھی تو چٹھ کے اوپر لکھا ہوا تھا سات ہزار دینار، وہ سوچ میں پڑ گیا کہ ضرورت اس کو سات سو کی ہے اور حضرت نے سات ہزار لکھے، لگتا ہے کوئی Digit (ہندسہ) زیادہ پڑ گئی، غلطی ہو گئی، اس نے کہا میں حضرت سے ذرا Clarify (وضاحت) کرلوں، میں پوچھ کے آتا ہوں، وہ آیا، اور پوچھا کہ حضرت! اس کو سات سو دینار کی ضرورت تھی، شاید آپ نے سات سو لکھے ہوں، مگر لکھے ہوئے سات ہزار ہیں، حضرت نے فرمایا کہ چٹھ لاؤ، چٹھ دی تو حضرت نے سات ہزار کاٹ کے چودہ ہزار لکھ دیا، اب اس نے آکے چودہ ہزار کی ادائیگی تو کردی لیکن بڑا حیران ہوا، اس نے کہا کہ حضرت! ہمیں تو سمجھ میں نہیں آئی کہ ضرورت سات سو کی تھی، تو سات ہزار لکھے، اور میں نے پوچھا تو چودہ ہزار کردیا، کیا مسئلہ ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو میں نے ارادۃً سات ہزار لکھے تھے کہ سات سو کی Expectation (امید) کررہا ہے، جب خلاف توقع اس کو یہ سات ہزار ملیں گے تو اس کا دل خوش ہوگا، تم نے میرا کام خراب کردیا کہ Disclose (راز فاش) کردیا کہ سات ہزار لکھا ہے، اب گر اس کو میں

سات ہزار بھی دے دیتا تو اس کو خوشی نہ ہوتی تو میں نے کاٹ کے چودہ ہزار لکھا کہ توقع تھی کہ سات ہزار ملے گا، لیکن چودہ ہزار مل گیا تو اس کا دل خوش ہوگا، اس نے پوچھا: حضرت! یہ دل خوش ہونے کا کیا معنی؟ فرمانے لگے کہ میں نے نبی ﷺ کی یہ حدیث مبارک پڑھی ہے کہ جب کوئی انسان مومن کے دل کو ایسی خوشی پہنچاتا ہے، جس کی وہ توقع بھی نہیں کرتا، تو اس خوشی کے پہنچانے پر اللہ اس بندے کے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ کسی اللہ کے بندے کا دل خوش کرنا کتنا اللہ کو پسند ہے۔

بیوی کی غلطی کو معاف کر دینے پر مغفرت

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک آدمی تھا، جس کی بیوی سے کوئی غلط Decision (فیصلہ) ہوگیا، جس کی وجہ سے خواہ مخواہ لوگوں نے باتیں سنائیں کہ نقصان ہوا، اور نقصان ایسا تھا کہ اگر وہ چاہتا تو بیوی کو گھر بھیج دیتا، طلاق دے دیتا، سزا دیتا، جو کرتا ٹھیک تھا، مگر اس نے Feel (محسوس) کیا کہ یہ شرمندہ ہے کہ میں نے غلط Decision (فیصلہ) کیا، میں غلطی کر گئی، Repent (نادم ہونا) کر رہی ہے، اس نے کہا چلو کوئی بات نہیں، اللہ کی بندی تو ہے، چلو میں معاف کر دیتا ہوں، اب یہ بندہ کچھ عرصے کے بعد فوت ہوگیا، کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کہ سنائیں بھائی کیا ہوا، اس نے کہا کہ اللہ نے مغفرت کر دی، پوچھا بھائی! کس عمل کی وجہ سے؟ اس نے کہا بیوی سے کوتاہی ہوگئی تھی، میں چاہتا تو سزا دیتا، طلاق دیتا، جو چاہتا کرتا، مگر میں نے اسے اللہ کی بندی سمجھ کے معاف کر دیا، جب میری اللہ کے سامنے پیشی ہوئی، تو اللہ نے فرمایا: چلو میں نے بھی تجھے اپنا بندہ سمجھ کے معاف کر دیا۔ اللہ رب العزت کو دیکھو یہ عمل کتنا پسند ہے۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کا بیوی سے معافی مانگنا

ہمارے پیر و مرشد حضرت مرشد عالمؒ اپنی زندگی کا واقعہ خود سناتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں وضو کر رہا تھا اور اہلیہ پانی ڈال رہی تھیں، وضو کروا رہی تھیں، وضو کا پانی ڈالنے میں اس سے تھوڑی سی کوتاہی ہوئی، میں نے ان کو غصہ سے ڈانٹا کہ کدھر ہے تمہارا دھیان، وہ خاموش

ہوگئی، وضوتو میں نے کرلیا، اب وضو کرنے کے بعد میں گھر سے مسجد کی طرف چلا کہ میں مسجد میں نماز پڑھاؤں، ہمارے حضرت مرشد عالم مسجد کی امامت خود فرماتے تھے، فرماتے ہیں کہ جب میں گھر سے نکلا، سامنے مسجد کا دروازہ تھا، میرے دل میں خیال آیا کہ تم جا کے مصلے پہ امامت کرواؤ گے اور تم نے تو گھر میں بیوی کو بیجا ڈانٹا ہے، تمہاری نماز قبول کیسے ہوگی، فرماتے ہیں میں نے چھوٹے بچے کو پیغام دے کے بھیجا کہ جاؤ نماز کا وقت ہو چکا، لوگوں کو کہیں کہ میرا انتظار کریں میں آتا ہوں اور میں وہیں سے واپس لوٹا اور میں نے آ کے بیوی سے معافی مانگی کہ مجھ سے بیجا بات نکل گئی، آپ کا دل دکھا ہوگا، معاف کر دے، وہ مسکرا کے کہنے لگی کہ میں نے تو کچھ نہیں محسوس کیا، جب میں نے اس کو مسکراتا دیکھا تب میں نے آ کے امامت کروائی کہ اب میری اور نمازیوں کی نماز اللہ کے یہاں قبول ہوگی، اس میں میرے اور آپ کے لئے بہت Eye Opener (اہم سبق) ہے کہ ہمیں زندگی کیسے گذارنی ہے۔

ہمارے اکابر کے اخلاق کو دیکھ کر غیر مسلم مسلمان ہوتے تھے

نبی ﷺ نے ایسی اخلاق بھری زندگی گزارنے کی تعلیم دی کہ اگر ہم گذارنا شروع کردیں تو ہم اپنے ساتھ والوں کے لئے راحتِ جان بن جائیں۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، ایک یہودی تھا، اس سے کوئی مکان خریدنے آیا، مکان کی قیمت ایک ہزار دینار تھی، یہودی نے دو ہزار دینار مانگے تو وہ بندہ کہنے لگا کہ بھائی! اس Locality (علاقہ) میں ایک ہزار دینار کا مکان ہوتا ہے، تم تو ڈبل Price (قیمت) مانگ رہے ہو، تو یہودی نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار قیمۃ الدار یعنی گھر کی قیمت ہے، اور دوسرا ہزار دینار قیمۃ الجوار یعنی عبداللہ بن مبارک کے پڑوس کی قیمت ہے۔ وہ بندہ چلا گیا، عبداللہ مبارک ؒ کو پتہ چل گیا، آپ آئے اور آپ نے کہا کہ دیکھو بھائی تمہارا مکان دوگنی قیمت پہ بک رہا تھا تم نے نہیں بیچا، فکر نہ کرو، یہ ایک ہزار دینار میری طرف سے ہدیہ' لو تم میرے پڑوسی بنے رہو، جب آپ نے اس کو ایک ہزار دینار دئے، چہرہ دیکھا تو اس کے دونوں رخساروں پہ آنسو تھے، پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگا کہ تمہارے اخلاق نے

مجھے کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ہمارے اکابر اتنی خوش اخلاق زندگی گذارنے والے تھے کہ ان کے معاملات کو دیکھ کر لوگ کلمہ پڑھ لیا کرتے تھے۔

مرغیوں کو دانہ پانی دینا بھول جانے کی سزا

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، علماء وطلبہ ذرا توجہ سے سنیں، فرماتے ہیں کہ میرے گھر والوں کو اپنے خاندان میں کسی نکاح شادی کی تقریب میں جانا ضروری تھا اور گھر میں انھوں نے کچھ مرغیاں رکھی ہوئی تھیں، تو مجھے جاتے ہوئے وہ کہہ گئے کہ ان مرغیوں کو اتنے اتنے بجے پانی دے دینا، دانہ ڈال دینا، میں نے کہا بہت اچھا، چنانچہ پہلے ایک دن تو میں نے اہتمام سے چیزیں ڈال دیں، دوسرے دن تفسیر بیان القرآن جب میں لکھنے کے لئے بیٹھا تو میرے ذہن میں کوئی نکتہ ہی نہیں آرہا تھا، طبیعت ہی نہیں چل رہی تھی، میں نے احادیث کو دیکھا، تفاسیر کو دیکھا، غور کیا کہ اس آیت کی تفسیر میں کیا لکھوں، لیکن جیسے طبیعت بند ہوگئی ہو، میں بڑا حیران سوچتا رہا کہ آج میری طبیعت قرآن کی تفسیر لکھنے میں کیوں نہیں چل رہی ہے، اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ کچھ مجھ سے گناہ تو سرزد نہیں ہوا کہ جس کی نحوست کی وجہ سے اللہ نے علوم ومعارف کو روک دیا ہو، فرمانے لگے کہ میں برابر سوچتا رہا کہ کوئی بھی کام تو میں نے خلاف شرع نہیں کیا تھا، میں حیران ہوا کہ یہ کیا ہوا، کہنے لگے کہ اچانک مجھے خیال آیا کہ او ہو! چونکہ ان مرغیوں کو دانہ ڈالنا روز کا تو میرا کام نہیں تھا، اور اس دن مجھے خیال نہ رہا، دوپہر ہوگئی تھی اور وہ مرغیاں گھر میں بھوکی پیاسی تھیں، میں اسی وقت اٹھا اور جا کے میں نے مرغیوں کو دانے ڈالے، پانی دیا، جب مصلے پر آکر بیٹھا تو پھر اللہ نے علوم تفسیر کی بارش فرمادی، اگر گھر میں مرغیاں بھوکی پیاسی ہیں، اس پر علوم ومعارف کو روک دیا جاتا ہے، تو اگر گھر میں ماں بھوکی ہوگی، باپ کا دل دکھا ہوگا، بھائی بہن کا دل دکھا ہوگا، رشتہ دار اور پڑوسی کا دل دکھا ہوگا تو ہمیں علوم و معارف کیسے ملیں گے؟

پیاسے کتے کو پانی پلانے پر مغفرت کا فیصلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان ہوتا ہے، اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوتے ہیں، اور جو دوسرے کی تکلیف کو ختم کر دیتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں کو ختم فرمائیں گے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے "عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَّرَجُلٌ عَلٰی کَلْبٍ مُضْطَجِعٍ عِندَقَلِیْبٍ قَدکَادَیَمُوتُ مِنَ الْعَطَشِ فلم یجدْ ماءً ا یَسقِیْهِ فِیه فنزَ عَ خَفَّهُ فَجَعَلَ یَغرِفُ لهُ ویَسْقِیْهِ فحاسَبَهُ اللّٰهُ بِهٖ فأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ" ایک بندہ تھا، اس نے ایک کتے کو دیکھا کہ وہ پیاسا ہے اور پیاس کی شدت کی وجہ سے وہ مرنے کے قریب تھا، اب اس کے پاس پانی نہیں تھا، اس نے دیکھا قریب میں کوئی کنواں تھا، اس نے جوتا اتارا اور جوتے کے اندر اس نے وہاں سے پانی نکالا اور کتے کو پلایا، کتے کو جب پانی ملا تو اس نے خوشی کی آواز نکالی، خوشی کی آواز نکالنے پر اللہ نے اس کے لئے جنت کا فیصلہ فرما دیا اور بلی کو بھوکا پیاسا مارنے پر جہنم کا فیصلہ۔

آپ سوچئے اگر ان جانوروں کے ساتھ معاملہ کرنے پہ یہ ہے، تو انسانوں کے ساتھ معاملہ کرنے پہ پھر کیا ہوگا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ زندگی میں اب تک جو خطائیں کر چکے ان پر ندامت اور ان سے معافی اور آئندہ اللہ کے بندوں کے لئے باعث رحمت بن کر زندگی گذارنے کا ارادہ کریں، اپنے غصے کو قابو میں کریں، اپنی شہوت کو قابو میں کریں، اپنی حرص وحسد کو قابو میں کریں اور اللہ کے بندوں کو تکلیف نہ پہنچائیں، جان، مال، عزت آبرو، ہر چیز کی حفاظت رہے، تا کہ ہم معاشرے کا ایک اچھا انسان بن کے زندگی گذاریں، اپنے نامۂ اعمال میں جہاں اتنی خطائیں لکھوا بیٹھے، کوئی ذخیرہ بھی جمع کر لیں، جو قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش کر سکیں، ہمارے اکابر اللہ کے سامنے اپنے اعمال کو پیش کرنے کے لئے اعمال کو جمع رکھتے تھے۔

کھوٹے سکے لے کر اعمال کی قبولیت کی امید کرنا

چنانچہ کتابوں میں واقعہ لکھا ہے، خیر آباد ایک جگہ ہے، وہاں پر عثمان خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے، کرانے کی دوکان تھی، اس زمانے میں یہ چاندی کے روپے ہوتے تھے، کاغذ کے نوٹ نہیں ہوتے تھے، تو جو روپے زیادہ استعمال میں رہتے، جن کے اوپر کا Print (چھپائی) گھس جاتا تھا تو لوگ کہہ دیتے تھے کہ یہ کھوٹا ہے، ان کے پاس اگر کوئی Customer (خریدار) آتا جس کے پاس ایسا کھوٹا سکہ ہوتا، وہ پہچان بھی لیتے، مگر لے لیتے، سودا بھی دے دیتے، واپس نہیں کرتے تھے، ساری زندگی یہی معمول رہا کہ کھوٹے سکے لیتے رہے، سودا دیتے رہے، کہتے ہیں کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا، آخری لمحہ تھا، لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے، اور دعا مانگنے لگے کہ اللہ! میں ساری زندگی تیرے بندوں سے کھوٹے سکوں کو قبول کرتا رہا، اللہ تو بھی میرے کھوٹے عملوں کو قبول کر لے۔ ہمارے بزرگ ایسے عمل جمع کرتے تھے، کہ شاید کوئی عمل اللہ کو پسند آ جائے۔

تو آج کے بعد ہم عہد کریں کہ ہم بھی دوسروں کے دل خوش کریں گے، دوسروں کو راحت پہنچائیں گے، دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں گے، ہم کوئی ایسا کام نہیں کریں گے کہ جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اور امید کریں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہماری تکلیفوں کو بھی ختم فرمائیں گے اور ایمان والے اللہ کے بندوں کے دل خوش کرنے کی وجہ سے اللہ قیامت کے دن ہمارے دلوں کو بھی خوش فرما دیں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

اب جو خطاب آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، یہ خطاب دارالعلوم دیو بند کے "دفترِ اہتمام" میں ۱۱/۱۱ پریل ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ، بعد نمازِ ظہر ہوا تھا، جس میں صرف اربابِ اہتمام اور دارالعلوم کے اساتذۂ کرام شریک تھے۔ اس مجلس میں مجلس شوریٰ کے مؤقر رکن حضرت مولانا مفتی محمد منظور مظاہری بھی موجود تھے۔

اکابرِ دیوبند اور یقین محکم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

دارالعلوم کی حاضری اللہ کا خصوصی احسان

اس عاجز کے لئے اللہ رب العزت کے کرم کا ایک اور موقع ہے کہ اپنے اکابر کی اس علمی یادگار دارالعلوم دیوبند میں حاضری نصیب ہوئی، یہ اللہ رب العزت کے احسانات میں سے ایک بڑا احسان ہے۔ ہر بیٹے کو باپ سے محبت ہوتی ہے، ہر شاگرد کو استاذ سے محبت ہوتی ہے، تو ایک علمی رشتہ ہونے کی وجہ سے دل میں محبت تو بہت عرصے سے تھی، آج کے دن اللہ رب العزت نے اس علمی درسگاہ میں، اس مادرعلمی میں پہنچادیا اور آپ حضرات کی زیارت نصیب ہوئی، اس عاجز کا دل اس پر بہت خوش ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہے۔

دارالعلوم کی ایک انفرادی خصوصیت

آج ہم اگر دیکھیں تو دنیا میں کلمہ پڑھنے والے بہت ہیں، لیکن یہ دیکھیں کہ یقین والے کتنے ہیں تو بہت تھوڑے ملیں گے، جن کا یقین محکم ہو کہ اللہ رب العزت کو صفات کے ساتھ اپنا خدا مانیں، اسباب پہ نظر نہ ہو، اللہ رب العزت کی ذات پہ نظر ہو، دارالعلوم دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اصول ہشتگانہ بنائے تو انھوں نے ایک اصول یہ بھی رکھا کہ دارالعلوم کے لئے مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول نہیں کیا جائے گا، حالانکہ کتنے مدارس بنانے والے اور چلانے والے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ اللہ کرے کہ کوئی مستقل ذریعہ بن جائے اور روز روز کی یہ فکر ختم ہو۔

اہتمام تو نکلا ہی ہے "ہم" سے، اگر وہ عربی کا "ہم" ہو تو اس کا معنی غم، فکر ہے، اور جب یہ اردو کا "ہم" بن جائے تو کام خراب ہوتا ہے جب یہ اردو کا "ہم" بن جاتا ہے، پھر مہتمم یہ سمجھتا ہے کہ ہم ہی ہم ہیں بس، اگر عربی کا لفظ "ہم" ہے جس سے اہتمام کا لفظ نکلا تو یہ تو ۲۴ گھنٹے کی فکر ہے اور اسی فکر پر اللہ رب العزت کی مدد ہوتی ہے۔

مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یقین محکم

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم مستقل آمدنی کے ذریعہ کی دعائیں مانگتے ہیں اور حضرت نانوتویؒ یہ فرما رہے ہیں کہ مستقل آمدنی کا ذریعہ قبول نہیں کیا جائے گا، وجہ کیا تھی؟ وجہ یہ تھی کہ ان کا یقین بنا ہوا تھا اور یہی چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے ملتی ہے، ماخذ تو ہمارا وہی ہے، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جہاں جاتے ہیں فتح ہوتی ہے، بہت کامیاب سپہ سالار تھے، ان کا طوطی بولتا تھا، کفار کے دلوں پہ دہشت ہوتی تھی، خوف ہوتا تھا، اور اللہ رب العزت نے ان کو کامیابی عطا فرمائی تھی، وہ سیف اللہ تھے، اللہ کی تلوار تھے، سیدنا عمرؓ نے ان کو ایک خط بھیجا کہ جو خط لانے والے ہیں خط کے بعد یہ امیر ہوں گے اور آپ کے لئے دو Option (تجویز) ہیں، اگر آپ واپس آنا چاہیں تو میرے پاس مدینہ میں آجائیں، اور اگر وہیں رہ کر اس راستہ میں کام کرنا چاہیں تو آپ ایک عام سپاہی کی حیثیت سے کام کر سکتے ہیں۔ اب یہ بڑا مشکل معاملہ تھا کہ جو وقت کا سپہ سالار ہو، وہ بغیر کسی خاص غلطی اور قابلِ ذکر کوتاہی کے معزول کر دیا جائے اور وہ ایک عام سپاہی کی طرح کام کرے، خالد بن ولیدؓ نے جواب دیا کہ میں مدینہ طیبہ واپس نہیں جاؤں گا، میں یہیں پر ایک عام سپاہی کی طرح اللہ کے راستے میں سفر کروں گا۔ اس کے بعد کسی نے خالد بن ولیدؓ سے سوال کیا کہ حضرت! یہ تو بڑا مشکل معاملہ تھا کہ ایک سپہ سالار کو ایک حکم کے ذریعہ بغیر کسی وجہ کے معزول بھی کر دیا جائے اور وہ پھر ایک عام سپاہی کی طرح خوشی کے ساتھ، طیب نفس کے ساتھ کام کرنے پہ رضامند بھی ہو، تو خالد بن ولیدؓ نے جواب دیا کہ کوئی مشکل نہیں تھا، جب میں سپہ سالار تھا تب بھی مجھے اسی اللہ کی رضا مطلوب تھی، جب سپاہی بنا تب بھی مجھے اسی اللہ کی رضا مطلوب تھی، تو

میرا مقصد تو پہلے بھی وہی تھا، بعد میں بھی وہی ہے، تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ کسی نے عمرؓ سے سوال کیا کہ امیر المؤمنین! آپ نے امت کو اتنے بڑے سپہ سالار کی قیادت سے محروم کر دیا، تو عمرؓ نے جواب دیا کہ ہاں! امت ان کی قیادت سے تو محروم ہوگئی، مگر اس نے امت کا ایمان بچالیا، اس نے پوچھا یہ کیسے؟ فرمایا کہ لوگوں کا یہ یقین بننے جا رہا تھا کہ جدھر خالد جائے گا، فتح ہوگی، تو اللہ رب العزت سے نظر ہٹ کے اسباب پہ آرہی تھی، میں نے ان کو معزول کیا کہ اب جو بھی فتوحات ہوں گی تو مخلوق پر نظر کے بجائے اللہ کی ذات پر نظر رہے گی، تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی اس کا بڑا اہتمام تھا کہ نظر اللہ کی ذات پہ رہے، یہ وہی خیر ہے جو چلتا ہوا اس امت میں آرہا ہے اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ کو اللہ نے وہی نعمت دی تھی، وہ یقین محکم، وہ یقین کامل، جس کو ہم حق الیقین کہتے ہیں، وہ سمجھتے تھے کہ دین کا کام کرنا، ہاتھ پاؤں ہلانا ہمارا کام ہے اور آگے اسباب کا مہیا کرنا اس پروردگا کا کام ہے، اس لئے انھوں نے کہا کہ مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول نہیں کیا جائے گا، کہ کہیں توجہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہٹ کے اسباب پر نہ ہو جائے اور بندے کے یقین کے ساتھ اللہ کا معاملہ ہے، جیسا یقین ویسا ایمان، یقین بنا ہو تو اللہ رب العزت کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے۔

ہمارے اکابر کو یقین کا یہ مقام کیسے ملا؟

اس دنیا میں یقین کا بنانا ایک مشکل کام ہے، ہمارے اکابر کا یقین اس لئے بنا تھا کہ، وہ صاحب علم بھی تھے، اور صاحب ذکر بھی تھے، چنانچہ ان حضرات کو دیکھو کہ یہ مسند حدیث پہ بیٹھتے تھے تو عسقلانی اور قسطلانی کی یادیں تازہ ہوتی تھیں اور جب یہی حضرات مسند ارشاد پر بیٹھتے تھے تو وقت کے جنید اور بایزید نظر آتے تھے، وہ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ تھے، یہ دونوں نعمتیں اللہ نے ان کو دی ہوئی تھیں، علم بھی تھا، ذکر بھی تھا، اہتمام کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور اس نور کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان کو وہ یقین دیا تھا کہ جس یقین کی وجہ سے اللہ نے اس ادارے کو یہ قبولیت عطا فرمائی، وہ سمجھتے تھے کہ اسباب کچھ نہیں کر سکتے، جو ہونا ہے مسبب الاسباب کی وجہ سے ہونا ہے۔

یقینِ محکم کے چند نمونے

آپ اگر ذرا دیکھیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو فرعون کی بہت مضبوط حکومت تھی، اس کو بڑا ناز تھا، وہ کہتا تھا ''أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي'' اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے بھی تھے اور ساتھ میں تھے بھی تو بنی اسرائیل کے چند لوگ تھے، فرعون کہتا تھا: ''إِنَّهُمْ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ'' کہ یہ چند لوگ ہیں، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یقین بنا ہوا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے نظر کے راستے کو نہیں دیکھا، انھوں نے خبر کے راستے کو دیکھا، چنانچہ آپ دیکھئے کہ جادوگروں نے اپنی رسیاں ڈالیں ''يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ'' اب اس وقت جبکہ یہ رسیاں سانپ بن کے چلتی محسوس ہو رہی ہیں عقل سے سوچیں کہ کیا کرنا چاہئے، عقل جواب دے گی کہ تمہارے ہاتھ میں عصا ہے، اسے مضبوطی سے پکڑ لو، جو سانپ تمہارے قریب آئے اس سانپ کے سر پہ ڈنڈا لگاؤ، تمہارے لئے بچنے کی آخری امید یہی ہے اور اُوپر سے حکم آ رہا ہے: ''أَلْقِ عَصَاكَ'' اپنے عصا کو زمین پہ ڈال دو، عقل چیختی ہے، چلاتی ہے کہ کیا کر رہے ہو، یہی لاٹھی تو ہے تمہارے ہاتھ میں، اس کو بھی ہاتھ سے چھوڑ دو گے تو کیا بچے گا؟ مگر موسیٰ علیہ السلام کا یقین بنا ہوا تھا، انھوں نے عقل کو نہیں دیکھا، لاٹھی کو نیچے ڈالا ''فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ'' تو وہ اژدہا بن گیا جس نے سانپوں کو کھالیا اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب فرما دیا۔

پھر دیکھئے کہ دریائے نیل کے کنارے کھڑے ہیں، پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر پہنچ گیا ''قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ'' موسیٰ کے صحابہ گھبرا گئے کہ اب تو ہم دھر لئے گئے، اس لئے کہ آگے پانی کا دریا اور پیچھے یہ انسانوں کا دریا، یعنی فوج جو آ گئی، اب اس وقت ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' والا معاملہ تھا، فرمایا: ''كَلَّا'' ہرگز نہیں، ''إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ'' میرے ساتھ میرا رب ہے ضرور میری رہنمائی کرے گا، اللہ کی ذات پر ایسا یقین ہوتا ہے، آنکھ کچھ دیکھ رہی ہے، دل کچھ تصدیق کر رہا ہے اور یہ حضرات دل کے اس یقین کے ساتھ قدم اٹھاتے تھے، ایسے وقت میں عقل سے پوچھئے کہ کیا کرنا چاہئے، عقل کہے گی کہ تمہارے پاس ڈنڈا ہے، مضبوطی سے پکڑو اور جب پیچھے والا لشکر آئے تو فرعون کے سر پر

ڈنڈا مارو، ہوسکتا ہے کہ وہ مرے اور کام بنے، لیکن اُدپر سے دیکھیں کہ کیا جواب آرہا ہے: ''اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ '' پانی پہ ڈنڈا مارو، عقل کہتی ہے کہ پانی پہ مارنے سے کیا ہوجائے گا، مگر حضرت موسی علیہ السلام نے ظاہر کو نہیں دیکھا، بلکہ جو حکم خدا تھا اسی پر عمل کیا، اللہ نے اسی دریا کے اندر بارہ راستے بنادیئے، توانھوں نے جب پانی پہ عصا مارا تو اللہ تعالیٰ نے راستے بنادیئے اور اللہ نے بنو اسرائیل کو اس دریا سے پار اتار دیا، جب فرعون اور اس کا لشکر گذرنے لگا تو اللہ نے ان کو غرق فرمادیا۔

تیسرا واقعہ کہ آگے موسی علیہ السلام کی قوم ایک ایسی وادی میں ہے کہ جس میں پانی نہیں تھا، لوگ کہتے ہیں کہ حضرت! پینے کو پانی چاہئے، جینے کے لئے پانی چاہئے، اب ایسے وقت میں عقل سے پوچھیں کہ کیا کریں؟ عقل کہے گی کہ تمہارے پاس ایک عصا ہے، ڈنڈا ہے، مضبوطی سے پکڑو اور تم پانی کے لئے زمین کو کھودنا شروع کرو، مگر خیال رکھنا کہ عصا ٹوٹنے نہ پائے، اگر یہ ٹوٹ گیا تو امید کی آخری کرن بھی ختم ہوجائے گی، لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے پیغام آرہا ہے ''اَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ '' پتھر پہ عصا مارو، عقل چیختی ہے، چلاتی ہے کہ پتھر پہ مارنے سے کیا ہوتا ہے، ڈنڈا بھی ٹوٹ جائے گا، تم کنواں بھی نہیں کھود سکو گے، تو موسی علیہ السلام نے ظاہر کو نہیں دیکھا، جو حکم خدا تھا اسی پر عمل کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چشمے جاری فرمادیئے، پانی عطا فرمادیا تو جب یقین بنا ہوتا ہے تو انسان اسباب کو نہیں دیکھتا، مسبب الاسباب کی طرف نگاہ ہوتی ہے، آج ہماری کوتاہی یہ ہے کہ ہماری نظر مسبب الاسباب سے ہٹ کر اسباب کی طرف ہوتی جارہی ہے، اسی کو کہا علامہ اقبال نے کہا:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

ہماری ناکامی کی بنیادی وجہ: یقین کامل کی کمی

ہماری گراوٹ کی بنیادی وجہ ہی یہی ہے کہ وہ جو یقین والی کیفیت تھی وہ نہیں آرہی ہے، کچھ ظاہری اسباب ہیں، دنیا بھی چل رہی ہے، ہم بھی ساتھ چل رہے ہیں تو یہ دیکھیں کہ یقین والے لوگ کتنے ہیں، قاسم العلوم والبرکات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو واقعی

اللہ نے یقین کامل دیا تھا اور اصول ہشتگانہ میں یہ کہہ دینا، یہ بتاتا ہے کہ ان کے دل کی کیفیت کیا ہے، جیسی کرنی ویسی بھرنی، اگر اللہ کی ذات پر نظر رہے گی تو اللہ رب العزت نقصان کی چیزوں میں سے نفع نکال دیں گے، ذلت کے نقشے میں سے عزت نکال دیں گے۔

یقین کامل ہو تو، ناکامی کے اسباب میں کامیابی مل جاتی ہے

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جو سبب ظاہر میں ناکامی کا نظر آئے گا، اللہ اسی کو کامیابی کا سبب بنا دیں گے، جو ذلت کا سبب نظر آئے گا اس کو عزت کا سبب بنا دیں گے، آپ غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم کیا ہوا: ''وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ'' اور ہم نے وحی کی، الہام کیا موسیٰ کی والدہ کو کہ اس کو دودھ پلایئے ''فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ'' اور اگر آپ کو ڈر ہو کہ فرعون کے فوجی پکڑ کے لے جائیں گے ''فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ'' اس کو لا کے دریا میں ڈال دیں، اور پھر اگلی بات بھی بتادی ''فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ'' کہ اس کو وہ پکڑے گا جو اس کا بھی دشمن ہوگا اور میرا بھی دشمن، ماں اولاد کے بارے میں کتنی حساس ہوتی ہے اور ماں کو یہ خبر بھی ہو جائے تو اب ماں کتنی پریشان ہوگی کہ میرا بیٹا ایک ایسے بندے کے ہاتھ میں جائے گا جو میرا بھی دشمن، خدا کا بھی دشمن، تو غم کی انتہاء ہوگی، مگر اسی کے ساتھ تسلی بھی دے دی: ''وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ'' کہ خوف نہیں کھانا، غمزدہ بھی نہ ہونا، ''اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ'' ہم اسے تمہارے پاس لوٹائیں گے ''وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ'' اور ہمیں اسے رسولوں میں سے بنانا ہے، یہ وعدہ بتادیا، مگر یہاں یقین کا معاملہ ہے، اور عورت ذات کمزور بھی ہوتی ہے، مگر اللہ کی ذات پر ان کا پکا یقین تھا، چنانچہ نتیجہ کیا ہوا، وقت آیا، بیٹے کو دریا میں ڈال دیا، اب عقل کہتی ہے کہ تیرا بیٹا نہیں بچ سکتا، اس لئے کہ اس کو تم نے لکڑی کے ایک بکسے میں ڈالا ہے، اب اگر بکسے میں سوراخ رکھو کہ ہوا جائے تو اس میں پانی بھر جائے گا، بچہ ڈوب کے مرے گا، اور اگر پانی کو روکنے کے لئے واٹر ٹائٹ کریں تو ہوا بند ہو جائے گی، وہ سانس نہیں لے سکے گا، گھٹ کے مرے گا، تو بچہ نہیں بچتا، ظاہری نظر بتا رہی ہے کہ بچے کا بچنا ناممکن، مگر اس عورت کا اللہ کے وعدے پر یقین تھا، چنانچہ

اس نے اپنے بچے کو ڈال دیا کہ میرے اللہ کا وعدہ ہے۔ اب اللہ کی شان دیکھیں کہ فرعون اپنی بیوی کے ساتھ دریا کے کنارے تھا، وہ بکسہ آتا ہوا ملا، تو غلام پکڑ کے لے آیا، اور اسے کھولا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي" موسیٰ! ہم نے تیرے اوپر محبت کی تجلی ڈال دی تھی، چنانچہ جب اس کی بیوی نے دیکھا تو کہا: "لَا تَقْتُلُوهُ" بچے کو قتل مت کرنا، "عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا" ہم اپنا بیٹا بنائیں گے اور اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اب بتائیں کہ وہ فرعون جو ہزاروں بچوں کو قتل کر چکا تھا، وہ اپنی بیوی کی بات مانتا ہے کہ ٹھیک ہے، میں اس کو قتل نہیں کرتا، — دنیا کہتی ہے کہ بیوی کی بات کوئی نہیں مانتا، یہاں تو بڑے بڑے فرعون اپنی بیویوں کی باتیں مانتے رہے ہیں — فرعون کو عقل نے دھوکہ دیا، عقل سے اس نے یہ سوچا کہ جب میں اس کو گھر میں پالوں گا، یہ میرا بیٹا بنے گا تو یہ کیا مجھ سے تاج چھینے گا، اس لئے اس نے اس کو قتل نہ کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا، گھر لے آیا، اب اس زمانے میں فیڈر کی ماں تو ہوتی نہیں تھی کہ دودھ کا فیڈر دے دو، عورتیں دودھ پلاتی تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ" اللہ تعالیٰ نے عام عورتوں کا دودھ ان پر حرام کر دیا، منع کر دیا، فرعون نے حکم دیا کہ عورتوں کو بلاؤ، اس کو دودھ پلائیں، اب جو عورت دودھ پلانے لگتی ہے بچہ دودھ نہیں پیتا، مگر بھوک بھی ہے، بچہ روتا بھی ہے اور اب چونکہ اپنانے کا ارادہ کر لیا تو محبت بھی ہو گئی تو آنسو بھی برداشت نہیں ہو رہے ہیں فرعون پریشان ہے، کسی اور کو بلاؤ، کسی اور کو بلاؤ، کسی اور کو بلاؤ، ساری رات یہی مسئلہ چلتا رہا۔

اور دوسری طرف حال دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بچہ کو دریا میں ڈال کے گھر تو آ گئیں، مگر ماں تھی، دل ٹوٹا ہوا تھا، غمزدہ تھا، ماں کی مامتا ہی ایسی ہوتی ہے، "وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا" اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ان کے دل کو گرہ نہ دیتے، تسلی نہ دیتے، تو وہ رو پڑتی پھر سارا راز کھول بیٹھتی، ہم نے اس کو رونے سے روک لیا، اس کے دل کو گرہ دے دیا، بیٹی سے کہنے لگی: بیٹی! ذرا جاؤ، پتہ کرو کہ بھائی کس حال میں ہے، تو بیٹی گئی، اب جا کے اس نے

دیکھا تو محل میں نقشہ ہی عجیب تھا، بچہ دودھ چاہتا ہے، عورت دودھ پلاتی ہے، بچہ پیتا نہیں، لوگ پریشان ہیں، اس وقت اس نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگی: ''هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ'' میں تمہیں ایسے گھر والوں کے بارے میں نہ بتاؤں جو دودھ پلائیں گے اور بڑے خیر خواہ ہوں گے۔

مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ فرعون کے دل میں بات کھٹکی کہ یہ کیوں کہہ رہی ہے کہ یہ اس کے لئے بڑے خیر خواہ ہوں گے، اس نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کہہ رہی ہو؟ وہ بھی موسیٰ کی بہن تھی، کہنے لگی کہ ہم آپ کی رعایا ہیں، ہم آپ کی خیر خواہی نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ کہتا ہے ہاں ٹھیک ہے، لاؤ کس کو لاتی ہو، وہ آئی اور کہنے لگی کہ امی! چلو، اب موسیٰ کی والدہ آگئیں، بچے کو دودھ پلاتی ہیں تو بچہ دودھ پی لیتا ہے، فرعون کو خبر ملی کہ ایک عورت کا دودھ پی لیا، وہ رات کا جاگا ہوا تھا، نیند آرہی تھی، پریشان تھا، اس نے کہا چلو مسئلہ حل ہوا، اور کہا کہ میں سوتا ہوں، اس عورت کو جانے نہ دینا، انھوں نے کہا میں تو یہاں نہیں رہتی، میں تو اپنے گھر جاؤں گی، اپنا گھونسلہ اپنا، کچا ہو یا پکا، مجھے محل میں نہیں رہنا ہے تو فرعون کہنے لگا: تم جا رہی ہو تو بچے کو لے جاؤ اور دودھ پلانے کی جو تمہاری تنخواہ ہوگی وہ ہم تمہارے گھر بھیجوا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ'' ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کے پاس ''كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ'' تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس کا دل غمگین نہ ہو ''وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ'' اور وہ جان لے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں۔ اصل یہی ہے کہ ''اَنَّ وعدَاللّٰهِ حَقٌّ'' جس دل میں یہ چیز اتر جاتی ہے اس کا یقین کامل ہوتا ہے، اسباب کو مت دیکھیں یہ تو مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہیں، جب وہ چاہتے ہیں اسباب کو اپنے حکم کے مطابق استعمال کر لیتے ہیں، یہ یقین اگر بن جائے کہ چیزوں میں ہماری کامیابی نہیں ہے، عزت اور ذلت اس میں نہیں ہے، فیصلہ اللہ کی طرف سے ہے، انابت الی اللہ، رجوع الی اللہ، توجہ الی اللہ، یہ کیفیت اگر ہمارے اندر آجائے تو یقین پختہ ہو جائے گا۔

یقین کامل ہو تو غم کے اسباب خوشی کے اسباب بن جاتے ہیں

جب انسان یقین کامل کر لے تو جو سبب انسان کے غم کا ہوتا ہے، اللہ اسی کو خوشی کا

سب بنادیتے ہیں۔ قرآن پاک میں اس کی مثال موجود ہے، فرعون پانی میں ڈوب کے مرا، اللہ تعالیٰ قادر تھے، اگر چاہتے تو قارون کی طرح زمین میں دھنسا دیتے، مگر اس کے مرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں بنا، نہ زمین میں دھنسا، نہ اس پر کوئی آگ اتری، نہ ہوا چلی، ہاں پانی میں ڈبویا گیا، وجہ یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب بیٹے کو پانی میں ڈالا تھا تو پانی ان کے دل کے غمزدہ ہونے کا سبب بنا تھا لیکن انھوں نے نظر اللہ کی ذات پر رکھی، تو اب اللہ نے پانی کو ہی ان کی خوشی کا سبب بنادیا کہ دیکھو! اسی پانی میں میں فرعون کو ڈبو کے دکھاتا ہوں، جو سبب تمہارے غم کا بن رہا ہے، وہی سبب تمہارے لئے خوشی کا بن رہا ہے، اور یہی نکتہ مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون کو اسباب پر بڑا ناز تھا، وہ بڑے فخر سے کہتا تھا: "هٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ" اللہ نے اسی نہر کے اندر ڈبو کے دکھلادیا کہ تم جن پر بھروسہ کرتے ہو ہم اسی میں تمہیں ڈبو کے دکھاویں گے ؂

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے، ان کے بھائی اپنے والد کے پاس آئے، ارشاد ہوا "وَجَاءُوْا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُوْنَ" کیا لے کے آئے؟ "عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ" یوسفؑ کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کے لائے تو یعقوب علیہ السلام کو جو غم ملا وہ قمیص کو دیکھ کر ملا، اب قمیص سبب بن رہا ہے غم کے ملنے کا، مگر یعقوبؑ کی توجہ اللہ کی طرف رہی، اللہ کے سامنے انھوں نے صبر کیا، بالآخر کہا: "إِنَّمَا أَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللهِ" تو پھر نتیجہ یہ نکلا کہ جب یوسفؑ کی ملاقات بھائیوں سے ہوئی تو انہوں نے کہا: "اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ" کہ میرا قمیص لے کے جاؤ، وہ یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ میں دعا کرتا ہوں کہ بینائی ٹھیک ہو جائے، لیکن نہیں، قمیص بھیجا، وجہ یہ تھی کہ یہی قمیص ان کے غم کا سبب بنا تھا، اب یہی قمیص ان کے لئے بیٹے کے ملنے کی خوشی کا سبب بنے گا، تو یہ دستور ہے کہ جو سبب غم کا ہوگا، اگر اللہ کی ذات پر نظر ہوگی، تو اللہ اسی میں سے بندے کے لئے خوشی نکال دیں گے، ذلت کے نقشے میں سے عزت نکال دیں گے، یہ اللہ رب العزت کے یہاں دستور ہے، جیسا بندے کا یقین ویسا معاملہ۔

بندے کے معاملہ کے مطابق اللہ کا معاملہ

اور اللہ کے یہاں تو ایک دستور ہے: ''اَلْجَزَاءُ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ '' جیسا معاملہ بندہ اللہ کے ساتھ کرے گا اللہ ویسا معاملہ بندے کے ساتھ کرے گا۔ اس کی مثال: بنی اسرائیل کو توبہ کے لئے اپنے جسم پہ چھری چلانی پڑتی تھی، چنانچہ جب وہ کہنے لگے کہ ہم توبہ کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا کہ اچھا ہم اوپر سے بادلوں کے ذریعہ سے اندھیرا کر دیں گے ''فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ '' تم ذرا اپنے آپ کو مارو، چھریوں سے زخم لگاؤ، تب تمہاری توبہ کو قبول کریں گے، تو ان کی توبہ کی قبولیت کے لئے جسم کو زخم لگا کر دکھانا پڑتا تھا تب توبہ کی قبولیت ہوتی تھی، اس امت کے ساتھ اللہ کا معاملہ دیکھو کہ زبان سے بھی بولنے کی ضرورت نہیں ہے، فرمایا: ''اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ'' کہ دل کی ندامت یہی اللہ کے نزدیک توبہ کے مانند ہے۔ آخر یہ فرق کیوں ہے؟ تو مفسرین نے اس کا فرق لکھا کہ بنی اسرائیل کے سامنے اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر علیہ السلام نے اللہ کا تذکرہ کیا تو کہنے لگے: ''لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً'' قوم نے مطالبہ کیا تھا کہ ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک واضح طور پر اللہ کو نہیں دیکھ لیں گے، چونکہ انھوں نے واضح دیکھنے کے لئے کہا تھا تو اللہ نے ان کی توبہ کے لئے فرما دیا کہ جب تک ہم واضح زخم نہیں دیکھیں گے تمہاری توبہ قبول نہیں کریں گے، اور اس امت کے ساتھ یہ معاملہ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے سامنے اللہ کو پیش کیا تو کوئی دلیل نہیں مانگی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فوراً ایمان قبول کر لیا، چونکہ بدون دلیل کے قبول کر لیا، لہٰذا اب اس امت کی توبہ قبول کرنے کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے، بس تمہارے دل میں اگر ندامت آ گئی تو میں جانتا ہوں، میں اسی پر تمہاری توبہ کو قبول کر لوں گا۔

جنت کی قیمت ایک کھجور

آپ دیکھئے کہ جنت کی قیمت ہے ایک کھجور، حدیث مبارک میں آتا ہے کہ اگر ایک کھجور کے صدقے کے بدلے بھی جنت میں جانا پڑے تو تم جاؤ، وجہ کیا ہے؟ جنت تو بہت

اونچی ہے اور اس کی قیمت ایک کھجور کہ اس کے بدلے بھی جنت مل جائے؟ فرمایا: ہاں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تھا تو گندم کے چند دانے کھانے کی وجہ سے نکالا تھا تو اللہ نے کہا کہ اب میں اس کی قیمت نہیں بڑھاؤں گا، تم واپس آنا چاہو تو ایک کھجور کے بدلے بھی میں جنت دے دوں گا، اللہ اکبر کبیرا۔

اور دیکھئے کہ ابرہا اپنا لشکر لے کر بیت اللہ کو گرانے کے لئے آیا، اللہ رب العزت نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کو متعین فرما دیا، "طَيْرًا أَبَابِيلَ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ" انھوں نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکیں، لشکر کو انھوں نے کھائے ہوئے بھونسے کی طرح بنا کے رکھ دیا، اب ایسا کیوں ہوا؟ مفسرین نے اس کا بڑا خوبصورت جواب دیا، بعض نے تو اس کا یہ جواب دیا کہ دیکھو ابرہا جانوروں میں جو سب سے زیادہ طاقتور جانور ہاتھی ہے، اس کو لے کر آیا تھا، تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اچھا تم سب سے طاقتور جانور کو لائے ہو تو ہم اس کے مقابلے میں سب سے کمزور جانور کو لے کر آئیں گے، چنانچہ ایک کمزور پرندہ کے ذریعہ اللہ نے طاقتور کو مروایا اور یہ اللہ کا دستور ہے کہ چڑیوں سے باز کو مروا دیتے ہیں "كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ" یہ اللہ رب العزت کا دستور ہے۔

لیکن بعض مفسرین نے ایک عجیب تحقیقی جواب لکھا، وہ فرماتے ہیں کہ وجہ یہ تھی کہ ابرہا چلا تھا اللہ کی بنائی ہوئی ترتیب کو الٹنے کی نیت سے کہ بیت اللہ جو عزت والا گھر ہے، میں اسے گرا کے ختم کر دوں اور خود اپنا ایک الگ مرکز بناؤں، جس کو دنیا میں عزت مل جائے، یعنی جس کی کچھ عزت نہیں اس کو عزت دلانا چاہتا تھا، جو عزت والا گھر ہے اس کو مٹانا چاہتا تھا، تو اللہ کی بنائی ہوئی ترتیب کو الٹنے کی نیت سے چلا تھا، اللہ نے فرمایا: اچھا، آج ہم بھی اپنی ترتیب الٹتے ہیں، وہ اس طرح کہ ہمیشہ انسان صیاد ہوتا ہے، اور پرندے صید ہوتے ہیں، آج ہم ترتیب بدل دیتے ہیں، دیکھو انسان صید بنیں گے اور پرندے صیاد بنیں گے، "تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ"۔

اللہ بڑا عظیم ہے، بہت بڑا ہے، اگر اس کا یقین دل میں اتر جائے تو یہ اسباب تو اللہ

کے اشارے پر چلتے ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دل میں یہ یقین کامل تھا، جس کی وجہ سے اللہ نے پھر اس ادارے کو ایک قبولیت عامہ تامہ عطا فرمادی، اتنی قبولیت کہ سبحان اللہ! انسان حیران ہوتا ہے، اللہ کے مقرب بندوں کی ایک جماعت یہاں سے کھڑی ہوئی اور پوری دنیا کے اندر آج انھوں نے دین کا کام کیا، اس عاجز کو اللہ رب العزت نے اس دین کی نسبت سے الحمدللہ شاید ۵۰ سے اوپر ملکوں کا سفر کرنے کی توفیق عطا فرمائی، مشرق بھی دیکھا، مغرب بھی دیکھا، امریکہ بھی دیکھا، افریقہ بھی دیکھا، ایسی جگہ پہ بھی جانا ہوا کہ جہاں ٦ مہینے کے دن اور ٦ مہینے کی رات ہوتی ہے، ایسی جگہوں پہ بھی جانا ہوا جہاں سائبیریا کی برف ہی برف، کہ وضو کرتے تھے تو برف کو توڑ کے نیچے سے پانی نکال کے وضو کرتے تھے اور برف کے اوپر نماز پڑھتے تھے اور نماز پڑھنے کے باوجود نیچے کی برف پگھلتی نہیں تھی، اتنی ٹھنڈی ہوتی تھی، ایسی جگہ پہ بھی اللہ نے جانے کی توفیق دی، جہاں گھر برف کے بنے ہوئے ہیں، دیواریں برف کی، چھت برف کی، دروازہ برف کا، وہاں کھانے کے لئے ٹرے لے کے آتے ہیں تو وہ بھی برف کا بنا ہوا، ٹورسٹ ہزاروں لاکھوں ڈالر لگا کے وہاں چند دن گذارنے کے لئے جاتے ہیں، اللہ نے دین کی نسبت پہ وہاں بھی پہنچا دیا، ایک ایسی جگہ بھی اللہ نے پہنچایا جس کو END OF THE WORLD (دنیا کا آخری کنارہ) کہتے ہیں، سائنسدانوں نے لکھ کے لگایا ہوا ہے کہ یہ دنیا کا آخری کنارہ ہے، وہ اس طرح کہ سال میں ایک دن وہاں ایسا آتا ہے کہ سورج غروب ہونے کے لئے آتا ہے اور غروب ہونے کے بجائے وہیں سے طلوع ہونا شروع ہوجاتا ہے، اس وقت سائنسدانوں نے متفقہ طور پر اس کو دنیا کا آخری کنارہ قرار دیا ہے، مگر اتنی جگہوں پر جانے کے بعد یہ عاجز اس نتیجہ پر پہنچا کہ جہاں بھی یہ عاجز گیا، وہاں پر پہلے سے کوئی نہ کوئی علماء دیوبند کا روحانی فرزند بیٹھا دین کا کام کرتا نظر آیا ؎

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
عابد کے یقیں سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل

یہ اخلاص کا تاج محل تھا جو بنا کے چلے گئے، اس کی بنیادوں میں وہ یقین ہے، وہ اخلاص ہے، وہ للّٰہیت ہے، وہ توجہ الی اللہ ہے، وہ انابت الی اللہ، وہ تقوی، وہ طہارت، وہ نیتیں ہیں کہ جن کی وجہ سے اللہ کی طرف سے قبولیت ملی، الحمدللہ اپنے اس مادر علمی میں آج اس عاجز کو حاضری کی توفیق نصیب ہوئی، یہ عاجز آپ سب حضرات کا بھی شکرگذار ہے کہ آپ نے اس عاجز کو یہ سعادت دی کہ آپ سب حضرات ملے ،حق تو یہ تھا کہ سب کے کمروں میں الگ الگ جاتا، سب کی وہاں جاکر زیارت کرتا، اللہ تعالیٰ ان محبتوں کو سلامت رکھے اور ہمیں اپنے اکابر کی وہی علمی نسبت، وہی ذکر والی نسبت، وہ رجوع الی اللہ، انابت الی اللہ والی، وہی یقین والی نسبت اللہ ہمیں بھی عطا فرمائے اور اللہ اس ادارے کو مزید دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے۔

"دن دوگنی رات چوگنی ترقی" کا مطلب

دن دوگنی سے مراد کہ دن میں اسباب ہوتے ہیں اور رات چوگنی سے کیا مراد؟ رات کو تو اسباب نہیں ہوتے؟ اس سے مراد رات کو تہجد میں اللہ سے مانگنا ہے یعنی اپنے عمل سے جو ترقی ہوگی وہ دوگنی ہوگی اور جو اللہ سے تعلق جوڑنے میں ہوگی وہ چارگنا ترقی ہوگی، یہ الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ ترقی تو تب ہوگی جب اللہ کا تعلق ہوگا، اللہ تعالیٰ اس عاجز کی حاضری کو قبول فرمائے، آپ حضرات اپنی دعاؤں میں اس عاجز کو یاد رکھئے۔ جزاکم اللہ اَحسَنَ الجزاء

وآخر دعوانا أن الحمدُ للهِ ربِ العالمین

اگلے صفحات پر جو خطاب آپ کے پیش نظر ہوگا، یہ خطاب دارالعلوم کی پُرشکوہ مسجد، "مسجدِ رشید" میں ۱۱/اپریل ۲۰۱۱ء بروز دو شنبہ، بعد نماز عشاء ہوا تھا، حاضرین مجلس میں دارالعلوم کے عہدے دارانِ اہتمام اور اساتذہ و طلبہ کے علاوہ دارالعلوم (وقف) اور دیوبند اور قرب و جوار کے اضلاع سے آنے والے ہزاروں علماء، طلبہ اور عوام بھی تھے۔

بارگاہِ خداوندی میں قابلیت سے زیادہ قبولیت کا اعتبار

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین، والحمد للہ رب العلمین
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم

قبولیت کا مطلب

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ، بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔
علامہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ تَقَبُّل باب تَفَعُّل سے ہے اور اس کا معنی ہے: "قَبُوْلُ شَيْءٍ عَلٰى وَجْهٍ يَقْتَضِيْ ثَوَابًا كَالْهَدِيَةِ" کسی چیز کا قبول کر لینا اور اس کے بدلے اس کو کچھ دینا جیسے ہدیہ ہوتا ہے، ہماری زبان میں قبولیت کا معنی یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو کوئی چیز اچھی لگ جائے، پسند آجائے۔

قبولیت کی دو بنیادیں

عام طور پر پسند ہونے کی دو وجوہات ہوتی ہیں کہ وہ خوبصورت ہو اور خوب سیرت ہو، ایسی کوئی بھی چیز جو خوبصورت بھی ہو اور خوب سیرت بھی ہو، دیکھنے والے کو اچھی لگتی ہے، کوئی

شخصیت ہو، مکان ہو، لباس ہو، کوئی منظر ہو، جو بھی خوبصورت اور خوب سیرت چیز ہوگی وہ اچھی لگے گی، عمومی طور پر دستور یہی ہے، تاہم یہ حرفِ آخر نہیں ہے۔

ہر اچھی چیز کا مقبول ہونا ضروری نہیں

ایسا بھی دیکھا گیا کہ بعض مرتبہ چیز اتنی اچھی نہیں ہوتی پھر بھی پسند آجاتی ہے، اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام دونوں پیغمبر ہیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بولنے میں دشواری ہوتی تھی، اس لئے انھوں نے دعا مانگی تھی ''رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي'' اور ان کے مقابلے میں ہارون علیہ السلام فصیح اللسان تھے، قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرمایا: ''هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا'' تو فصیح اللسان ہارون علیہ السلام تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ہمکلامی کیلئے کس کو پسند فرمایا؟ ''وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا'' پسند آنا؛ یہ تو پسند کرنے والے کی مرضی ہوا کرتی ہے۔

آپ دیکھیں پوری دنیا میں کتنے سرسبز پہاڑ ہیں، ہم نے بعض ایسے پہاڑ دیکھے کہ اس منظر کو دیکھ کے انسان کا جی چاہتا ہے کہ بس کھڑا ہو کر اس منظر کو دیکھتا ہی رہے، لیکن اللہ رب العزت نے ہمکلامی کے لئے کوہ طور کا انتخاب فرمایا، قسم بھی کھائی کوہ طور کی، اور کوہ طور وہ پہاڑ ہے جہاں عمومی طور پہ سبزے کا نام ونشان نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہلا پیغام جبل نور پر بھیجا، جہاں سبزے کا نام ونشان نہیں ہے۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دوست جبل احد کو پسند کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أُحُدٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ'' یہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اور اس پر بھی دیکھئے کہ سبزہ نہیں ہے، تو سبزے والے اور خوبصورت مناظر والے سارے پہاڑ، ایک طرف اور اللہ کو پسند وہ جگہیں آئیں کہ جہاں سبزے کا نشان نظر نہیں آتا۔

کہتے ہیں کہ مجنوں کو لیلیٰ کے ساتھ بہت محبت تھی، حالانکہ وہ رنگ کی کالی تھی اور کالا ہونے کی نسبت سے ماں باپ نے اس کا نام لیل سے لیلیٰ رکھا تھا، ایک حاکمِ وقت نے سوچا

کہ میں نے لیلیٰ کے بہت تذکرے سنے ہیں، ذرا دیکھوں تو سہی کہ یہ کیسی حور پری ہے، اس نے لیلیٰ کو بلایا تو دیکھا کہ وہ عام عورتوں کی طرح ایک عورت تھی، اس نے کہا:

از دگر خوباں تو افزوں نیستی

کہ باقی حسیناؤں سے کوئی بڑھ کے تو حسین نہیں ہے

گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

تو لیلیٰ نے جواب دیا کہ تم خاموش رہو، اس لئے کہ مجنوں کی آنکھ تیرے پاس نہیں ہے، اگر تو مجنوں کی آنکھ سے مجھے دیکھتا تو دنیا میں مجھ سے زیادہ خوبصورت کوئی نظر نہیں آتا۔

معلوم ہوا کہ جو چیز خوبصورت ہو اور خوب سیرت بھی ہو عمومی طور پر وہ پسند آتی ہے، لیکن یہ کوئی حتمی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، کوئی بھی چیز پسند آسکتی ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مرتبہ اچھی چیز بھی پسند نہیں آتی، مثال کے طور پہ آپ دوکان پر پھل لینے کے لئے گئے، آپ کہتے ہیں مجھے انگور چاہئے، دوکاندار کہتا ہے: کیلے بہت اچھے آئے ہیں، وہ اچھے بھی ہیں، خوبصورت بھی ہیں، Taste (ذائقہ) والے بھی ہیں، آپ ایک نظر ڈال کے کہتے ہیں مجھے نہیں چاہئے۔ آپ نے Reject (مسترد) کر دیا، حالانکہ وہ کوالیٹی Quality میں بہترین تھے، کیوں کہ آپ کو نہیں چاہئے۔ ہم نے دیکھا بہت سی خوبصورت عورتیں ہوتی ہیں لیکن طلاق ہو جاتی ہے، کیوں کہ خاوند کو نہیں پسند آتی۔ تو قبولیت کے بارے میں یہ یاد رکھیں کہ عمومی طور پر وہ چیز پسند آتی ہے جو خوبصورت ہو اور خوب سیرت بھی ہو، مگر یہ قاعدۂ کلیہ نہیں ہے، یہ قبول کرنے والے کی اپنی منشا پہ منحصر ہے، اس کو کوئی بھی چیز پسند آجائے۔

کبھی عبادت کا دروازہ تو کھل جاتا ہے مگر قبولیت کا نہیں

ابن عطاء اسکندری رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں، ان کی کتاب "الحِکَم" کے نام سے بہت معروف ہے، شاید اس امت کے لقمان حکیم کہے جانے کے یہ قابل ہوں، اور جامعہ الازہر کو پوری دنیا میں جو شہرت ملی وہ ایسے اساتذہ کی وجہ سے ملی، بہت صاحب نسبت بزرگ تھے، وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: "رُبَمَا فُتِحَ لَکَ بَابَ الطَّاعَۃِ وَمَا فُتِحَ

لَکَ بَابَ الْقَبُوْلِ'' کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اطاعت کا دروازہ تو کھول دیتے ہیں مگر قبولیت کا دروازہ نہیں کھولتے تو ظاہر میں تو بندہ اچھے عمل کر رہا ہوتا ہے، مگر وہ عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوتے۔

اس کی مثال دیکھنا چاہیں تو آپ شیطان کی مثال دیکھئے، اس نے ہزاروں سال سجدے کئے حتی کہ یہ طاؤس الملائکہ کہا جاتا تھا، مگر انجام کیا ہوا؟ رب کریم نے فرمادیا: ''فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ'' دفع ہو جا یہاں سے تو مردود ہے، اس کو اتنی عبادت کے بعد قبولیت پھر بھی نہ مل پائی۔

قریب کے زمانے میں دیکھیں تو بلعم باعور کو دیکھ لیجئے، ۴۰۰ سو سال عبادت کی حتی کہ مستجاب الدعوات بنا، ذرا سوچئے کہ مستجاب الدعوات بننا کوئی آسان کام تو نہیں ہے، لیکن ایسی کوتاہی ہوئی کہ بالآخر راندۂ درگاہ ہوا، ارشاد فرمایا: ''وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ'' اس کی مثال کتے کے مانند ہے، جب قرآن مجید کا یہ لفظ پڑھتے ہیں تو کانپ جاتے ہیں کہ یا اللہ چار سو سال تو اس نے سجدے کئے تھے، عبادت گذار تو تھا مگر آخر میں انجام کتنا برا ہوا، یہ پڑھ کے انسان گھبرا جاتا ہے کہ جو اعمال ہم کر رہے ہیں جب تک یہ اللہ کے یہاں قبول نہ ہو جائیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے فرمایا: ''لَا عِبْرَةَ بِالطَّاعَةِ اِذَا لَمْ يَصْحَبْهَا قَبُوْلٌ'' صرف اطاعت کا کوئی اعتبار نہیں جب تک وہ اللہ رب العزت کے یہاں قبول نہ ہو جائے۔

کیا ہر عبادت قبول ہو جاتی ہے؟

پھر کیا ہر عبادت قبول ہو جاتی ہے؟ فرمایا: ''لَيْسَ كُلُّ طَاعَةٍ سبيلا الى مثوبة الله ورضوانه'' بندے کی ہر عبادت قبول نہیں ہوتی، ہاں یہ تو اللہ رب العزت کی اپنی مرضی ہے کہ وہ قبول فرمالیں۔ اگر حقیقت کی بات کریں تو فرمایا: ''لولا جميل ستره لم يكن عمل اهلا للقبول'' اگر اللہ تعالیٰ کی ستاری کا معاملہ نہ ہوتا تو بندے کا کوئی عمل قبولیت کے قابل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اس کو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں بڑی تفصیل سے کھولا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان اتنی بلند ہے کہ بندہ جتنا چاہے بنا سنوار کے نمازیں پڑھے، جتنی بھی اچھی عبادت کرلے ''وھو سبحانہ وتعالی وراء الوراء، ثمَّ وراء الوراء ثمَّ وراء الوراء ''اس پروردگار کی بلندی وکبریائی اتنی ہے کہ یہ سب عبادتیں اس کی شان کے پردوں سے نیچے رہ جاتی ہیں، وہ پروردگار اس سے بھی بلند، اس سے بھی بلند، اس سے بھی بلند۔ یہی تو وجہ تھی کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی عبادت بھری زندگی گذاری، مگر اخیر میں فرمادیا کہ ''مَاعَبَدنَاکَ حَقَّ عِبادَتِک ''اے اللہ! جو عبادت کا حق تھا حق ادانہیں کرسکا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھنے کا ۴۰ سال تک معمول تھا، پھر اس کے بعد عمرے کے لئے تشریف لے گئے، مقام ابراہیم پہ دو رکعت میں قرآن مجید تلاوت کیا اور اس کے بعد ہاتھ اٹھا کے دعا مانگی تو دعا میں یہی کہا ''مَاعَبَدنَاکَ حَقَّ عِبادَتِک ''اے اللہ! جیسی تیری عبادت کا حق تھا وہ حق ادا نہیں کرسکے۔ جب یہ اکابر بھی مان رہے ہیں کہ ہم حق ادا نہیں کرسکے تو پھر ہم کس کھیت کے گاجر مولی ہیں، ہمارے اعمال کیا اوقات رکھتے ہیں۔

سوالات اور اس کے جوابات

یہاں طالب علم کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم ایسی عبادت کرہی نہیں سکتے جو اللہ کی شان کے مطابق ہو تو پھر عبادت پر اجر کیسے ملے گا؟ تو سنئے! اس کی تفصیل بھی ہمارے اکابر نے بتادی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ باپ اپنے بچے کو پہلے دن اسکول میں یا مدرسے میں داخل کرا کے آتا ہے، چھٹی کے بعد وہ بچہ آتا ہے، ہاتھ پہ سیاہی لگی ہوتی ہے، کپڑے پہ سیاہی لگی ہوتی ہے اور آ کے کہتا ہے ابو! آج میں نے لکھنا سیکھا ہے، تو والد کہتا ہے بیٹا! بتاؤ، وہ تختی دکھاتا ہے، دھبے لگے ہوئے ہیں، ٹیڑھی ٹیڑھی لکیریں بنی ہوئی ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے، مگر وہ اپنے بچے کو Encourage (ہمت افزائی) کرنے کے

لئے، اس کا دل رکھنے کے لئے اس بچے کو انعام نکال کے دے دیتا ہے، وہ انعام اس بچے کو خوش خطی کا نہیں مل رہا ہے، باپ کی محبت کا اظہار ہے کہ بچے نے ٹیڑھی میڑھی لکیریں بنا دیں، چونکہ باپ مہربان ہے اس لئے وہ انعام دے دیتا ہے۔ ہماری عبادات کا معاملہ ایسا ہی ہے، یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان نہیں ہیں، مگر ''إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ'' اللہ تعالیٰ بندوں پر رؤف رحیم ہے، وہ ان کی ٹیڑھی میڑھی عبادتوں پر بھی ان کو اجر عطا فرما دیتے ہیں۔

یہاں پر طلبہ کے ذہن میں ایک بات اور آتی ہے کہ بھائی اگر ہمارے عمل ہی اس قابل نہیں تو عمل پر اجر کیسے ملے گا جب کہ قرآن مجید میں فرمایا: ''تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ'' آیت تو بتا رہی ہے کہ جنت تو ملے گی عملوں کی وجہ سے، دوسری جگہ فرمایا ''اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ'' جنت تو عملوں کے بدلے یہاں سے محسوس ہوتی ہے؟ اس کی تفسیر علمائے کرام نے بہت خوبصورت بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھیں عمل کی وجہ سے جنت نہیں ملے گی، حدیث مبارک ہے: ''لَنْ يَدْخُلَ أَحَدٌ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ'' تم میں سے کسی بندے کو اس کے عمل کی وجہ سے جنت نہیں ملے گی۔ اور بخاری شریف کی روایت ہے، جابر رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''لَا يُدْخِلُ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا أَنَا إِلَّا بِرَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَىٰ'' اور دوسری حدیث مبارک بخاری شریف کی ہے ''لَنْ يُنْجِيَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ'' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِغُفْرَانِهِ'' ہاں مجھے بھی جنت عمل کی وجہ سے نہیں ملے گی ہاں اللہ کی مغفرت اگر مجھے ڈھانپ لے تو مجھے بھی نصیب ہو جائے گی، تو یہاں سے محسوس ہوتا ہے کہ عمل کی وجہ سے جنت نہیں ملے گی۔

ایک اور حدیث مبارک ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ لِلْجَنَّةِ'' اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائیں گے ''أَنْتِ رَحْمَتِي'' تو میری رحمت ہے ''أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي''

میں تیرے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا رحمت فرماؤں گا۔

جنت اللہ کی رحمت سے ملے گی

پھر جنت ملے گی کیسے؟ اس کی تفصیل میں ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے یہ عجیب بات لکھی فرماتے ہیں: ''اِنَّ عَمَلَ الاِنسانِ لایُنجِیهِ مِنَ النارِ و لایُدخِلُهُ الجَنَّةَ و اِنَّ ذٰلِکَ کُلَّهُ اِنَّمایَحصُلُ بِمَغفِرةِ اللهِ و رَحمتِه '' ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس کی ایک عام فہم دلیل دی ہے کہ بندے کو کیسے جنت ملے گی، وہ فرماتے ہیں''اِنَّ تَوفِیقَ العَمَلِ مِن رَحمَةِ اللهِ'' کہ بندہ جتنے اعمال کرتا ہے ان کی توفیق اللہ کی طرف سے ملتی ہے'' و لَو لا رَحمةُ اللهِ السَّابِقةُ مَا حصَلَ الاِیمانُ و لا الطّاعةُ الّتِی یَحصُلُ بِها النَّجاةُ'' اگر اللہ کی وہ توفیق نہ ہوتی نہ ایمان ملتا نہ عمل کی توفیق، تو معلوم ہوا کہ اگر عمل کی توفیق ملی تو رحمت اسی کی ہوئی، لہٰذا جنت بھی ملے گی تو اللہ کی رحمت سے ملے گی۔

دوسری دلیل دیتے ہیں''اِنَّ مَنافِعَ العَبدِ لِسَیِّدِہٖ فَعَمَلُه مُستحقٌ لِمَولاهُ'' اگر کوئی غلام ہو تو غلام جو بھی عمل کرتا ہے اس عمل کی اجرت اس کو نہیں ملتی وہ تو غلام ہے، اس کے جو منافع ہوتے ہیں وہ اس کے مالک کے ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ہم اگر عبادت کرتے ہیں تو پھر عبادت کے منافع مولیٰ کے لئے ہوں گے، اب اگر ہمیں وہ کچھ دے دیتا ہے تو ہمارا حق نہیں بنتا، یہ جو کچھ مل رہا ہے یہ ہمیں اللہ کی رحمت سے مل رہا ہے۔ چنانچہ حاکم نے ایک حدیث مبارک روایت کی جو اس بات کو بالکل صاف کر دیتی ہے، ذرا سنئے! جابر رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی کہ''اِنَّ عابِدًا عَبَدَ اللهَ عَلٰی رَأسِ الجَبَلِ فِی البَحرِ خمسَ مِائةِ سَنَةٍ'' ایک عبادت گذار نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر دریا کے اندر اللہ کی پانچ سو سال عبادت کی''ثُمَّ سَئَلَ رَبَّهٗ أَن یَقبِضَهٗ ساجِدًا'' پھر اس نے دعا مانگی کہ اے اللہ! میری روح سجدے کی حالت میں قبض ہو،''قال جبرئیل'' جبرئیلؑ نے بتایا کہ سجدے کی حالت میں اس کی موت آئی،''فنحنُ نَمرُّ عَلَیهِ اِذهَبَطنَا و اِذ عَرَجنا'' کہ جہاں وہ مدفون تھا اس کے قریب سے اوپر آسمان پر ہم جاتے اور نیچے اترتے'' و نَجِدُ فی العِلمِ''

اور یہ بات ہمارے علم میں آئی "اَنَّهٗ یُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَیُوْقَفُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ" کہ یہ بندہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے کھڑا کیا جائے گا "فَیَقُوْلُ الرَّبُّ" اللہ تعالیٰ اس بندے کے بارے میں فرمائیں گے "اُدْخِلُوْا عَبْدِیَ الْجَنَّةَ" میرے بندے کو جنت میں داخل کرو "بِرَحْمَتِیْ" میری رحمت کے سبب "فَیَقُوْلُ الْعَبْدُ" وہ بندہ کہے گا "یَا رَبِّ! بِعَمَلِیْ" اللہ! میری عبادت کی وجہ سے مجھے جنت میں داخل فرمائیے "یَفْعَلُ ذٰلِکَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ" یہ تین مرتبہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میری رحمت کے سبب داخل کرو، وہ کہے گا اللہ! میرے عملوں کے سبب "ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ لِلْمَلٰٓئِکَةِ" پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے "قَایِسُوْا عَبْدِیْ بِالنِّعَمِ عَلَیْهِ وَبِعَمَلِهٖ" میرے بندے کا حساب کرو اس کے عمل کتنے ہیں اور اس پر میری نعمتیں کتنی ہیں "فَیَجِدُوْنَ نِعْمَةَ الْبَصَرِ قَدْ أَحَاطَتْ بِعِبَادَةِ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ" جب حساب کیا جائے گا تو بینائی کی نعمت اس کی پانچ سو سال کی عبادت کے برابر ہو جائے گی "وَبَقِیَتْ نِعَمُ الْجَسَدِ لَهٗ" اور باقی جسم کی نعمتیں اس کے علاوہ ہوں گی، "فَیَقُوْلُ" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "اُدْخِلُوْا عَبْدِیَ النَّارَ" میرے بندے کو جہنم میں داخل کردو، اس نے تو میری ساری نعمتوں کا شکر بھی ادا نہیں کیا، "فَیُجَرُّ اِلَی النَّارِ" اس بندے کو فرشتے آگ کی طرف گھسیٹیں گے "فَیُنَادِیْ" وہ بندہ پھر پکارے گا: "بِرَحْمَتِکَ أَدْخِلْنِی الْجَنَّةَ" اللہ! اپنی رحمت سے جنت میں داخل کردیجئے "فَیُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ" پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو جنت میں داخل کریں گے "قَالَ جِبْرَئِیْلُ" جبرئیلؑ نے بتایا "یَا مُحَمَّدُ! اِنَّمَا الْأَشْیَاءُ بِرَحْمَةِ اللّٰہِ" اے محمد یہ سارا معاملہ اللہ کی رحمت کے بدولت ہی ہوگا۔

چنانچہ قرآن مجید کی آیت ہے "وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا" اگر اللہ تعالیٰ بندوں کا ان کے عملوں پر مؤاخذہ فرماتے "مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ" زمین کے اوپر کوئی جاندار بھی زندہ نہ رہتا لیکن اللہ تعالیٰ نہیں مؤاخذہ فرماتے اور اپنی رحمت سے جنت دے دیتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ عملوں کا بدلہ نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ ہے۔ اسی لئے فرمایا: "لَوْ أَنَّ اللّٰہَ عَذَّبَ أَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَأَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَیْرُ ظَالِمٍ

لَهم ولَو رَحِمَهم كانتْ رحمتُهٗ خيرًا لهم ''اگر اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے ہر انسان ذی روح کو جہنم کے اندر ڈال دیں تو یہ اللہ کا ظلم نہیں ہوگا، ہاں وہ جنت عطا فرمادے تو یہ اللہ کی رحمت سے ہے۔

جنت میں درجات اعمال کے حساب سے ملیں گے

چنانچہ علماء نے فرمایا کہ ''دُخولُ الْجَنَّةِ بِفَضْلِه'' جنت میں جو داخل ہونا ہوگا یہ اللہ کے فضل سے ہوگا، ''ودرَجاتُهٗ بِحَسبِ الأعْمال'' جو جنت کے درجے ہوں گے وہ عملوں کے حساب سے ہوں گے ''وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا'' لیکن جنت میں جو داخلہ ہوگا یہ اللہ کے فضل سے ہی ہوگا، اب جب معاملہ اللہ کے فضل پر ہے تو کوئی اپنے عمل پر ناز کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں کرسکتا، اس لئے جو بھی ہم عمل کریں نظر اللہ کی رحمت پر رکھیں کہ اے اللہ! جو میں کرسکا میں نے تو کیا مگر قبول تو آپ کو فرمانا ہے، اس لئے عمل کر کے بھی انسان روئے۔

اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اکابر کا خوف

ہمارے اکابر کرتے بھی تھے ڈرتے بھی تھے کہ معلوم نہیں اللہ کے یہاں قبول ہو یا نہیں، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بہت زار و قطار رو رہے تھے، ان کے ایک دوست آئے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غلطی ہوگئی، کوئی گناہ سرزد ہوگیا، ان کے سامنے گندم کا ایک دانہ پڑا تھا انھوں نے گندم کا وہ دانہ اٹھا کر دکھایا اور اپنے دوست سے کہنے لگے کہ دیکھو میں نے اپنی زندگی میں اللہ رب العزت کی ارادے کے ساتھ اتنی بھی نافرمانی نہیں کی جتنا یہ گندم کا دانہ ہے، اس نے کہا پھر روتے کیوں ہیں؟ کہنے لگے روتا اس بات پر ہوں کہ جو نعمت اللہ نے مجھے عطا کی ہے پتہ نہیں وہ موت تک محفوظ بھی رہے گی یا نہیں رہے گی اس بات پر رو رہا ہوں تو ہمارے اکابر ڈرتے تھے کہ اللہ رب العزت بے نیاز ہیں کہیں بے نیازی والا معاملہ نہ فرمادیں، اس لئے وہ کرتے بھی تھے اور ڈرتے بھی تھے، اور دعائیں مانگتے تھے کہ اے اللہ! جو کچھ ہوا اس کو قبول فرمالیجئے۔

اعمال کی قبولیت کی چند علامتیں

اب قبولیت کی علامات کیا ہیں؟ ذرا توجہ فرمائیے "مِنْ عَلَامَاتِ قَبُولِ الأَعْمَالِ" جو اعمال اللہ کے یہاں مقبول ہوتے ہیں ان کی علامات یہ ہیں۔

پہلی علامت

سب سے پہلے "مُوافَقَةُ العَمَلِ لِمَا جَاءَ بِهِ الشَّرْعُ وَصَحَّتْ بِهِ السُّنَّةُ" عمل کی قبولیت کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شریعت وسنت کے بالکل مطابق ہو، اگر شریعت کے مطابق نہیں تو قبولیت نہیں ہوسکتی۔ اب ایک صوفی صاحب کہیں کہ بڑی کیفیت بنی ہوئی ہے، میں فجر کی چار رکعت پڑھوں گا تو اس کی فجر کی نماز قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ شریعت ہی کے مطابق نہیں ہے، اس کو کہتے ہیں: "مِيزَانُ الأَعْمَالِ فِي ظَاهِرِهَا" ظاہر میں عمل کی قبولیت کی کسوٹی، وہ کسوٹی کیا ہے کہ عمل شریعت کے مطابق ہونا چاہئے، اگر شریعت سے ہٹ کر ہوگا تو "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ" وہ عمل رد کردیا جائے گا جو بھی شریعت سے ہٹ کر ہوگا۔ لہٰذا ہم اگر چاہتے ہیں کہ ہمارے اعمال بھی اللہ کے یہاں قبول ہوجائیں تو ہمیں چاہئے کہ عمل کو بالکل شریعت کے مطابق کریں، ہر چھوٹا بڑا عمل نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔

پاکیزہ غذا کی برکات

اس کے لئے انسان کو چاہئے کہ اس کا عمل بھی صاف ہو اور اس کا کھانا پینا بھی صاف ہو، کھانے پینے میں اگر تھوڑی سی بھی ملاوٹ ہوگی تو اللہ کے یہاں وہ عمل قبول نہیں ہوگا، ارشاد فرمایا "يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا" پاکیزہ کھانا کھایئے نیک عمل کیجئے، ہمارے اکابر مشتبہ چیز سے بہت زیادہ بچتے تھے، بہت اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جوانی کی عمر میں گئے، انھوں نے کھانا دیا تو انھوں نے خوب نکال کے کھایا، پھر اس کے بعد سونے کا وقت آگیا تو امام شافعیؒ

بستر پر لیٹ گئے، امام مالک ؒ کی بیٹیوں نے مہمان کے لئے پانی بھی رکھ دیا تھا کہ رات میں اٹھیں گے، وضو کریں گے، تہجد پڑھیں گے، اب جب صبح کا وقت ہوا تو امام مالک ؒ نے ان کو کہا کہ فجر کے لئے چلئے۔ امام شافعی ؒ فجر کی نماز ادا کرنے چلے گئے، جب امام مالک ؒ واپس آئے تو امام مالک ؒ کی بیٹیوں نے کہا کہ یہ آپ کا مہمان تو عجیب ہے، ایک تو اس نے بہت زیادہ کھایا، حالانکہ جو اہل اللہ ہوتے ہیں وہ تو تھوڑا کھاتے ہیں، اور دوسری بات یہ کہ ہم نے تہجد میں وضو کے لئے پانی بھر کے رکھا تھا، اس نے استعمال ہی نہیں کیا، محسوس ہوتا ہے کہ تہجد بھی نہیں پڑھی، تو امام مالک ؒ نے آ کر امام شافعی ؒ کو یہ بات بتائی کہ میری بیٹیوں کے ذہن میں یہ اشکال وارد ہو رہا ہے، تو امام شافعی ؒ نے جواب دیا حضرت! ایک بات تو یہ کہ جب میں نے آپ کے دسترخوان پہ کھایا، تو اتنا حلال، طیب، پاکیزہ کھانا مجھے قسمت سے ملا، لہٰذا میں نے خوب جی بھر کے کھالیا کہ یہ حلال اور پاکیزہ کھانا میرے جسم کا حصہ بن جائے، فرمایا اچھا تو پھر تہجد کا پانی اسی طرح پڑا رہا؟ فرمایا حضرت! آپ کو تو لگا کہ میں بستر پہ آ کر لیٹ گیا، مگر میری نیند تو غائب تھی، میں تو قرآن مجید کی آیت میں غور کرتا رہا اور ایک آیت سے میں نے آج کی رات ایک سو پچاس مسائل کا استنباط کرلیا اور میرا چونکہ وضو نہیں ٹوٹا تھا تو میں نے اسی وضو کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لی۔ معلوم ہوا کہ یہ پاکیزہ کھانا انسان کے دل کو اتنا منور کر دیتا ہے کہ اس پر اللہ رب العزت کی طرف سے علوم و معارف کی بارش ہوا کرتی ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ اکابر علماء دیوبند کے یہاں ایک بزرگ تھے، منّے شاہ کے نام سے معروف تھے، وہ گھاس کاٹتے تھے، مگر تھوڑا تھوڑا پیسہ وہ بچاتے رہتے تھے اور اتنا پیسہ پورے سال میں جا کر وہ بچا لیتے تھے کہ جتنے علماء و اساتذہ تھے ان کی ایک دن وہ دعوت کیا کرتے تھے، تو حضرت فرماتے ہیں کہ ان اساتذہ کو ان کی دعوت کا انتظار رہتا تھا، وجہ کیا تھی کہ جس دن ان کے یہاں کھانا کھا کر آتے تھے چالیس دن تک جو نماز ہوتی تھی ان کی حضوری بڑھ جایا کرتی تھی، ایسا کھانا ان کے یہاں ملتا تھا۔

مشتبہ کھانے کی نحوست

ہم نے اپنی زندگی میں حلال، طیب اور پاکیزہ چیز کھانے کا واقعی کئی مرتبہ تجربہ کیا، ایک واقعہ طلبہ کی خدمت میں عرض کردیں، بیرون ملک میں ہمارا ایک مدرسہ ہے، یہ عاجز ایک دن ان طلبہ کی تعلیمی Progress (سرگرمی) جائزہ لے رہا تھا، ایک طالب علم کے بارے میں دیکھا کہ اس طالب علم نے پورے سال میں ایک صفحہ بھی قرآن مجید کا مکمل نہ پڑھا، مجھے بڑی حیرت ہوئی، میں نے استاذ کو بلا کے پوچھا کہ بھائی پورے سال میں ایک صفحہ بھی نہ پڑھا، کیا مسئلہ ہے؟ استاذ نے کہا کہ جناب! میں نے اس شاگرد پر بڑی محنت کی، ویسے یہ بچہ ہے بھی سمجھدار، محنتی بھی ہے، پڑھتا بھی ہے، میں نے پڑھانے میں کمی نہیں کی، مگر کیا کروں کہ پڑھاتا ہوں تو پیچھے سے بھول جاتا ہے، آگے دوڑ اور پیچھے چھوڑ، اس کا یہی سلسلہ ہے، ذرا آگے پڑھاتا ہوں اور پیچھے کا سنتا ہوں تو کچھ بھی یاد نہیں رہتا تو بار بار اس کو پیچھے سے شروع کرانے کی وجہ سے اس کا صفحہ بھی ختم نہ ہوا، ہمیں بڑی حیرت ہوئی، ہم نے طالب علم کو بلالیا، اس سے پوچھا کہ یہ تیرا کیا مسئلہ ہے؟ طالب علم نے کہا کہ جناب میں اسکول کے اندر ہمیشہ First (اول) آتا ہوں اور میں سائنس میں اتنا قابل ہوں کہ میرا نام صدارتی انعام والے بچوں میں شامل کیا گیا ہے، سمجھ میں مجھے بھی نہیں آتا کہ میں یہاں آکے عربی پڑھتا ہوں تو میرا ذہن ہی نہیں چلتا، آگے سے پڑھتا ہوں تو پیچھے سے بھول جاتا ہوں، محنت بھی کرتا ہوں، جب کلاس کے بچوں نے بھی بتایا کہ واقعی یہ بچہ بہت محنت کرتا ہے، وقت ضائع نہیں کرتا تو ہماری فکر اور بڑھ گئی کہ یا اللہ یہ مسئلہ کیا ہے، کئی دن اللہ کی طرف متوجہ رہے، دعا مانگتے رہے کہ اللہ اصل حقیقت کیا ہے وہ کھول دیجئے، ایک دن خیال آیا کہ بچے کو بلا کے پوچھیں تو سہی، ہم نے بچے کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ بچے! یہ بتاؤ کہ تمہیں کھانے میں کیا کیا پسند ہے؟ بچے نے بڑی کھل کے بات بتائی کہ میرے ابو ڈاکٹر ہیں، شام کو آتے ہیں تو امی اور ابو دونوں باہر سیر کے لئے جاتے ہیں اور مجھے بھی ساتھ لے کے جاتے ہیں تو شام کا کھانا ہم باہر ہی ریسٹورینٹ پہ کھاتے ہیں، اس نے تین چار نام لئے Mc-donals کا کھانا،

فلاں کھانا، فلاں کھانا، جو غیر مسلموں کے ریسٹورینٹ میں ہوتے ہیں اس نے ان کا نام لیا، ہمیں بات سمجھ میں آگئی، ہم نے ایک دن کے والدین کو بلالیا، ہم نے ان سے کہا کہ دیکھیں آپ ڈاکٹر ہیں، آپ کا مال حلال کا مال ہے، محنت کرتے ہیں، لیکن اپنے بچے کو باہر جائے جو کھانا کھلاتے ہیں وہ تو غیر مسلم لوگوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں ہوتی ہیں، پتہ نہیں انھوں نے کیا ڈالا کیا نہیں ڈالا، اگر آپ بچے کو قرآن پڑھانا چاہتے ہیں تو ہمارے ساتھ وعدہ کریں کہ آج کے بعد یہ بچہ باہر کے ہوٹلوں کی بنی ہوئی چیز نہیں کھائے گا، فقط گھر کا کھانا اس کو کھلائیں، آپ کی بیوی مسلمان ہے، نمازی ہے، وہ گھر میں کھانا کھلائے، اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے تو اپنے بچے کو ساتھ لے جائیں، ہم اسے نہیں پڑھا سکتے، نہ آپ کے بچے کا وقت ضائع ہو، نہ ہمارے استاذ کا، جب اتنی سختی کی تو وہ گھبرا گئے، کہنے لگے حضرت! ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اب اس کو باہر کا کھانا نہیں کھلائیں گے، آپ بچے کو اپنے مدرسے میں رکھئے، پڑھائیے، ہم نے اس بچے کو رکھا، اگلے ایک سال میں اس بچے نے الحمد سے لے کر والناس تک پورا قرآن پاک پڑھ لیا، جس بچے نے ایک سال میں ایک صفحہ نہیں پڑھا تھا، آنے والے سال میں فقط اس نے گھر کا حلال کھایا، باہر کے کھانے چھوڑے، سوچئے! ایک سال میں پورا قرآن مجید اس نے مکمل پڑھ لیا، یہ باہر کے کھانوں کی اتنی ظلمت ہوتی ہے اور آج دیکھتے ہیں کہ طلبہ کو بازار کی پکی ہوئی چیزوں کے کھانے کا بڑا شوق ہوتا ہے، حلال مال کے ساتھ ایسی چیزیں کھالیتے ہیں جو دل کو سیاہ کردیتی ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ مال بھی حلال ہو اور پکی ہوئی چیز بھی حلال طریقے کی ہو، ان دونوں باتوں کا خیال رکھیں، جب دونوں باتوں کا خیال رکھیں گے تو دل منور ہوگا اور عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوگا۔

دوسری علامت

ایک دوسری علامت بھی ہے، وہ ''اِبْتِغَاء وَجْهِ اللهِ بِالْعَمَل'' کہ عمل اللہ رب العزت کے لئے کرے، انسان بھلے عمل سنت کے مطابق کرے، اچھے طریقے سے کرے، مگر

نیت کھوٹی ہوتو پھر بھی عمل قبول نہ ہوگا، اس کو کہتے ہیں ''مِیزانُ الأعمال فِی باطِنِهَا'' ایک تو تھا ظاہر کی کسوٹی کہ عمل سنت کے مطابق ہو، یہ باطن کی کسوٹی ہے کہ عمل بھی اللہ رب العزت کے لئے ہو۔ چنانچہ طبرانی شریف کی روایت ہے ''اِنَّ اللهَ لَایَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّامَا کَانَ خالِصًاوَ ابْتُغِیَ بِهٖوَ جْهُهٗ'' اللہ تعالیٰ صرف اسی عمل کو قبول کرتے ہیں جس عمل کا مقصد خالص اللہ رب العزت کی رضا ہو۔

تیسری علامت

قبول ہونے کی تیسری علامت ''زِیادةُالأعْمالِ و التَرَقّی فِی الْأحْوالِ'' کہ جو عمل اللہ کے یہاں قبول ہونا ہوتا ہے اس کو کرتے ہوئے انسان کی کیفیت بہت اعلیٰ ہوتی ہے۔ چنانچہ بزرگوں نے فرمایا ''مَنْ وَجَدَثَمَرَةَعَمَلِهٖ عاجِلًافَهُوَ دَلِیلٌ عَلٰی وجودِ القَبولِ آجِلًا'' کہ جس عمل میں انسان بعد میں کیفیت محسوس کرتا ہے یہ قبولیت کی علامت ہوا کرتی ہے۔ ''اِیقاظُ الْھِمَم'' ابن عجیبہ کی ایک کتاب ہے، اس میں لکھا ہوا ہے کہ ''مِنْ عَلائِمِ قَبولِ اللهِ لِلصَلٰوۃ'' کہ نماز کی قبولیت کی علامت یہ ہے ''أنْ یَشْعُرَ الْمُصَلِّی فِیها بِلَذَّةِ الإقبالِ عَلَی اللهِ'' کہ نماز پڑھتے ہوئے بندے کی کیفیت ایسی بنے جیسے کہ بالکل اللہ کے حضور حاضر ہے، اگر یہ کیفیت بن گئی تو یہ دلیل ہے کہ یہ نماز اللہ کے یہاں قبول ہوگئی، ''وَمِنْ عَلائِمِ قَبولِ اللهِ لِمناسِکِ الحَجّ'' حج پر انسان گیا تو حج قبول ہوا کہ نہیں، فرماتے ہیں ''أنْ تَقْطَعَهٗ عَنْ مَشاغِلِ الدُّنیاوَ هُمومِها'' کہ اگر وہاں جا کر انسان دنیا کے تمام خیالات و تفکرات سے بالکل ہٹ کٹ کے اللہ کی محبت میں ڈوب جاتا ہے اور ان اعمال کو کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا حج اللہ کے یہاں قبول ہے۔ پھر فرمایا ''ومِنْ عَلائِمِ قَبولِ اللهِ لِتِلاوةِ الْقُرْآن'' تلاوت قرآن کے قبولیت کی علامت یہ ہے ''أنْ یَشْعُرَ أنَّهٗ واصِلٌ بَینَ یَدَیِ اللهِ'' کہ تلاوت کرنے والے کی کیفیت ایسی ہو جیسے اللہ کے سامنے ہے، اللہ سے ہم کلامی کر رہا ہو۔ ان علامات سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا یہ عمل اللہ رب العزت کے یہاں قبول ہوگا۔

چوتھی علامت

ایک چوتھی علامت ''اَلْمُدَاوَمَۃُ عَلَی الْعَمَلِ'' کہ جو عمل اللہ کے یہاں قبول ہوتا ہے انسان کو اس کے اوپر مداومت نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے آسان لفظوں میں کہا کہ اے دوست! تیرا ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے لئے مسجد میں آجانا تیری پہلی نماز کے قبول ہونے کی دلیل ہے، اگر قبول نہ ہوتی تو آنے کیوں دیتے؟ آپ کو اگر کسی بچے کی بات نہیں ماننی ہوتی تو اس کو پاس نہیں آنے دیتے، دور ہی رکھتے ہیں، اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کو کسی کی نماز قبول نہیں کرنا ہوتا تو مسجد کے اندر داخل نہیں ہونے دیتے۔ یہ وہی والی بات ہے کہ مالک نے غلام سے کہا کہ جلدی سے نماز پڑھ کے آؤ، اور غلام کو نماز پڑھنے میں دیر لگ گئی، تو مالک نے کہا کہ ارے! کون تجھے باہر نہیں آنے دیتا؟ تو غلام نے جواب دیا جناب! جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھے باہر نہیں جانے دیتا۔ تو اگر اللہ رب العزت کو قبول نہ کرنی ہوتو قریب نہ آنے دے، ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے لئے آنے کی جب توفیق دے دی تو یہ پہلی نماز کے قبول ہونے کی پکی علامت ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اور قبولیت کی دعا کا اہتمام

تاہم یہ قبولیت ایسی بات ہے کہ انبیاء کرام بھی ڈرا کرتے تھے اور وہ بھی دعائیں مانگتے تھے کہ اللہ ہمارے عملوں کو قبول کر لیجئے، ذرا غور کیجئے! ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو بنایا پھر کیا کہا ''وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا'' دیکھئے ابراہیم علیہ السلام قبولیت کی دعا مانگ رہے ہیں، پھر فرماتے ہیں ''رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ، رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ'' تو دیکھئے یہاں بھی قبولیت کے لئے دعا مانگ رہے ہیں۔

اسی طرح اللہ نے عمران علیہ السلام کی بیوی کو امید لگائی تو ابھی بچہ ہوا نہیں مگر وہ پہلے ہی سے دعا مانگ رہی ہیں ''اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ'' اور پھر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ''فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ

وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا'' تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اس بات کی فکر رہتی تھی کہ ہم جو اعمال کر رہے ہیں اللہ اس کو قبول فرمالے، امت کو سمجھانے کے لئے انھوں نے دعائیں مانگیں۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت کے بارے میں کئی دعائیں ہیں، سب سے پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانور ذبح کرتے ہوئے فرماتے تھے ''بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم'' یہاں قبولیت کی دعا مانگی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ''رَبِّ أَعِنِّيْ وَتَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَأَجِبْ دَعْوَتِيْ ''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ''اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ'' ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ''اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ حَسَنَاتِيْ'' اللہ! میرے نیک عملوں کو قبول فرمالیجئے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا'' تو دیکھئے اعمال کی قبولیت کی دعا مانگ رہے ہیں، گویا امت کو یہ تعلیم دی کہ عمل کر کے ناز میں نہ پڑ جانا، اپنے آپ کو کچھ سمجھنے نہ لگ جانا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی سے ڈرتے رہنا، پتہ تو تب چلے گا جب اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل پیش ہوگا

کون مقبول ہے کون مردود ہے　　　بے خبر کیا خبر تجھ کو کیا کون ہے
جب تلیں گے عمل سب کے میزان پر　　　تب کھلے گا کہ کھوٹا کھرا کون ہے

یہ کھوٹا کھرا تو قیامت کے دن جا کر پتہ چلے گا جب اللہ رب العزت کسی بندے کے عملوں کو قبول فرمالیں گے۔

اعمال کی قبولیت کے چند اسباب

تاہم کچھ اسباب ہیں جن کو اختیار کیا جائے تو اعمال قبول ہو جاتے ہیں۔

پہلا سبب: دعا

ان میں سے پہلا عمل ''دعا'' کہ عمل کریں پھر قبولیت کی دعا مانگیں کہ اے اللہ! مجھ سے یہ عمل قبول فرمالیجئے، جیسے عمران علیہ السلام کی بیوی نے دعا مانگی کہ اے اللہ! جو بچہ میرے

بطن میں ہے اسے قبول فرما لیجئے تو اللہ نے قبول کرلیا۔

دوسرا سبب: تقویٰ

دوسری چیز ہے "تقویٰ" کہ جو انسان تقویٰ بھری زندگی گذارے گا اللہ تعالیٰ اس کے عملوں کو قبول فرمائیں گے، اس لئے ارشاد فرمایا "اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ" کہ اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کے اعمال قبول کرتے ہیں۔

تیسرا سبب: اخلاص

تیسرا سبب "اخلاص" کہ انسان کے اندر اخلاص ہو، دکھاوا نہ ہو۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! اخلاص کے بارے میں یہ الفاظ تو ہم بہت پڑھتے رہتے ہیں، ہمیں مثال دے کر سمجھائیں کہ اخلاص ہوتا کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی چرواہے کو دیکھا ہے جو بکریوں کے درمیان بیٹھ کے نماز ادا کرے؟ اس نے کہا حضرت! دیکھا ہے، فرمایا وہ بکریوں کے درمیان بیٹھ کے جب نماز پڑھتا ہے تو نماز پڑھنے کے بعد اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ بکریاں میری تعریف کریں گی؟ اس نے کہا اس کے دل میں تو خیال بھی نہیں آتا، پھر فرمایا: جو مخلص انسان ہوتا ہے وہ انسانوں کے درمیان بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے مگر کسی بندے سے اس کو تعریف کی کوئی توقع نہیں ہوا کرتی، طمع ہی نہیں ہوتی کہ کوئی میری تعریف کرے، تو ایسے اخلاص کے ساتھ اگر ہم عمل کریں تو یقیناً وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوگا۔

بخاری شریف کی قبولیت

دیکھئے اللہ رب العزت نے بخاری شریف کو قبولیت عطا فرمائی، کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو بڑے اخلاص کے ساتھ لکھا، آپ جانتے ہیں کہ ہر حدیث مبارک کو لکھنے سے پہلے غسل کرتے تھے، دو رکعت نماز ادا کرتے تھے، پھر حدیث مبارک لکھا کرتے تھے، تو معلوم ہوا کہ دو دو رکعت پڑھ کر دعا مانگتے کہ اللہ! قبول کر لیجئے، اللہ! قبول کر لیجئے۔ اور آج اس کی قبولیت دیکھئے کہ جب تک کوئی اس کتاب کو نہ پڑھے وہ عالم کہلانے

کا حقدار نہیں ہوسکتا، یہ اللہ کے یہاں قبولیت ہے۔

مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی قبولیت

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا لکھی، اسی زمانے میں ایک بزرگ تھے ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ، انھوں نے بھی مؤطا کے نام سے کتاب لکھی اور وہ اس سے ضخیم بھی تھی، تو لوگوں نے امام مالکؒ سے فرمایا ''مَاالْفَائِدَۃُ فِی تَصْنِیْفِہٖ'' کہ انھوں نے اسی نام سے اتنی موٹی کتاب لکھ دی تو آپ کی یہ پتلی سی مؤطا لکھنے کا کیا فائدہ؟ تو امام صاحب نے جواب میں فرمایا ''مَا کَانَ لِلّٰہِ یَبْقِیٰ'' کہ دونوں میں سے جو اللہ کے لئے ہوگی باقی رہے گی، آج ابن ابی ذئب کی مؤطا کو وہ مقام حاصل نہیں ہوا، اور امام مالکؒ کی مؤطا آج ہر دورۂ حدیث میں پڑھائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اخلاص کے اوپر منحصر ہے۔

فقہ حنفی کی قبولیت

جیسے اللہ رب العزت نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قبولیت عطا فرمائی، فقہ حنفی کو اللہ نے ایسی قبولیت دی کہ انسان حیران ہوتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ فقہ حنفی اس لئے دنیا میں پھیلی کہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ Chief justice (قاضی القضاۃ) بن گئے تھے، ان کے ذریعہ سے یہ فقہ پھیلی، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ ہارون رشید نے اپنے زمانے میں علماء کو دیوار چین دیکھنے کے لئے یا اس کے حالات معلوم کرنے کے بھیجا، انھوں نے آکر کہا کہ ہم جہاں گئے فقہ حنفی کا علم ہم سے پہلے وہاں پہنچا ہوا تھا اور آج دیکھئے پوری دنیا کے اندر فقہ حنفی کے اوپر عمل سب سے زیادہ ہو رہا ہے، پاکستان، ہندوستان، افغانستان، اس کے بعد جتنی Russia (روس) کی ریاستیں ہیں سب کے اندر فقہ حنفی پر عمل ہو رہا ہے، پھر اس سے آگے چلے جائیں ترکی کے اندر دیکھیں، شام کے اندر دیکھیں تو آپ کو اللہ کی بہت مخلوق نظر آئے گی جو اس فقہ کے اوپر عمل کرکے آج زندگی گذار رہی ہے۔

عبادات میں فقہ غیر حنفی پر عمل اور مقدمات میں فقہ حنفی پر عمل

بلکہ اس میں ایک مزے کی بات سنئے ! ایک مرتبہ ہوائی جہاز میں میرے قریب کی سیٹ پہ سوڈان کے ایک جسٹس بیٹھ گئے تھے، وہ عالم بھی تھے اور اپنے علاقے کے جسٹس بھی تھے، ان سے بات چیت ہوتی رہی تو بات چیت میں میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کے یہاں کس فقہ کے اوپر عمل ہوتا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمارے یہاں عبادات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہوتی ہیں، لیکن عدالتوں کے جتنے مقدمے ہیں وہ سب کے سب فقہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں، میں نے پوچھا ایسا کیوں؟ کہنے لگے اس سے زیادہ اچھی فقہ کی تدوین اور کہیں ہے ہی نہیں، میرے ذہن میں بات آئی کہ ممکن ہے یہ ان کے اپنے Comments (تبصرے) ہوں مگر ایک دوسرا واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ مصر جانا ہوا تو وہاں الازہر میں جو مفتیٔ اعظم تھے، ان سے ہمارے ایک دوست نے سوال پوچھا کہ حضرت یہاں تو سب شافعی طریقے سے عبادت کرتے ہیں؟ تو مفتیٔ اعظم نے کہا کہ مجھے حق بات کہنے میں کوئی جھجک نہیں، ہمارے یہاں اگرچہ عبادات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر کرتے ہیں، لیکن ہماری عدالتوں کے سب مقدمات اب بھی فقہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ جہاں عبادات کسی اور امام کے قول پر ہو رہی ہیں، وہاں بھی عدالتوں کے سارے فیصلے فقہ حنفی کے مطابق ہوتے ہیں، یہ کیا چیز ہے؟ یہ اللہ کے یہاں مقبولیت ہے جو اللہ رب العزت نے فقہ حنفی کو عطا فرمائی۔

اگر اس کی کوئی اور مثال دیکھنی ہے کہ اللہ کے یہاں قبولیت جب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو جاری و ساری فرما دیتے ہیں، ذرا غور کیجئے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بچے کو اللہ کے نام پر قربان کیا، اللہ کے یہاں وہ عمل قبول ہوا، چنانچہ اللہ فرماتے ہیں ''وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ'' ہم نے آنے والوں میں بھی اس عمل کو جاری فرما دیا، آج بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو سال میں ایک دن تازہ کیا جاتا ہے، زندہ کیا جاتا ہے، اس سنت پر عمل کیا جاتا ہے۔ بی بی ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیان بھاگیں، اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند آ گیا، اللہ تعالیٰ نے

اس سعی کو حج کا ایک حصہ بنا دیا، آج کوئی بھی شیخ، مفتی، عالم جائے اس کا حج مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑیں گے نہیں، تو معلوم ہوا کہ عمل کی قبولیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اللہ عمل کو آئندہ جاری فرما دیتے ہیں، عمل کا فیض جاری فرما دیتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی قبولیت

ایک تازہ مثال ہمارے سامنے اس دارالعلوم دیوبند کی ہے کہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اتنے اخلاص کے ساتھ اس کی بنیاد رکھی کہ اللہ رب العزت نے اس ادارہ کے فیض کو پوری دنیا کے اندر پہنچا دیا، اس عاجز کو اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے شاید ۵۰ سے زیادہ ملکوں میں دین کی نسبت پر سفر کرنے کی توفیق بخشی، مجھے اپنی زندگی میں کوئی جگہ ایسی نہیں ملی جہاں یہ عاجز پہنچا ہو اور وہاں پہلے ہی سے علماء دیوبند کا کوئی نہ کوئی روحانی فرزند کام کرتا نظر نہ آیا ہو، اللہ کے یہاں کیا قبولیت ہے

کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے

اللہ نے کہاں کہاں اس کا فیض پہنچایا، ہم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے، بلکہ جتنی مقبول ہستیاں یہاں سے اٹھیں ہیں دنیا میں کوئی دوسری جگہ نہیں نظر آتی، ہاں مدینہ تو مرکز تھا اور ابتداء تھی، پھر اس کے بعد اگر آپ ان مقامات کا شمار کریں جہاں سے مقبول ہستیاں اٹھی ہوں، تو اس فہرست میں آپ کو یہ دیوبند اور اس میں قائم یہ دارالعلوم ضرور ہی شامل کرنا پڑے گا۔ اس ادارہ کو اللہ رب العزت نے وہ قبولیت عطا فرمائی۔

علمائے دیوبند کی جلالتِ شان

ہمارے اکابر کی علمی حیثیت کیا تھی، ؟ امید ہے کہ طلبہ ذرا توجہ کے ساتھ سنیں گے کہ اللہ رب العزت نے ان کو صفائی باطن اور تعمیر ظاہر کی وجہ سے کیا علمی مقام عطا فرمایا تھا۔

اکابر علماء کے نزدیک حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمیت کے عرب کے علماء بھی قائل، عجم کے علماء بھی قائل، انھوں نے جو حدیث پاک کے اوپر لکھا اس کی وجہ سے عرب کے علماء بھی ان کی علمیت کے قائل ہیں، ان کا لوہا مانتے ہیں چنانچہ انھوں نے "فتح الملہم" شرح مسلم کے اندر اپنے شیخ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا، ذرا سنئے گا، لکھنے والے ہیں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، جن کو عرب وعجم کے علماء مانتے ہیں کہ واقعی ٹھوس علم والی شخصیت تھی، وہ اپنے شیخ کے بارے میں فتح الملہم میں فرماتے ہیں "سَأَلْتُ الْعَلامةَ التَّقِيَّ التَّقِيَّ الَّذِي لَمْ تَرَ الْعُيونُ مِثْلَهُ وَلَمْ يرَ هُوَ مِثْلَهُ" کہ میں نے پوچھا اپنے استاذ سے جو متقی تھے، پاک تھے، جن کی مثل نہ میری آنکھوں نے دیکھا، نہ انھوں نے اپنا کوئی مثل دیکھا "ولَو كَانَ فِي سَالِفِ زَمانٍ لَكانَ لَهُ شَأنٌ فِي طَبَقةِ أَهلِ الْعِلْمِ عَظِيمٌ وهو سيِّدُنا ومولانا الأنْوَرُ الكشميري" کتنے عظیم الفاظ انھوں نے کہے، اس سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی علمیت اور جلالتِ شان کا پتہ چلتا ہے، اب یہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ "ابن نُجَيم المصری" جو صاحب بحر الرائق ہیں "أَفْقَهُ عِندِي مِنَ الشَّامِي" علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ابن نُجَیم میری نظر میں علامہ شامیؒ سے زیادہ بڑے فقیہ تھے "لِأَنَّ أَمارَاتِ الْفِقْهِ تلوحُ مِنْهُ" اس لئے کہ ان کی عبارات سے فقہ کی شان اور اس کا نور چمکتا نظر آتا ہے، "وكذٰلك الشاه عبدالعزيز المحدث الدهلوي" اور ایسے ہی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وہ بھی میرے نزدیک علامہ شامی سے زیادہ فقیہ تھے، "وكذٰلك شيخُ مشايِخِنا رشيد أحمد الكنكوهي افقه عندي من الشامي" اور اسی طرح میرے نزدیک رشید احمد گنگوہیؒ علامہ شامیؒ سے زیادہ فقیہ تھے یہ Comments (تبصرے) کوئی عام بندہ نہیں دے رہا ہے، یہ Comments علامہ انور شاہ کشمیریؒ دے رہے ہیں اور علامہ کشمیریؒ کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانی ایسی بات کر رہے ہیں، تو سوچئے اللہ رب العزت نے کیا ان کو علمی شان عطا

فرمائی ہوگی۔

اسی لئے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ضیاء القلوب میں لکھا کہ جو لوگ مجھ سے تعلق رکھتے ہیں، وہ مولوی قاسم اور مولوی رشید احمد کو میری جگہ بلکہ مجھ سے اعلیٰ سمجھیں اور ان کے وجود کو غنیمت سمجھیں، اب ایسے لوگ پیدا نہیں ہوتے، اللہ اکبر کبیرا۔ حاجی صاحبؒ کا ایک اور قول ہے، فرماتے ہیں کہ جس طرح شمس تبریز کی زبان مولانا روم بنے، ایسے ہی مولوی قاسم میری زبان ہیں، جو معارف میرے قلب پر وارد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مولوی قاسم کی زبان وقلم سے ادا کروادیتے ہیں۔

اب اگلی بات سنئے! حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ شاہجہاں پور مباحثہ کے لئے گئے، جہاں مختلف مذاہب کے لوگ آئے ہوئے تھے اور ہر ایک کو اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت کرنا تھا، تو حضرت نانوتویؒ نے الحمدللہ دینِ اسلام کی صداقت کو ایسا واضح کیا کہ سب لوگوں نے مانا کہ واقعی ان کی بات سب سے اعلیٰ ہے، جب انھوں نے مذاہب باطلہ کا بطلان ثابت کردیا اور حضرت گنگوہیؒ کو اس کامیابی کا علم ہوا تو حضرت گنگوہیؒ کی آنکھوں میں آنسو آپڑے، پوچھا حضرت! کامیابی کی بات سن کے رو کیوں پڑے؟ تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا، مجھے لگتا ہے کہ میرا دوست اب مجھ سے جدا ہوجائے گا اور پھر فرمایا: اسے جس کام کے لئے اللہ نے پیدا کیا تھا وہ کام انھوں نے کردیا، اللہ کی شان کہ اسی سال حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا انتقال ہوگیا۔ یہ تو ان حضرات کو اللہ رب العزت کی طرف سے قبولیت تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اہلِ کشف کے اقوال

اب ذرا حضرت گنگوہیؒ کے بارے میں سن لیجئے، ان کے بارے میں بزرگ کیا فرماتے ہیں، چنانچہ سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ جو مجذوب تھے، وہ حضرت گنگوہیؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: میں نے ان کو مجلسِ نبوی میں مسند افتاء پر فائز بیٹھے دیکھا ہے، یہ توکل شاہ انبالویؒ فرماتے تھے۔ میاں عبدالرحیم ولایتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے بارے میں کہ اس شخص کا قلم عرش الٰہی کو دیکھ کر چلتا ہے، یہ الفاظ کہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادیؒ جو صاحب کشف بزرگ تھے اوران کا کشف اتنا معروف تھا کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفر میں قصر پڑھی، ان کے پاس پہنچے تو بغیر بتائے ان کو پتہ چل گیا کہ نماز کیسے، پڑھی اور ڈانٹ پڑی ان کے پاس ایک مرتبہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ —— ہمارے اکابر علمائے دیوبند میں علم حدیث میں جتنا مقام ان کا بلند تھا وہ دوسروں کا نظر نہیں آتا، اور آج بھی بخاری شریف پر ان کا حاشیہ لکھا ہوا موجود ہے، حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۵ پارے کا حاشیہ لکھا اور باقی ۵ پارے جو تھے ان کی وفات کے بعد حضرت قاسم نانوتویؒ نے اس کو مکمل کیا —— یہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ مولانا فضل رحماں گنج مرادآبادیؒ کو ملنے کے لئے آئے تو حضرت نے پوچھا کہ آپ نے حاشیہ لکھا ہے؟ کہا: جی، فرمایا تمہارے حاشیہ میں فلاں جگہ پر غلطی ہے، کشفاً پتہ چل گیا، دیکھا تو واقعی اس جگہ پر کتابت کی غلطی تھی، حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کا ایسا کشف تھا، اب ذرا سنئے کہ یہ حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی حضرت گنگوہیؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو بڑے بڑوں کو ڈانٹ دیتے تھے، ایک دفعہ حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کا خادم حضرت گنگوہیؒ کو ملنے کے لئے آگیا، جب واپس جانے لگا تو حضرت گنگوہیؒ نے کہا کہ اپنے پیر سے کہنا کہ خُلقِ محمدی اختیار کریں، وجہ یہ تھی کہ حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کے پاس اکثر جو لوگ جاتے تھے ڈانٹ کھا کے آتے تھے، ہر آنے والے کو ڈانٹ پڑتی تھی، اس پر حضرت گنگوہیؒ نے ان کے خادم کو یہ پیغام دے دیا، اب وہ آیا اور حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی کو ملا، انھیں کشفاً پتہ چل گیا تھا، پوچھا بھائی! انھوں نے آتے ہوئے کیا کہا؟ پہلے تو اس نے چھپانے کی کوشش کی، مگر اللہ والے تو جَوَاسِیْسُ الْقُلُوب ہوتے ہیں، اس کو پتہ چل گیا کہ مجھے بتانا پڑے گا، اس نے کہا:

انھوں نے آتے ہوئے مجھے فرمایا کہ اپنے پیر سے کہنا کہ خُلقِ محمدی اختیار کریں، تو انھوں نے آگے سے کہا کہ پہلی بات تو سن لو کہ لوگ مجھ سے دین سیکھنے نہیں آتے، فقط دم و تعویذ کروانے آتے ہیں، دنیا کے لئے آتے ہیں، اس لئے میں ڈانٹتا ہوں، پہلے تو بات کو ذرا کھول دیا اور پھر فرمایا کہ میں اس صاحبزادے جیسا ظرف کہاں سے لاؤں، یہ حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ حضرت گنگوہیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اس صاحبزادے جیسا ظرف کہاں سے لاؤں جو سمندر کا سمندر پیئے بیٹھا ہے اور ڈکار بھی نہیں لیتا، اب دیکھئے کہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو اللہ نے کیا علمی شان دی تھی، حضرت کشمیریؒ کو کیا شان دی تھی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام

حضرت تھانویؒ سبحان اللہ! دو ہزار (۲۰۰۰) سے زیادہ کتابیں لکھیں، اگر ان کے علمی مقام کو دیکھنا ہو تو ان کی تفسیر بیان القرآن کو پڑھ لیجئے، کہتے ہیں کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ طلبہ کو اردو تفاسیر پڑھنے سے منع فرماتے تھے کہ بھائی! اگر اردو کی تفاسیر پڑھوگے تو تمہاری استعداد نہیں بڑھے گی، عربی تفاسیر پڑھا کرو، جب ان کے سامنے تفسیر بیان القرآن آئی اور انھوں نے پڑھا تو اس دن کے بعد سے اردو تفسیر پڑھنے سے جو وہ منع کرتے تھے اس بات کو انھوں نے ختم کر دیا، فرمانے لگے کہ اس تفسیر کو دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اب اردو زبان میں بھی علم منتقل ہو چکا ہے، ایسی علمی شان تھی۔ پھر اللہ رب العزت نے دیکھئے علم بھی ان کے ذریعہ سے پھیلایا اور ذکر بھی ان کے ذریعہ سے پھیلایا، واقعی وہ حکیم الامت تھے، اللہ رب العزت نے ان کو علمی شان عطا فرمائی تھی۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام

پھر آگے دیکھئے، حضرت مدنیؒ کو کہ ۱۸ سال مسجد نبوی میں گنبد خضراء کے قریب بیٹھ کر انھوں نے حدیث پاک کا درس دیا، محدث حدیث پڑھاتے ہیں تو "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

پڑھاتے ہیں اور حضرت مدنی پڑھاتے تھے تو اشارہ کر کے کہتے تھے: "قال ھذا النبیﷺ" مسجد نبوی میں ۱۸ سال درس دینا کوئی معمولی بات تو نہیں۔ اور کوئی ایک دو مضمون نہیں پڑھاتے تھے، عرب کے لوگ ان سے اتنا علم حاصل کرتے تھے کہ ایک دن میں گیارہ گیارہ مرتبہ درس ہوتا تھا، پھر اللہ رب العزت نے ان کو یہاں پہنچایا اور انھوں نے یہاں بیٹھ کے جو حدیث کی خدمت کی تو آج جتنے بڑے بڑے مدارس میں حدیث کے اساتذہ ہیں وہ یا تو حضرت اقدس تھانویؒ کے شاگرد ہیں یا حضرت مدنیؒ کے شاگرد ہیں، اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں ان کے ذریعہ اس علم کو پھیلا دیا۔

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول اکابر دیوبند کے بارے میں

کیسے ہمارے اکابر تھے؟ امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اکابر علماء دیوبند کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا، اللہ رب العزت کی رحمت نے پسند کیا کہ متاخرین کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ میرے محبوب ﷺ کی جماعت کیسی تھی، اللہ نے کچھ لوگوں کو پیچھے رکھ لیا اور اس زمانے میں پیدا فرما دیا اور ان کے نام قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی تھے، فرماتے تھے یہ اس قافلے سے بچھڑی ہوئی روحیں تھیں جن کو اللہ نے اس زمانے میں پیدا فرما دیا

أُولٰئِکَ آبائی فجِئنِی بِمِثْلِهِم		اِذا جَمَعَتْنا یا جریرُ المَجامِعُ

کفر نا چا جن کے آگے بارہا گنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پر ناچ کرتا ہے سفن
ان میں قاسم ہو کہ انور شاہ کہ محمود الحسن
سب کے دل تھے درد مند اور سب کی فطرت ار جمند

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ایک انفرادی خصوصیت

حضرت شیخ الہندؒ، اللہ کے یہاں کیا مقبول شخصیت تھی، دیکھئے شاگرد تو بہت سوں کے ہوتے ہیں، آپ میں سے اساتذہ ہوں گے، جن سے سیکڑوں طلبہ پڑھ چکے ہوں گے،

اگر سوال پوچھا جائے کہ ان سیکڑوں میں سے کون دین کے لئے قبول ہوا؟ تو ان میں سے بہت ہی تھوڑے ہوں گے، ورنہ پڑھنے والے تو بہت سے کہیں دنیا کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور کہیں ادھورا کام کر رہے ہیں اور باقی ویسے ہی زندگی گذار رہے ہیں، حضرت شیخ الہندؒ کو اللہ رب العزت نے وہ مقام دیا تھا کہ جس شخص نے ان سے علم پڑھا ایک شاگرد بھی ایسا نہیں دکھا سکتے جس نے دین کا کام نہ کیا ہو، ایسی قبولیت تھی اللہ کے یہاں کہ ان کی شاگردی میں جتنے طلبہ نکلے سب کے سب دین کا کام کرنے والے تھے، یہ کیا وجہ تھی؟ یہ اللہ رب العزت کی ان کے اوپر رحمت تھی، یہ ان کا اخلاص تھا۔

مالٹا میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر انگریز کا ظلم

وہ حضرت شیخ الہندؒ، ان کی عاجزی کے واقعات آپ ان کے حالات زندگی میں پڑھتے ہی رہتے ہیں، ایک بات بتاتا ہوں کہ ان کو بھی اپنی قبولیت کی کتنی فکر رہتی تھی، ذرا توجہ فرمائیے، جب حضرت شیخ الہندؒ کی وفات ہوئی تو حضرت مدنی کلکتہ گئے ہوئے تھے، وہاں سے ان کو خبر ملی اور وہ اپنے شیخ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے واپس تشریف لائے، جب جنازہ ادا ہو گیا تو جو غسل دینے والا تھا اس نے پوچھا کہ میں نے حضرت شیخ الہندؒ کی کمر کے اوپر نشان دیکھے ہیں، وہ نشان عام نہیں ہوتے، پتہ نہیں یہ کیسے نشان تھے، ذرا پتہ کریں، گھر والوں سے پتہ کیا تو گھر والوں کو بھی پتہ نہیں تھا، کیونکہ حضرت کی عادت تھی کہ گھر میں بھی ہمیشہ بنیان میں رہتے تھے، کسی نے حضرت مدنیؒ سے پوچھا کہ حضرت! آپ کو معلوم ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی پشت پہ یہ نشان کیسے تھے؟ تو حضرت مدنیؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمانے لگے کہ یہ میرے شیخ کا راز تھا اور انھوں نے مجھے فرمایا ہوا تھا کہ میری زندگی میں تم کسی کو نہ بتانا اور میں نے آج تک نہیں بتایا، اب چونکہ وفات پا چکے، اس لئے اب میں بتاتا ہوں کہ جب ہم مالٹا میں قید تھے، اس وقت فرنگی نے ایک مرتبہ شیخ الہندؒ کو بلایا اور فرمایا کہ تم یہ کہو کہ تم ہمارے ساتھ ہو، حضرت نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا، تو اس نے انگارے گرم کروائے، آگ جلوائی اور کہا کہ

تمہیں ان انگاروں پر لٹاؤں گا، حضرت نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا، انگاروں پر لٹایا گیا، پیچھے زخم ہوئے، بدن جلا، یہ ان زخموں کے نشانات ہیں، اور جب یہ سزا دینے کے بعد حضرت کمرے میں آئے تو رات میں سویا نہیں جا رہا تھا، بیٹھے تھے، ہم شاگرد تھے، ہم سے حضرت کی یہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی تھی، ہم نے اس وقت عرض کیا کہ حضرت! آخر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الْحِیَل لکھی، حیلہ تو شریعت میں جائز ہے، اپنی جان بچانے کے لئے انسان کچھ نہ کچھ کرسکتا ہے، آپ کوئی ذو معنی لفظ بول دیں کہ جس سے جان بھی چھوٹ جائے اور یہ ظالم ہٹ بھی جائیں، جان بچانے کے لئے تو اجازت ہوگی، فرمانے لگے جب میں نے یہ الفاظ کہے تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: مدنی! کیا سمجھتے ہو، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا، میں روحانی بیٹا ہوں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا، میں روحانی فرزند ہوں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا، میں روحانی بیٹا ہوں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا؛۔۔ حسین احمد! یہ میرے جسم سے جان نکال سکتے ہیں، یہ میرے دل سے ایمان نہیں نکال سکتے، کیسی اللہ نے ان کو استقامت عطا فرمائی تھی۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر خدا کی شان بے نیازی کا اثر

اب سنئے! ایک مرتبہ وہاں کے جو افسران تھے انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے بارے میں فیصلہ کیا کہ ان کو پھانسی دو، اور قصہ ہی ختم کرو، جب حضرت کو پھانسی کی خبر ملی تو حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے، بہت رو رہے ہیں، زار و قطار رو رہے ہیں، شاگرد حیران ہیں کہ حضرت اس موقع پر تو خوش ہونا چاہئے تھا، پھانسی لٹکا دیں گے جان چھوٹ جائے گی، مقصدِ زندگی پورا ہو جائے گا، مگر ہم دیکھ رہے تھے کہ شیخ الہندؒ کے چہرہ پہ خوف ہے اور زار و قطار آنسو گر رہے ہیں، پھر ہم دو تین شاگرد قریب ہوئے، ہم نے کہا کہ حضرت! یہ پھانسی کی خبر تو خوشی کی خبر ہے، آپ کیوں گھبرا رہے ہیں؟ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمانے لگے حضرت نے آنکھ اٹھا کے دیکھا، آنکھوں سے آنسو ٹپکے، فرمانے لگے حسین احمد! میں موت سے نہیں ڈر رہا ہوں، مجھے اللہ کی شان بے نیازی رلا رہی ہے، وہ کبھی کبھی بندے کی جان بھی لے لیا کرتا

ہے اور قبول بھی نہیں کیا کرتا، میں اس لئے رو رہا ہوں کہ جان بھی لے لیں اور قبول بھی نہ کریں۔

ان کو اللہ کی شان بے نیازی رلاتی تھی اور واقعی جس کو پتہ ہو کہ وہ کتنی بے نیاز ذات ہے وہ ہمیشہ روتا ہے، بشہ اللہ سے مانگتا ہے، یہی وجہ تو تھی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رویا کرتے تھے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رات کو رویا کرتی تھیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رویا کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ رویا کرتے تھے، ان سب حضرات کو اللہ کی شان بے نیازی رلایا کرتی تھی، وہ ڈرتے تھے کہ پتہ نہیں انجام آخر ہمارے ساتھ کیا ہوگا، کرتے بھی تھے اور ڈرتے بھی تھے۔

کیا کیا نہ اپنے زہد و اطاعت پہ ناز تھا　　بس دم نکل گیا جو سنا بے نیاز ہے

اگر بندے کو یقین ہو جائے کہ وہ ذات بے نیاز ہے تو اپنی علمیت پہ کبھی فخر نہیں کر سکتا، کوئی اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھ سکتا، اس لئے کہ بے نیاز ذات کے ساتھ معاملہ ہے، ہماری عبادتیں کیا ہیں، ہماری علمی کوششیں کیا ہیں۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پر خدا کی شان بے نیازی کا اثر

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حدیث مبارک کا درس دیتے تھے، کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک وقت میں چالیس ہزار طلبہ ان سے حدیث مبارک پڑھا کرتے تھے، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے لکھا کہ ان کی حدیث سن کر آگے آواز پہنچانے کے لئے جو مکبّر تھے ان کی تعداد گیارہ سو ہوتی تھی، مکبر گیارہ سو تھے تو مجمع کتنا ہوگا، پچاس پچاس ہزار آدمیوں کا مجمع ایک وقت میں حدیث پڑھنے آتا ہے، ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب آخری وقت آیا تو شاگردوں کو فرمایا کہ مجھے چارپائی سے اٹھا کے زمین پہ لٹادو، شاگردوں نے حکم کی تعمیل کی، مگر ان کی چیخیں نکل گئیں، کیوں کہ عبداللہ بن مبارکؒ اپنے رخسار کو زمین پہ رگڑنے لگے اور اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کے کہنے اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پہ رحم فرما نہیں کہا کہ میں محدث ہوں، نہیں کہا کہ میں بڑا استاذ ہوں، نہیں کہا کہ میں نے ہزاروں کی زندگی بدلی، کوئی عمل اللہ کے سامنے

پیش نہیں کیا، وہ جانتے تھے کہ عمل پیش نہیں کر سکتے، بس اپنی ڈاڑھی کو پکڑا اور اپنے سفید بالوں کو پیش کیا کہ اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پہ رحم فرمادے۔ ہمارے اکابر کو اللہ کی شان بے نیازی رلایا کرتی تھی۔

اللہ سے قبولیت کی دعا مانگتے رہنا چاہئے

ہمیں بھی چاہئے کہ جو کچھ ہم یہاں کر رہے ہیں، بس اللہ سے قبولیت کی دعا مانگیں کہ میرے مالک! ہمارے بڑوں کو بھی آپ نے قبول کیا، ہم ظاہری علمی نسبت تو رکھتے ہیں، اللہ! ہمیں حقیقت میں بھی ان کا روحانی وارث بنادیجئے، اللہ سے یہ دعا مانگنی پڑے گی، تب جا کے یہ نسبت منتقل ہوگی، تب جا کے وہ نور سینے میں آئے گا، اس کی شان بے نیازی عجیب ہے، عمل کرنے والے غرور نہیں کر سکتے اور بے عمل مایوس بھی نہیں ہو سکتے، یہ بھی عجیب بات ہے، لہٰذا جب معاملہ قبولیت کا ہے تو پھر اللہ کے سامنے مانگیں، عاجزی کریں کہ اللہ! ہم جیسے بھی ہیں بس آپ قبول فرمالیجئے، معاملہ تو قبولیت کے اوپر ہے۔

اللہ کے یہاں قبولیت نہ ملی تو سب بے کار ہے

ایک نوجوان لڑکی تھی، اس کو دلہن بنایا جا رہا تھا، جب اس کو سب زیورات پہنا دئے گئے، کپڑے سجادئے گئے، کسی نے تعریف کر دی کہ تم بڑی خوبصورت لگ رہی ہو، جب تعریف کرنے والے نے تعریف کی تو دلہن کی آنکھوں میں آنسو آگئے، وہ گھبرا گئی کہ میں نے اگر کوئی غلط بات کر دی ہو تو معاف کر دیں تو دلہن نے کہا: میرے دل میں خیال آیا کہ تم جس خاوند کے لئے مجھے تیار کر رہی ہو تم تو اتنی تعریفیں کر رہی ہو کہ میں خوبصورت لگ رہی ہوں، اگر میں اس کے پاس پہنچی اور اس کو پسند نہیں آئی تو تمہاری تعریفیں میرے کس کام کی؟ بات تو ایسی ہی ہے، لوگ دنیا میں عالم کہہ دیں، حدیث کا استاذ کہہ دیں، فقہ کا استاذ کہہ دیں، صوفی کہہ دیں، پیر کہہ دیں، جو چاہیں کہہ دیں، لوگوں کی تعریفیں تو اپنی جگہ، اگر اللہ رب العزت کے یہاں ہم پیش ہوئے اور وہاں قبولیت نہ ہوئی تو لوگوں کے یہ الفاظ ہمیں کیا کام آئیں گے؟

معاملہ تو قبولیت پہ ہے، لہٰذا ہم اللہ کے سامنے بس عاجزی کریں کہ اللہ! آپ ہمیں قبول فرمالیجئے اور عمل تو ہے نہیں کہ جو عمل اللہ کے یہاں پیش کرسکیں، لہٰذا ہمارے پاس فقط عاجزی وزاری کے سوا کچھ نہیں۔

ایک خاوند اپنی بیوی پہ غصہ ہوا اور اس نے کہا کہ نہ تو تو خوبصورت ہے، نہ پڑھی لکھی ہے، نہ بڑے گھرانے کی ہے، تیرے اندر کوئی بھی تو خوبی نہیں، بتا تو کیا ہے؟ جب اس نے اتنا اس کو کہا اور ڈانٹا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور بیوی کہنے لگی ہماری علاقائی زبان میں شعر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"کہ میرے اندر کوئی قابلیت نہیں ہے، میں تسلیم کرتی ہوں، مگر اتنی بات تو ہے کہ میں جیسی بھی ہوں، ہوں تو سرکار کی، میں ہوں تو آپ کی"

اس موقع پر ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ! کوئی قابلیت نہیں ہے، کوئی خوبی نہیں ہے، کوئی عمل پیش کرنے کے قابل نہیں ہے، مگر اے اللہ! ہیں تو آپ ہی کے، آپ ہی کو تو ہم نے اِلٰہ مانا، خدا مانا، ہم قسم کھا کر کہتے ہیں ہم آپ کے سوا کسی کو خدا نہیں مانتے، اللہ! کلمہ پڑھتے پڑھتے اب تو بال بھی سفید ہوگئے، اے اللہ! ہیں تو آپ کے، تو بس آپ قبول کر لیجئے کہ ہم آپ کے ہیں، آپ مہربانی فرمادیجئے، ہم اپنے اللہ سے یہ دعا کریں کہ اے پروردگار عالم! ہم نے جو اعمال کئے وہ غفلت بھرے تھے، نہ حضوری تھی، نہ صحیح طریقے سے ہم نے اعمال کئے، لیکن اے اللہ! آپ کے یہاں فقط قابلیت کو تو نہیں دیکھا جاتا، قبولیت کا معاملہ ہے، جب قبولیت کا معاملہ ہے تو اے اللہ! بس آپ قبول فرمالیجئے۔ اس وقت ایک دعا اپنی زندگی میں روز نمازوں کے بعد مانگا کریں کہ اے اللہ! ہمیں ایسا بنادیجئے کہ آپ کو پسند آجائیں، ہم تو نہیں بن سکتے، کوششوں کے باوجود بھی نہیں بن سکتے، ہمارے بڑوں کو بھی آپ ہی نے بنایا، اللہ! ہمیں بھی آپ بنادیجئے، اے اللہ! ان بڑوں کو یہ نسبتیں، یہ نور، یہ علم، یہ معارف، سب آپ نے عطا فرمائے تھے، آپ کی رحمت کی نظر ہوگئی تھی۔

اساتذہ وطلبۂ دارالعلوم پر اکابر کی دعاؤں کا سایہ

دارالعلوم دیوبند کے تمام اساتذہ بھی مبارک باد کے لائق ہیں، اور تمام طلبہ بھی مبارک باد کے لائق ہیں، آپ اس مادرِ علمی سے نسبت رکھتے ہیں، معلوم نہیں ان کے لئے ان اکابر نے تہجد کے وقت میں کیا کیا دعائیں کی ہوں گی، اتنی بات عرض کرتا ہوں، چھوٹا سا ایک ادارہ ہے، اس عاجز کو اتنی فکر رہتی ہے کہ اللہ نے درجنوں مرتبہ ملتزم کے ساتھ لپٹ کر دعا مانگنے کی توفیق دی، اپنی اولاد کے ساتھ ہمیشہ ان طلبہ کی قبولیت کی دعا مانگتا ہوں، ایک فکر ہوتی ہے اور دل میں سوچتا ہوں کہ یا اللہ! اگر اپنے طلبہ کی اتنی دل کے اندر فکر ہے، تو ہمارے اکابر نے آنے والے وقت میں جو طلبہ ہوں گے ان کے لئے کیا کیا مقبول اوقات میں دعائیں مانگی ہونگی، آپ وہ طلبہ ہیں کہ آپ کے سروں کے اوپر ان اکابر کی دعاؤں کا سایہ ہے۔

ایک اہم نصیحت

بس ایک کام کر لیجئے کہ جو پڑھتے ہیں اُس پر عمل بھی کر لیجئے اور تقویٰ کے ساتھ زندگی گذاریئے، گناہوں کی ذلت سے اپنے آپ کو بچا لیجئے، پھر دیکھئے اللہ رب العزت آپ کو دین کے لئے کیسا قبول کرتے ہیں، دعا ہے اللہ تعالیٰ یہاں کے علماء وطلبہ کا فیض پھر ایک مرتبہ اسی طرح پوری دنیا میں پھیلائے جیسے ہمارے اکابر کے ذریعہ یہ پھیلا تھا، اللہ تعالیٰ آج کی اس مجلس کو ہماری بخشش کا اور ہماری قبولیت کا سبب بنا دے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

اگلے صفحات سے آپ جس خطاب کا مطالعہ کریں گے، یہ خطاب دیوبند کے شہریوں کی طرف سے منعقدہ اجلاس میں ہوا تھا مقام "اعظمی منزل" تھا۔ تاریخ: ۱۲/ اپریل ۲۰۱۱ء بروز سہ شنبہ، وقت: بعد نمازِ عشاء۔ اس محفل میں بھی علماء طلبہ اور عوام کا زبردست ہجوم تھا۔

عشق نبی ﷺ

اور

اسکے تقاضے

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم
النَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
وقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

سبحان ربک رب العزة عما یصفون، وسلام علی المرسلین، والحمد للہ رب العلمین
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم

حضور ﷺ سے کامل محبت کئے بغیر ایمان نامکمل

نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''أَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ بِہٖ مِنْ نِعَمِہٖ'' تم اللہ رب العزت سے محبت کرو کہ اس نے تمہیں کھانے کے لئے کیا کیا نعمتیں عطا فرمائیں ''وَأَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ'' اور مجھ سے محبت کرو کہ میں اللہ رب العزت کا محبوب ہوں، اللہ مجھ سے محبت فرماتے ہیں، نبی ﷺ کی محبت ایمان کا حصہ ہے، اس کے بغیر کوئی انسان مومن نہیں ہوسکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا
نماز اچھی ہے حج اچھا زکوۃ اچھی ہے صوم اچھا
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

نبی ﷺ کے ساتھ ایک قلبی محبت کا ہونا، یہ ہر مومن کی صفت ہوتی ہے۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لَایُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُوْنَ أَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ'' کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے والد، اولاد اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں

ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا: '' ثَلٰثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ'' تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس بندے میں ہوں گی اس کو ایمان کی حلاوت ملے گی، ان میں سے ایک ''اَنْ یَکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا'' کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمام جہان سے زیادہ اس کو محبوب ہوجائیں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے آپ سب سے زیادہ محبوب ہیں، سوائے اپنی جان کے، تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک کوئی بندہ کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں ''فَقَالَ'' عمرؓ نے جواب میں عرض کیا ''وَالَّذِیْ أَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ لَأَنْتَ أَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ'' کہ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں ''فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ ﷺ'' نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اَلْآنَ یَا عُمَرُ'' اے عمر! اب تمہیں ایمان کا کامل رتبہ نصیب ہوگیا۔

حضور ﷺ سے محبت کا انعام

طالب علم کے ذہن میں سوال آتا ہے کہ ہم اگر نبی ﷺ سے اس قدر ٹوٹ کر محبت کریں کہ وہ ہمیں ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہوجائیں تو اس پر کیا ملے گا؟ حدیث مبارک

ہے: ''عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فقال: مَتَى السَّاعَةُ'' ایک نوجوان نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آ کے اس نے یہ Question (سوال) پوچھا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ ''فقال'' نبی علیہ السلام نے پوچھا: ''مَا أَعْدَدْتَ لَهَا'' تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ ''قال'' اس نے جواب میں عرض کیا: ''مَا أَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيرِ صَلوٰةٍ ولاصومٍ ولاصدقةٍ ولٰكِنِّي أُحِبُّ الله وَرسولَه'' اے اللہ کے حبیب ﷺ! بہت زیادہ نمازیں اور روزے اور صدقے والی عبادتیں تو میں نے نہیں کیں، ہاں اتنی بات پکی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا: ''أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ'' تو جنت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھ کو محبت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اس حدیث پاک کو سن کر ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ اتنی خوشی ہمیں کسی اور بات پر نہیں ہوئی تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں حضور ﷺ کی محبت

چنانچہ ایک اور صحابی آئے، کہنے لگے: ''یارسولَ اللهِ'' اے اللہ کے حبیب ﷺ! ''لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَهْلِي وَمَالِي'' آپ مجھے میرے اہل خانہ اور میرے مال سے زیادہ محبوب ہیں ''وإِنِّي لَأَذْكُرُكَ'' اور جب بھی میں آپ کو یاد کرتا ہوں ''فما أصبر حتّى أجيئ فأنظر إليك'' مجھ سے رہا نہیں جاتا، آپ کی یاد تڑپاتی ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ کی زیارت سے آنکھوں کو میں ٹھنڈا کر لیتا ہوں ''وإِنِّي ذَكَرْتُ مَوْتِي وَموتكَ'' اور میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ ایک دن مجھے بھی موت آنی ہے اور ایک دن آپ کو بھی پردہ فرمانا ہے ''فعَرَفْتُ أنَّكَ إذا دَخَلْتَ الجنةَ رُفِعْتَ مع النَّبِيِّينَ'' اور میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ آپ جنت میں جائیں تو آپ کا درجہ تو انبیاء کے ساتھ جنت میں اونچا ہوگا، اور میں پہنچ گیا تو میرا درجہ تو نیچے ہوگا۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! نیچے والا تو اوپر جا نہیں سکتا، اگر میں جنت میں آپ کا دیدار نہیں کر سکوں گا تو مجھے جنت میں مزہ ہی کیا آئے گا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نبی ﷺ کی کیسی محبت تھی، آج تو حور و قصور کے نام پر ہی نوجوان خوش پھرتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ جنت میں اگر

آقا ﷺ کا دیدار نہ کر سکے تو جنت میں مزہ ہی کیا آئے گا۔ تو یہ بہت بڑا اجر ہے کہ اس محبت کی وجہ سے انسان کو نبی ﷺ کے قدموں میں جگہ ملے گی۔

حضور ﷺ سے محبت کا پہلا تقاضا:

اب اگلی بات سنیں کہ نبی ﷺ کے ساتھ ایسی محبت کے کچھ تقاضے ہیں، یہ نہیں کہ فقط زبان سے انسان کہے کہ مجھے محبت ہے، اس کی کوئی دلیل بھی ہونی چاہیے۔ چنانچہ علماء نے اس کی چند باتیں کھول کر بیان کی ہیں، سب سے پہلی بات "تَوْقِيْرُهٗ وَتَقْدِيْرُهٗ علیهِ الصلوٰة والسلام" اگر کسی کو نبی ﷺ سے محبت ہے تو سب سے پہلی بات یہ کہ وہ شخص نبی ﷺ کی بہت زیادہ عزت کرے، اکرام کرے، ادب کرے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا"۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ نبی ﷺ کی محبت میں اتنے ادب کے ساتھ بیٹھتے تھے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابُهٗ حَوْلَهٗ كَأَنَّمَا عَلٰى رُؤُوْسِهِمُ الطَّيْرُ" کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کے گرد اس طرح باادب بیٹھے تھے کہ جیسے ان کے سروں کے اوپر کوئی پرندہ بیٹھا ہوا ہے۔ "قَالَ أَبُو إِبْرَاهِيْم" ابوابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ "وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ" ہر مومن پر یہ واجب ہے "مَتٰى ذَكَرَهٗ أَوْ ذُكِرَ عِنْدَهٗ" کہ جب وہ خود تذکرہ کرے یا اس کے پاس نبی ﷺ کا ذکر مبارک ہو "أَنْ يَخْضَعَ وَيَخْشٰى وَيَتَوَقَّرَ وَيَسْكُنَ مِنْ حَرَكَتِهٖ وَيَأْخُذَ فِيْ هَيْبَتِهٖ وَاجْلَالِهٖ" کہ اس کی طبیعت کے اوپر اثر محسوس ہو، جیسے کسی کی جلالتِ شان کا اثر ہوتا ہے تو اس بندے کے اوپر اس کا اثر محسوس ہونا چاہیے کہ اس کے سامنے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کا ذکر مبارک کیا گیا ہے۔

آدابِ احادیث کے چند سبق آموز نمونے

چنانچہ مطرف کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ آتے تو وہ اپنی باندی کو کہتے کہ پوچھو کس لئے آئے ہیں؟ اگر وہ کہتے کہ ہم فقہ کے مسائل سیکھنے کے لئے آئے ہیں تو امام مالکؒ اسی وقت آجاتے اور اگر وہ کہتے کہ ہم حدیث مبارک کی روایت لینے آئے ہیں تو

امام مالکؒ غسل فرماتے، صاف ستھرے کپڑے زیب تن فرماتے، عطر لگاتے، پھر ایک تخت بنایا ہوا تھا، عمامہ باندھ کر اس تخت کے اوپر تشریف فرما ہوتے اور پھر نبی ﷺ کی بات کو آگے نقل فرماتے، ان کے عمل سے بھی یہ ثابت ہوتا تھا کہ واقعی کسی ذی شان ہستی کی بات یہ آگے بیان کریں گے۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت تھا، کسی نے حدیث کی بات پوچھ لی، اس وقت میں جب کہ جان کنی کا عالم ہے اور انسان تکلیف میں ہوتا ہے، اس وقت میں بھی حدیث مبارک کا تذکرہ آیا تو وہ اٹھ کر بیٹھے اور انھوں نے حدیث بیان کی اور آخری لفظ جب نکلا تو نیچے گرے اور روح قبض ہوگئی، آخری لمحے میں بھی حدیث مبارک کا ایسا ادب تھا۔ چنانچہ وہ لوگ جو نبی ﷺ کی صحبت میں تھے وہ تو آپ ﷺ کے سامنے ادب سے بیٹھتے تھے، آج ہمارے سامنے اگر حدیث مبارک کا درس ہو یا تلاوت ہو تو ہمیں چاہئے کہ اسی طرح ادب سے بیٹھیں جس طرح کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔

عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے محدث گذرے ہیں، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگرد تھے، ان سے اگر چلتے ہوئے حدیث مبارک کے بارے میں کوئی پوچھا کرتا تھا تو وہ اس کا جواب نہیں دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ حدیث مبارک کی شان ہے کہ انسان سکون واطمینان کے ساتھ بیٹھ کر اس بات کو نقل کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حدیث مبارک کا اتنا ادب کرتے تھے کہ ایک مرتبہ بچھو نے انھیں کئی مرتبہ ڈنک لگایا، چہرے کا رنگ متغیر ہوتا رہا، مگر انھوں نے مجلس برخاست نہیں کی، حدیث مبارک کو درمیان میں نہیں چھوڑا، پورا مکمل کیا، لوگ حیران تھے کہ بچھو کے ڈنک لگانے کی تکلیف تو بہت زیادہ ہوتی ہے، اس کو برداشت کرلیا، مگر حدیث مبارک کے ادب میں فرق نہیں آنے دیا۔ اس ادب کا یہ انعام ملا کہ امام مالکؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ان کی حدیث مبارک کی خدمت کی زندگی میں ایک رات کے سوا باقی ہر رات ان کو نبی ﷺ کا دیدار ہوتا تھا۔

ہم نے اپنے قریبی احباب میں دیکھا ہے کہ جن دوستوں کو حدیث مبارک کے ساتھ بہت محبت ہے اور اس علم کے ساتھ ان کو شغف ہے، اکثر و بیشتر ان کو ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ نبی ﷺ کا دیدار ہوتا ہے اور جو بچے دورۂ حدیث میں ہوں، وہ اگر دورہ کا سال گناہوں سے بچ کر تقویٰ اور ادب کے ساتھ گذاریں تو عمومی طور پر اللہ رب العزت کے حبیب ﷺ کا سال میں دیدار ضرور ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہنس مکھ تھے، خوش طبعی بھی کر لیتے تھے، جب ان کے سامنے حدیث مبارک کا تذکرہ آتا تو ان کا چہرہ ایسے ہوتا تھا جیسے کسی نے ان کے خون کو نچوڑ لیا ہو۔ کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ بہت زیادہ حدیث پاک کا ادب کرتے ہیں، تو فرمانے لگے کہ میں نے سید القراء محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ان کے سامنے حدیث مبارک کا تذکرہ ہوتا تھا تو وہ اس طرح روتے تھے کہ ہمیں ان کی حالت دیکھ کر ان پر ترس آنے لگ جاتا تھا۔

حضور ﷺ سے محبت کا دوسرا تقاضا:

محبت کا دوسرا تقاضا ''عَدَمُ التَّقْدِيمِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَغَضُّ الصَّوْتِ عِنْدَهٗ'' کہ نبی ﷺ سے انسان تقدم نہ کرے، اور ان کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا بہت لحاظ کرتے تھے اور اپنی آوازوں کو پست رکھتے تھے، اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا: ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ'' کہ اگر تمہاری آواز میرے محبوب ﷺ کی آواز سے بلند ہوگئی تو ہم تمہارے کیے ہوئے عملوں کو ضائع کر دیں گے اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔ چنانچہ آج بھی یہ ادب اپنی جگہ موجود ہے، آپ مواجہ شریف پر جائیں تو اس وقت بھی یہ آیت لکھی ہوئی ہے: ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ''۔

کسی معاملہ میں نبی ﷺ کے فرمان پر اپنی مرضی کو مقدم کر دینا، اس کو تقدم کہا جاتا

ہے، ہمارے اکابر تو اس کا اتنا خیال فرماتے تھے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میرے کسی فتویٰ کے مقابلے میں کسی شخص کو نبی ﷺ کی کوئی ضعیف حدیث بھی مل جائے تو اس کو چاہئے کہ میرے قول کو چھوڑ محبوب ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرے۔

حضور ﷺ سے محبت کا تیسرا تقاضا

تیسرا تقاضا ''اِعْدامُ جَمِیعِ أسبابِه واِکرامُ مشاهدِه وأمْكِنَتِه مِنَ مَكَّة والْمَدِينَة'' کہ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے متعلق جو بھی چیزیں ہوتی ہیں ان سے بھی محبت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ مجنوں ایک مرتبہ کتے کے پاؤں چوم رہا تھا، کسی نے پوچھا کہ کیوں چوم رہے ہو؟ کہنے لگا کہ یہ لیلیٰ کی گلی سے ہو کے آیا ہے، تو اگر دنیا کے مجنون ایسے ہیں تو نبی ﷺ کی محبت تو اس سے بھی زیادہ ہونی چاہئے۔ لہٰذا ہمیں ان شہروں اور ان چیزوں سے محبت ہونی چاہئے جو نبی ﷺ کے استعمال میں رہیں، یا جن کا کسی بھی طرح سے نبی ﷺ کے ساتھ کوئی تعلق بنتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ ''کانَ مَالِکُ رحمه الله لَا یَرْکَبُ بِالْمدینةِ دابةً وکان یَقولُ أستَحْیِی مِنَ اللهِ أنْ أطَأَتُرْبَةً فِیهَا رسولُ اللهِ ﷺ بِحافِرِ دَابَةٍ'' مجھے زیب نہیں دیتا کہ مدینہ کے جن راستوں پر میرے آقا ﷺ چلے ہوں، مالک اپنی سواری کے سموں سے اس کو پامال کرے، چنانچہ مدینہ طیبہ میں سواری پہ سوار بھی نہیں ہوا کرتے تھے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو بئر علی، جو مدینہ طیبہ کے باہر ایک جگہ ہے، وہیں پر جوتے اتار دیئے، کسی نے کہا کہ حضرت! سنگ لاخ زمین ہے اور آپ کا جسم نازک ہے، پاؤں زخمی ہو جائیں گے، فرمایا کہ زخموں کی تکلیف برداشت کرلوں گا، میں اپنے آقا ﷺ کی اس زمین پر جوتوں کے ساتھ چلنا پسند نہیں کرتا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا احادیث مبارکہ کا اتنا ادب تھا کہ بے وضو ہاتھ نہیں لگایا کرتے تھے، ایک مرتبہ مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ بتاؤ علامہ

انور شاہ کشمیریؒ انور شاہ کشمیری کیسے بنے ہیں؟ تو جن طلبہ کو تفسیر سے لگاؤ تھا وہ کہنے لگے کہ بڑے مفسر تھے، جن کو حدیث سے شغف زیادہ تھا وہ کہنے لگے کہ بڑے محدث تھے، جن کو شعر و سخن سے لگاؤ تھا وہ کہنے لگے کہ ان کا شعری کلام بہت اعلیٰ تھا، حضرت خاموش رہے، پھر آخر میں مفتی کفایت اللہؒ نے فرمایا کہ یہ سوال ایک مرتبہ کسی نے خود علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے پوچھ لیا کہ حضرت! آپ علم کے اس مرتبہ تک کیسے پہنچے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اللہ نے اتنا ادب دیا کہ میں بے وضو کبھی حدیث پاک کی کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتا، اور کتابوں کے رکھنے میں بھی ان کے درجے کا خیال رکھتا ہوں، قرآن پاک پر اس کی تفسیر کو نہیں رکھتا، تفسیر پر حدیث کو نہیں رکھتا، حدیث پر فقہ کی کتاب کو نہیں رکھتا، اور فقہ کی کتاب کے اوپر تاریخ کی کتابیں نہیں رکھتا، میں رکھنے میں بھی ان کے مدارج کا خیال رکھتا ہوں، پھر فرمانے لگے کہ اکثر لوگ بخاری شریف کا حاشیہ پڑھنے کے لئے بخاری شریف کتاب کو اپنا تحت بناتے ہیں، فرمانے لگے کہ میں بخاری شریف جب بیٹھ کر پڑھتا ہوں تو جب سیدھا حاشیہ پڑھ لیتا ہوں اور دوسری طرف پڑھنا ہوتا ہے تو میں اٹھ کے خود دوسری طرف جاتا ہوں اور وہاں سے بیٹھ کے حاشیہ پڑھتا ہوں، اسی وجہ سے ان کو کثرت کے ساتھ نبی ﷺ کی زیارت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ اسہال لگ گئے، کسی نے کہا کہ حضرت! آپ نے کھانے میں کوئی ایسی چیز کھالی ہوگی؟ فرمانے لگے کہ چند دن سے زیارت نہیں ہوئی، اس خوف سے اسہال لگ گئے کہ میری کسی کوتاہی کی وجہ سے اس نعمت سے مجھے محروم نہ کیا گیا ہو۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ سال مسجد نبوی میں بیٹھ کے حدیث کا درس دیا، ایک ایک دن میں گیارہ گیارہ اسباق پڑھاتے تھے، ایک مرتبہ روضۂ انور کھولا گیا اور آپ کو روضۂ انور کے اندر جانے کا موقع ملا تو نیچے فرش کی جو جگہ تھی وہاں جا کر آپ نے اپنی ریش سے اس کو صاف کرنا شروع کر دیا، تو کسی نے پوچھا کہ ریش سے صفائی کر رہے ہیں؟ تو فرمانے لگے کہ جس کی سنت ہے اسی کی حرمت پہ قربان کر رہا ہوں، کیا محبت ان کے دل میں ہوگی!! اللہ اکبر کبیرا

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے آ کر ایک کمان دکھائی اور یہ کہا کہ یہ کمان نبی ﷺ کے

استعمال میں رہی ہے "قَالَ مالِک" امام مالکؒ فرماتے ہیں: "مَامَسَسْتُ الْقَوْسَ بِیدِیْ الَّاعَلٰی طَهارٍ فَمُنْذُ بَلَغَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَخَذَ الْقَوْسَ بِیدِهٖ" کہ جب سے مجھے پتہ چلا کہ نبی ﷺ نے اس کمان کو اپنے ہاتھوں میں پکڑا ہے، میں نے اس کمان کو کبھی بے وضو ہاتھ نہیں لگایا۔

حضور ﷺ سے محبت کا چوتھا تقاضا:

چوتھا تقاضا "حُبُّ الصَّحابَةِ وَ أَهْلِ بَیْتِهٖ" کہ نبی ﷺ کے اہل بیت اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے انسان محبت کرے۔ نبی ﷺ نے ارشادفرمایا: "اَللّٰهَ اللّٰهَ فِیْ أَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضًا فَمَنْ أَحَبَّهُم فَبِحُبِّیْ أَحَبَّهُم" جو میرے صحابہ سے محبت کرے گا، وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور اہل بیت سے محبت کرنی ہے، کیونکہ "مَنْ أَحَبَّ شَیْئًا أَحَبَّ مَنْ یُحِبُّ" بندہ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو جو چیزیں اس کو محبوب ہوتی ہیں وہ ان سے بھی محبت کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں ہے: "آیَةُ الْإِیمانِ حُبُّ الْأَنْصارِ وَآیَةُ النِّفَاقِ بُغْضُهُم" کہ انصار سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشادفرمایا: "مَثَلُ أَصْحَابِیْ کَمَثَلِ الْمِلْحِ فِی الطَّعامِ لَایَصْلُحُ الطَّعامُ اِلَّا بِهٖ" جیسے آٹے کے اندر نمک ہوتی ہے کہ اس کے بغیر روٹی بے ذائقہ ہوتی ہے، میرے صحابہؓ کی محبت نمک کے مانند ہے، اس کے بغیر انسان کا ایمان بے ذائقہ ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں نبی ﷺ نے ارشادفرمایا: "مَنْ حَفِظَنِیْ فِیْ أَصْحَابِیْ وَرَدَعَلَیَّ الْحَوْضَ" جو میرے صحابہ کی عزت وحرمت کی حفاظت کرے اس کو چاہئے کہ وہ حوض کوثر پر میرے پاس آئے "وَمَنْ لَمْ یَحْفَظْنِیْ فِیْ أَصْحَابِیْ لَمْ یَرِدْعَلَیَّ الْحَوْضَ" اور جو میرے صحابہؓ کی عزت وحرمت کی حفاظت نہ کرے، اس کو چاہئے کہ حوض کوثر پر میرے سامنے ہی نہ آئے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشادفرمایا: "لِکُلِّ شَیْءٍ أَسَاسٌ"

اس پرنالہ کو یہاں سے ہٹا دیا جائے، بڑے فائدے کی خاطر چھوٹے نقصان اٹھا لینے چاہئیں، یہ شریعت کا اصول ہے، اب جب ابن عباسؓ کو پتہ چلا تو انھوں نے ابن کعب رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کردیا، ابن کعبؓ نے بلا لیا، آپ دیکھئے کہ امیرالمؤمنین بھی وہیں کھڑے ہیں اور ابن عباسؓ بھی وہاں کھڑے ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ عمرؓ نے بتایا کہ لوگوں کے عمومی فائدے کی خاطر میں نے اس طرح کا حکم دیا ہے، کیونکہ میں لوگوں کو تکلیف سے بچانے کا ذمہ دار ہوں۔

ابن عباسؓ نے جواب میں کہا کہ آپ کی بات اپنی جگہ، مسئلہ یہ ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس پرنالہ کو یہاں لگایا تھا، میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس پرنالہ کو اسی جگہ دیکھوں، اتنا سننا تھا کہ عمر فاروقؓ نے کہا ابن کعب! آپ فیصلہ کردیجئے کہ پرنالہ اپنی جگہ پر لگے گا، مگر فرق یہ ہوگا کہ اب عمر فاروق وہاں جائے گا اور رکوع کی حالت میں کھڑا ہوگا اور ابن عباس میری کمر پر سوار ہوکر اس پرنالہ کو فٹ کریں، جس کو میرے آقا ﷺ نے فٹ کیا تھا، چنانچہ ایسے ہی ہوا، ابن عباسؓ نے پرنالہ لگایا اور نیچے اتر کے کہا کہ بس میں نے اس کو ایک دفعہ دیکھ لیا، اب میں پورا مکان مسجد نبوی کے اندر شامل کردیتا ہوں، کیا محبت تھی ان صحابہؓ کو، نبی ﷺ کی ایک ایک سنت کے عاشق تھے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ فلاں دروازہ اگر عورتوں کے لئے Separate، مخصوص کردیا جائے، تو بہت اچھا ہوگا، اس کو باب النساء کہا جاتا تھا، فرماتے ہیں کہ ﷺ کا یہ فرمان سننے کے بعد میں پوری زندگی اس باب النساء سے کبھی مسجد میں داخل نہیں ہوا، کیونکہ میرے آقا ﷺ نے فرمادیا کہ یہ عورتوں کے لئے الگ کردیا جائے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ آتے ہیں، ایک پاؤں مسجد کے اندر ہے، ایک پاؤں دروازے کے باہر ہے، اس وقت جو لوگ مسجد میں تھے نبی ﷺ ان کو فرماتے ہیں کہ "اجلسوا" اور یہ لفظ ان کے کان میں پڑ گیا اور وہ صحابیؓ وہیں بیٹھ گئے، بعد میں آنے والے

نے پوچھا کہ یہ کوئی بیٹھنے کی جگہ ہے؟ ایک پاؤں اندر ایک پاؤں باہر دلیز پہ؟ تو کہنے لگے کہ میرا ایک پاؤں اندر تھا، اتنے میں میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کان میں پڑا ''اِجْلِسُوْا'' اب میرے لئے تعمیل کے سوا چارہ نہیں تھا۔ ان صحابہ کے دلوں میں سنت کی کتنی وقعت اور عظمت تھی کہ اس لئے ایک ایک سنت پر بڑے اہتمام کے ساتھ وہ عمل کرتے تھے۔

ہمارے قریب کے زمانے میں اکابر علماء دیوبند کو اللہ رب العزت نے یہ شان عطا فرمائی، وہ بھی سنت کے عاشق تھے، چنانچہ اکابر علماء یو بند میں سے ایک ایک کی زندگی کو پڑھ لیجئے، آپ کو ان کا ظاہر سنت سے بالکل مزین نظر آئے گا، ہر چھوٹی بڑی سنت کے اوپر عمل کرنا، یہ ان کا محبوب مشغلہ ہوتا تھا، وہ لطف اٹھاتے تھے، جیسے بچہ کوئی لفظ بولے مثلاً دودھ کو دُدھو کہہ دے تو ماں بھی کہتی ہے: ابھی دُدھو دیتی ہوں، حالانکہ وہ دودھ کہہ سکتی ہے، مگر نہیں، اس کو بچے سے پیار ہے، بچے نے جس لفظ کو جیسے کہا محبت تقاضا کرتی ہے کہ اس لفظ کو ویسے ہی بولیں، صحابہؓ کا بالکل یہی حال تھا اور ہمارے اکابر علماء دیو بند کا بھی یہی حال تھا، ایک ایک عمل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرنگی نے وارنٹ جاری کر دئے کہ ان کو گرفتار کر کے پھانسی پہ لٹکا دو، حضرت کو اطلاع ملی تو حضرت روپوش ہو گئے، تین دن کے بعد پھر باہر نظر آنے لگے، کسی نے کہا کہ آپ کی تو پھانسی کا حکم ہے، زندگی کا مسئلہ ہے، بہتر ہے کہ آپ چھپ جائیں تو حضرت نانوتویؒ نے جواب دیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کو دیکھا، مجھے غار ثور کی تین راتیں روپوشی کی حالت میں گذارتی ہوئی سنت نظر آئیں، میں نے اس سنت پر عمل کر لیا، اب میں باہر آ گیا ہوں، اب اگر کوئی مجھے پھانسی بھی چڑھادے گا تو میں چڑھنے کو تیار ہوں۔ اللہ اکبر کبیرا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری عمر میں موتیا بند آ جانے کی وجہ سے بینائی چلی گئی تھی، مگر حضرت ان دنوں بھی باقاعدگی کے ساتھ سرمہ استعمال کرتے تھے، عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بینائی تیز کرنے کے لئے سرمہ لگایا جاتا ہے، چنانچہ ایک آدمی نے کہا کہ حضرت! آپ کی تو بینائی بھی نہیں اور آپ سرمہ لگاتے ہیں؟ فرمایا کہ میں بینائی کی نیت سے

نہیں، اپنے آقا ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی نیت سے روزانہ سرمہ لگا تا ہوں۔

حضور ﷺ سے محبت کا چھٹا تقاضا:

چھٹا تقاضا ''بُغض مَنْ أبغض اللہ رسولہ'' جو بندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بغض رکھے تو دل میں ان کے خلاف بغض رکھنا، محبت کرنے والوں سے محبت کرنا۔ اس کی آسان سی مثال ہے کہ جب کسی عورت کے یہاں بیٹا ہو تو اس کی محبت کے پیمانے بدل جاتے ہیں، پہلے اس کی محبت کا اور حساب تھا، اب اس کی محبت بچے کی بنیاد پہ ہے، جو بچے سے محبت کرے، اس سے وہ محبت کرتی ہے، جو بچے سے نفرت کرے، اس سے وہ نفرت کرنے لگ جاتی ہے، تو ماں اگر بچے کی وجہ سے نفرت کرتی ہے یا محبت کرتی ہے تو پھر مومن کا بھی یہی معاملہ ہے، جو نبی ﷺ سے محبت کرے، ان کے ساتھ محبت کا تعلق رکھنا اور جو نفرت کرے، ان کے ساتھ نفرت کا معاملہ کرنا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجہ ہیں، ان کے والد مکہ مکرمہ سے کوئی پیغام لے کر آتے ہیں، سوچنے لگے کہ چلو میں بیٹی کے یہاں اتر جاؤں، وہ آئے، جب بستر پر بیٹھنے لگے تو ام حبیبہؓ نے فوراً بستر کو لپیٹ دیا، تو باپ نے کہا: بیٹی! باپ کے آنے پہ بستر بچھایا کرتے ہیں، بستر لپیٹا نہیں کرتے، تم نے یہ کیا کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا آپ کی بات اپنی جگہ سچی ہے، مگر مجھے زیب نہیں دیتا کہ یہ میرے آقا ﷺ کا بستر ہو اور اس کے اوپر ایک مشرک آکر بیٹھ جائے۔

حضور ﷺ سے محبت کا ساتواں تقاضا:

ساتواں تقاضا ''کَثرۃُ ذِکرِ لَہ'' جب محبت ہوتی ہے، تو انسان یاد بھی بہت کثرت سے کرتا ہے، ہر وقت یہی خیال رہتا ہے ''مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ'' جو جس سے محبت کرتا ہے اس کا اکثر تذکرہ کرتا ہے، اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے کہ اللہ رب العزت کو نبی ﷺ کے ساتھ محبت ہے تو قرآن مجید میں دیکھئے کہ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کا کتنا تذکرہ کیا ہے، جگہ جگہ تذکرہ نظر آتا ہے، بلکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک ایک آیت نبی ﷺ کی شان بتلاتی ہے، اتنی کثرت کے ساتھ اللہ کے حبیب ﷺ

کا تذکرہ ہے، معلوم ہوا کہ جب محبت ہوتی ہے تو انسان کثرت سے یاد کرتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب خلیفہ بنے تو جمعہ کا خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور کہا: ''سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم العَامَ الأوَلَ فَبَکَی'' کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پچھلے سال سنا اور اتنے لفظ کہہ کے رونا شروع کر دیئے، پھر دوبارہ آنسو پوچھ کے بات شروع کی اور پھر رونا شروع کر دیا، پھر دوسری مرتبہ آنسو پوچھے اور تیسری مرتبہ بات کہی اور تیسری مرتبہ بھی رونا شروع کر دیا، بات بات پہ ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد ان کے دلوں کو مچلا کے رکھ دیا کرتی تھی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے ہیں، پاؤں سو گیا، جیسے اٹھتے ہوئے پاؤں سو جاتا ہے، سن ہو جاتا ہے، تو کسی نے کہا کہ ''اُذْکُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَیْکَ یَزِلْ عَنْکَ'' آپ کو جس سے سب سے زیادہ محبت ہے اس کا نام لیجئے تو یہ کیفیت ختم ہو جائے گی ''فَصَاحَ یَامُحَمَّدَاهُ فَانْتَشَرَتْ'' فوراً کہنے لگے: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور اسی وقت ان کا پاؤں بالکل ٹھیک ہو گیا، بے اختیار زبان سے وہ لفظ نکلا جس سے واقعی ان کو بہت محبت تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں اس طرح سناتے تھے جیسے آج کل کے دور میں لوگ ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو آئس کریم کی پیشکش کیا کرتے ہیں، انکے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرنا اس طرح محبوب ہوا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں ایک دوسرے کو سنانا ان کا محبوب کام ہوا کرتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا آٹھواں تقاضا:

آٹھویں چیز ''کَثْرَةُ شَوْقِهٖ اِلٰی لِقَائِهٖ'' کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت ہے تو ان سے ملاقات کی تمنا بھی ہوتی ہے، جب بھی محبت ہو تو دل ملاقات کرنے کو چاہتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عجیب کیفیت تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بوڑھے میاں کو دیکھا کہ وہ آتے ہیں، خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں، پھر اٹھ کے چلے جاتے ہیں، پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور جب مجھے آپ کی یاد آتی ہے تو میں آ کے مجلس میں حاضر ہو کر بیٹھتا ہوں، آپ کے چہرۂ انور کا جی بھر کے دیدار کرتا ہوں

اور پھر خاموشی سے اٹھ کے واپس چلا جاتا ہوں، میں آتا ہی ہوں دیدار کرنے کے لئے۔

چنانچہ کئی صحابہ رضی اللہ عنہم تھے کہ نبی ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد انھوں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! یہ آنکھیں تو تھیں آقا ﷺ کے دیدار کے لئے، جب انھوں نے پردہ کرلیا تو اللہ ہماری بینائی کو زائل کردیجئے۔ بعض صحابہ نے قسمیں کھائی ہوئی تھیں کہ ہم صبح اٹھیں گے تو سب سے پہلے نبی ﷺ کا دیدار کریں گے، معلوم نہیں انھوں نے قسمیں کیسے پوری کی ہوں گی، اتنی محبت تھی ان کو نبی ﷺ سے۔

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے دعا مانگی: اللہ! مجھے میرے احباء سے جلدی ملا دینا، ثوبان رضی اللہ عنہ آپ کے غلام، عرض کرنے لگے: اے اللہ کے حبیب ﷺ! ہم آپ کے غلام ہیں، ہر وقت حاضر خدمت ہیں، آپ کن کے لئے یہ دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ! میرے احباء سے جلدی ملا دینا، نبی ﷺ نے فرمایا: ثوبان! تمہاری محبت بڑی قدر و قیمت والی ہے، مگر تم نے میرا دیدار کیا، تم نے جبرئیل کو اترتے دیکھا، قرآن کو اترتے دیکھا، ثوبان! میں جن کے لئے دعا کررہا تھا یہ وہ لوگ ہیں جو قرب قیامت میں پیدا ہوں گے، انھوں نے مجھے نہیں دیکھا ہوگا، ہاں انھوں نے اپنے علماء سے میرے تذکرے سنے ہوں گے اور فقط تذکرے سن کر ان کو مجھ سے اتنی محبت ہوگی کہ اگر ان کو اختیار دیا جاتا کہ اپنی اولاد کو بیچ کر میرا دیدار کرتے تو وہ ایسا کرگذرتے، میں ان کے لئے دعا کررہا ہوں کہ اللہ! مجھے ان احباء سے جلدی ملادے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا "مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي حُبًّا نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِي يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَآنِي بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ" (میرے بعد میری امت میں مجھ سے محبت کرنے والے ایسے بھی لوگ ہوں گے جو تمنا کریں گے کہ کاش میں اپنے گھر والوں اور اپنے مال کے بدلے آپ ﷺ کا دیدار کرلیتا) واقعی جن کو محبت ہوتی ہے ان کا ایسا ہی دستور ہے۔

عبدہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں، فرماتی ہیں کہ میرے والد خالد بن معدان جب رات کو بستر پہ سونے کے لئے آتے تو نبی ﷺ اور صحابہ کو یاد کرتے اور کہتے کہ "هُمْ أَصْلِي وَفَصْلِي وَإِلَيْهِمْ يَحِنُّ قَلْبِي، طَالَ شَوْقِي إِلَيْهِمْ فَعَجِّلْ رَبِّ قَبْضِي إِلَيْهِمْ" وہ میرے اصل اور

فصل تھے، میرا دل اداس ہے، اللہ! جلدی میری روح کو قبض کر کے مجھے ان کے ساتھ واصل فرما، انسان کو ایسی محبت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی محبت کا اندازہ لگایئے کہ ایک مرتبہ رات کا وقت ہے اور وہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں راؤنڈ کر رہے تھے، ایک دروازے پر ان کو تھوڑی آواز آئی، سننے کے لئے کھڑے ہو گئے، محسوس ہوا کہ کوئی بڑی عمر کی عورت ہے اور وہ نبی ﷺ کی محبت میں اشعار پڑھ رہی ہے، سنتے رہے سنتے رہے، دل مچل اٹھا، جب بوڑھی عورت نے اشعار مکمل کئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا، بوڑھی عورت نے پوچھا کہ کس نے دروازہ کھٹکھٹایا؟ جواب دیا عمر فاروق، بولی: امیر المؤمنین! رات کے اس وقت میں مجھ بڑھیا کے دروازے پر آپ کیسے آئے؟ فرمانے لگے کہ میں ایک تمنا اور فریاد لے کے آیا ہوں، تم اس کو پورا کر سکتی ہو، بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا، کہا کہ امیر المؤمنین! تشریف لایئے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ داخل ہوتے ہیں اور زمین پر بیٹھ جاتے ہیں، بڑھیا کہتی ہے بستر پہ بیٹھیں، فرماتے ہیں: جب تک آپ میری تمنا نہ پوری کریں گی میں بستر پر نہیں بیٹھوں گا، اس نے کہا: میں بوڑھی عورت، کس تمنا کو پورا کر سکتی ہوں؟ تو کہا کہ آپ ابھی نبی ﷺ کی محبت میں جو اشعار پڑھ رہی تھی، اس کے آخری شعر کے معنی یہ تھے کہ اللہ! مجھے جنت میں اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ اکٹھا کر دینا، میری فریاد یہ ہے کہ اپنے شعر میں تھوڑی سی ترمیم کر کے یوں پڑھ دو: اللہ! مجھے اور عمر فاروق کو جنت میں اپنے محبوب کے ساتھ اکٹھا کر دینا، کیا محبت تھی ان کے دلوں میں نبی ﷺ کی!! اللہ اکبر کبیرا

کہتے ہیں کہ محبوب ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بلال رضی اللہ عنہ نے صرف دو مرتبہ بعد میں اذان دی، ایک جب بیت المقدس فتح ہوا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جی چاہتا ہے کہ آپ نبی ﷺ کے مؤذن، آپ اس قبلہ میں بھی وہی اذان سنائیں، تو امیر المؤمنین کے حکم کی وجہ سے وہاں اذان دی، اور دوسرا موقع جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ملک شام میں ایک رات اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے، نبی ﷺ کا دیدار ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! کتنی سرد مہری ہے، اتنا عرصہ ہوا ملاقات کو نہیں آتے؟ اسی وقت اٹھے، بیوی سے کہا کہ فوراً تیاری

کرو، چنانچہ سفر پہ چل پڑے، اللہ کی شان کہ وہ بالآخر مدینہ طیبہ پہنچے، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضری دی، سلام پڑھا، مواجہ شریف پر نماز کا وقت ہوگیا، نماز کے وقت صحابہؓ نے کہا کہ آپ اذان دیں، فرمانے لگے کہ جب میں اذان دیتا تھا اور جب ''أشهد أنَ محمَد أرسول الله'' کہتا تھا تو آقا ﷺ کے چہرۂ انور کا دیدار کرتا تھا، اب اگر پڑھوں گا اور میں دیدار نہ کرسکوں گا تو مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوسکے گا، لہٰذا میں اذان نہیں دیتا، صحابہ سے تو انکار کردیا، اتنے میں شہزادے حسن وحسین رضی اللہ عنہما آگئے، انھوں نے کہا کہ جی چاہتا ہے کہ ناناجان کے زمانے کی اذان سنیں، اب ان کی فرمائش ایسی تھی کہ انکار کی گنجائش نہیں تھی، چنانچہ بلالؓ اذان دینے مسجد نبوی میں کھڑے ہوئے، وہ آواز جس کو صحابہ رضی اللہ عنہم سنتے تھے اور آقا ﷺ کا دیدار کرتے تھے، آج وہی اذان کی آواز آرہی تھی، صحابہ حیران ہیں، محبوب کی یاد نے دلوں کو تڑپا کے رکھ دیا، مرد بھی رورہے ہیں، قریب کے گھروں میں آواز گئی تو عورتیں بھی حیران ہوئیں کہ یہ آواز کہاں سے آگئی، انھوں نے اپنے سروں پہ برقعے لئے چادریں لیں اور وہ بھی آگئیں، اب عورتیں گلی میں اس آواز کو سن کے رورہی ہیں، مرد مسجد میں رورہے ہیں اور جب اذان ختم ہوئی تو عجیب معاملہ اس وقت ہوا، ایک عورت کے بیٹے نے اپنی ماں سے سوال کیا: اماں! اتنے عرصے کے بعد بلالؓ تو واپس آگئے، یہ بتائیں کہ نبی ﷺ کب واپس آئیں گے؟ صحابہؓ اس طرح یاد کرتے تھے اور اس طرح رویا کرتے تھے۔ جب بلالؓ کی وفات کا وقت ہوا تو ان کی بیوی نے کہا: ''واحَزناه'' فوراً کہنے لگے: ''وَاطَرَباه غداًألقَى محمَداًو حِزبَه'' کتنی خوشی کی بات ہے کل نبی ﷺ اور ان کے صحابہؓ کے ساتھ میری ملاقات ہوجائے گی۔

حضور ﷺ سے محبت کا نواں تقاضا:

نواں تقاضا ''الشَفقة عَلى أمَتِه والسَعيُ فِي مَصالِحِهِم كما كان ﷺ بالمؤمنين رؤفا رحيما'' محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کو امت کے ساتھ محبت تھی، آپ امت کے لئے رؤف رحیم تھے، لہٰذا وہ رأفت اور رحمت اس بندے کے دل میں

بھی ہونی چاہئے جو نبی ﷺ کے ساتھ محبت کرتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیاوی کاموں میں بھی ہمیں لوگوں کے کام آنا چاہئے اور نیکی کی تلقین کرنے میں بھی ان کا خیال رکھنا چاہئے، وہ غم جو نبی ﷺ کے سینۂ انور میں تھا، جس کی وجہ سے آپ راتوں کو روتے تھے، اتنی لمبی تہجد پڑھتے تھے ''حَتّٰی تَتَوَرَّمَ قَدَمَاہ'' کہ قدمین مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے نبی ﷺ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ میرے دل میں شک آنے لگا کہ پتہ نہیں کہیں روح ہی نہ پرواز کر گئی ہو، میں اٹھی اور میں نے پاؤں کے انگوٹھے کو ہلایا، تب مجھے اندازہ ہوا کہ نہیں، آپ ﷺ کی روح ابھی موجود ہے، اتنا لمبا سجدہ امت کے لئے فرماتے تھے، کیوں کہ آپ کو محبت تھی۔ چنانچہ نبی ﷺ کا وہ غم جو آج کے دور میں اپنے دل میں رکھے گا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے زندگی کو وقف کرے گا، اللہ کے نبی ﷺ کا وہ محبوب بنے گا۔

ذرا سنئے! ایک عجیب حدیث مبارک ہے، انس رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَلَا أُخبِرُکُم عَنْ أَقْوَامٍ لَیْسُوا بِأَنْبِیَاءَ وَلَا شُہَدَاءَ'' کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں جو نہ انبیاء ہوں گے، نہ وہ شہداء ہوں گے ''یَغْبِطُہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّہَدَاءُ'' قیامت کے دن ان پر انبیاء اور شہداء رشک کر رہے ہوں گے، سبحان اللہ! کیا شان والے لوگ ہیں کہ وہ انبیاء نہیں، شہداء نہیں، مگر ان کو اللہ وہ مقام دیں گے، وہ اکرام عطا کریں گے کہ انبیاء اور شہداء ان کے اوپر رشک کریں گے ''بِمَنَازِلِہِمْ مِنَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ'' نور کے منبروں پر ہوں گے، ''یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہَا، قَالُوْا: وَمَنْ ہُمْ'' صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ کون ہوں گے؟ ''قَالَ'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''اَلَّذِیْنَ یُحَبِّبُوْنَ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ وَیُحَبِّبُوْنَ اللّٰہَ اِلٰی عِبَادِہٖ وَھُمْ یَمْشُوْنَ عَلَی الْأَرْضِ نُصَحَاءَ'' کہ جو بندوں کو اللہ کا محبوب بناتے ہیں، اور اللہ کو بندوں کا محبوب بناتے ہیں، اور وہ دنیا میں لوگوں کو نصیحت کی بات کرنے والے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کو بندوں کا محبوب

بناتے ہیں، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بندوں کو اللہ کا محبوب بناتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو نصیحت کیا کرتے ہیں، گناہوں سے روکتے ہیں، "یَأْمُرُونَهُم بِحُبِّ اللهِ وَيَنْهَوْنَهُم عَمَّا كَرِهَ اللهُ فَإِذَا أَطَاعُوهُم أَحَبَّهُم اللهُ" جب بندے گناہ چھوڑ دیتے ہیں اور اللہ کی فرماں برداری کرتے ہیں تو وہ اللہ کے محبوب بن جایا کرتے ہیں۔ اب سوچئے کہ نبی ﷺ نے جن لوگوں کے بارے میں یہ بتلایا، وہ آج امت میں ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر آسکتے ہیں۔

ذرا حالات زندگی پڑھ کر دیکھئے، اس اکابر علماء دیوبند کی جماعت میں آپ کو ایک کمزور سی شخصیت ملے گی، ایک کمزور سی شخصیت لوگوں کے دروازے پر جارہی ہے، لوگو! میں روٹی کا سوال کرنے نہیں آیا، میں تم سے زندگی کا سوال کرنے آیا ہوں، میں تم سے وقت کا سوال کرنے آیا ہوں، کون ہیں؟ میرا نام "الیاس" ہے، میرے دل میں اللہ نے وہی محبت ڈالی ہے، وہی غم ڈالا ہے۔ میں سلام کرتا ہوں اس جماعت کی عظمت کو کہ جنھوں نے نبی ﷺ کے غم کو اپنا غم بنایا، آج دنیا کے سیکڑوں ممالک کے اندر جو اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملاتے پھر رہے ہیں، یہ نبی ﷺ کے محبوب بندے زندگیاں لگا دیتے ہیں، سال لگا دیتے ہیں، اپنا مال اپنی جان اپنا سب کچھ، صرف اس لئے کہ اللہ سے اللہ کے بندے جڑ جائیں، کافر ہوتے ہیں ان کو مسلمان بنالیتے ہیں، جو مسلمان غفلت میں پڑے ہوتے ہیں، ان کو جگا دیتے ہیں، ان کو اللہ سے واصل کر دیتے ہیں، یہ نعمت بھی اللہ نے اکابر علماء دیوبند کو عطا فرمائی کہ نبی ﷺ کی اس نعمت کے وارث بھی یہی بنے۔ وہ علماء جو وعظ ونصیحت کا کام کرتے ہیں، وہ مشائخ، وہ داعی حضرات جو وعظ ونصیحت کا کام کرتے ہیں، وہ سارے کے سارے اسی خوشخبری کے اندر شامل ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کا محبوب بناتے ہیں اور اللہ کو بندوں کا محبوب بنا دیتے ہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ جتنی امت کے ساتھ شفقت نبی ﷺ کو تھی اور جتنی محبت

نبی ﷺ کو تھی، ایسی محبت کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، آپ ذرا غور کیجئے کہ دنیا میں جتنی محبتیں ہیں سب غرض والی محبتیں ہیں، میاں بیوی کی محبت غرض والی، بیوی کو خاوند کی ضرورت ہے خاوند کو بیوی کی ضرورت ہے، اولاد ماں باپ کی محبت غرض والی، اولاد کو ماں باپ کی ضرورت ہے، ماں باپ کو اولاد کی ضرورت ہے، بھائی بھائی کی محبت بھی غرض والی، ایک دوسرے کے Help (تعاون) کی ضرورت ہے، پڑوسی پڑوسی کی محبت بھی غرض کی بنیاد پہ، ایک دوسرے کی ضروریات ہوتی ہیں، حتی کہ اگر استاذ شاگرد کی محبتیں ہیں تو وہ بھی غرض والی، کیوں کہ استاذ پڑھا رہا ہے تا کہ مجھ سے اللہ راضی ہو جائیں گے اور شاگرد پڑھ رہا ہے تا کہ مجھے علم مل جائے، حتی کہ پیر مرید کی محبت بھی غرض کی محبت ہے، کیونکہ مرید کے دل میں ہے کہ میری تربیت ہوگی اور پیر کے دل میں ہے کہ اللہ راضی ہو جائیں گے، تو معلوم ہوا کہ محبت، جیسی بھی ہو، ہے تو غرض والی۔

ایک مرتبہ ذہن میں سوچا کہ کوئی محبت دنیا میں بے غرض ہے؟ تو ذہن نے جواب دیا کہ مخلوق کی محبت بے غرض نہیں ہو سکتی، کوئی نہ کوئی غرض تو لگی ہی ہوگی، پھر سوچا کہ کوئی تو محبت بے غرض ہوگی، تو ذہن نے کہا اگر دنیا میں بے غرض محبت دیکھنی ہے تو ذرا چودہ سو سال پیچھے چلے جاؤ، رات کا اندھیرا ہوگا، تم ایک ہستی کو دیکھو گے، مصلے کے اوپر سجدے میں ہے ''یَارَبِّ أُمَّتِي يَارَبِّ أُمَّتِي'' کہہ رہا ہے، کیا اس ہستی کو اپنے درجات کے بڑھنے کی طمع تھی؟ نہیں، ان کو پہلے ہی اللہ نے فرما دیا تھا: ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ'' ان کو اللہ نے پہلے بتلا دیا تھا کہ: ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى'' میرے محبوب! تجھے اتنا عطا کروں گا کہ تو بس بس کرنے لگ جائے گا، پھر وہ ہستی کیوں رو رہی ہے؟ اتنا لمبا سجدہ کہ بیوی پاؤں ہلا کے دیکھتی ہے کہ ابھی زندگی تو ہے یا نہیں، یہ کیوں رو رہے ہیں؟ یہ امت کے اوپر شفقت کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ نبی ﷺ کو امت کے ساتھ ایسی محبت تھی اس لئے قیامت کے دن انبیاء بھی نفسی نفسی پکارتے ہوں گے، ایک اللہ کے حبیب ﷺ ہوں گے جو اس دن بھی امتی امتی فرما رہے ہوں گے، اللہ کے حبیب ﷺ کو اس

قدر امت کے ساتھ شفقت و محبت تھی۔

حضور ﷺ سے محبت کا دسواں تقاضا

نبی ﷺ کے ساتھ محبت ہے تو پھر اس کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ''کثرۃ الصلوۃ والسلام علیہ'' نبی ﷺ کے اوپر کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا، درود شریف پڑھنا، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''إن الله وملائكته يصلون على النبي يآأيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما'' ہم بھی کثرت سے دورد شریف پڑھیں۔ اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد وبارك وسلم

سید القراء ابن کعب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کہا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں آپ پر اپنے وقت کا تیسرا حصہ دورد شریف پڑھنے میں لگا دوں؟ نبی ﷺ نے فرمایا تو زیادہ پڑھے گا تو تجھے زیادہ فائدہ ہوگا، پھر پوچھا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں دو تہائی حصہ درود شریف پڑھا کروں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: زیادہ پڑھے گا تو زیادہ نفع ہوگا، انھوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! پھر تو میں پورا وقت ہی آپ پر درود شریف پڑھوں گا، قال نبی ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ''اذا يغفر ذنبك وتكفى همك'' اگر تو ہر وقت مجھ پر درود شریف پڑھے گا تو اللہ تیرے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تیرے تمام غموں کو اللہ ختم فرما دیں گے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ''الدعاء والصلوۃ معلق بين السماء والارض'' دعا اور نماز آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہیں ''فلا يصعد إلى الله منه شيء حتى يصلى على النبي ﷺ'' یہ اس وقت تک قبولیت کے لئے اوپر نہیں جا پاتی، جب تک کہ ان میں نبی ﷺ پر درود شریف نہ پڑھا گیا ہو۔ اسی لئے ہر دعا سے پہلے بھی درود شریف پڑھنا چاہئے، اور بعد میں بھی پڑھنا چاہئے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الدعاء بين الصلوتين لا يرد'' کہ درود شریف کے درمیان جو دعا مانگی جاتی ہے وہ دعا رد نہیں کی جاتی۔ ایک حدیث مبارک میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''من صلى علي في كتاب لم تزل

اَلْمَلٰئِكَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهُ مَادَامَ اسْمِیْ فِیْ ذٰلِکَ الْكِتَابِ" اگر کوئی بندہ لکھ رہا ہو اور لکھتے ہوئے نبی ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آجائے اور وہ نام نامی اسم گرامی کے ساتھ "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تک اس کتاب میں میرے نام کے ساتھ یہ درود شریف لکھا رہے گا، اس وقت تک ایک فرشتہ اس کے لئے استغفار کرتا رہے گا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلٰوةً" کہ جو بندہ سب سے زیادہ مجھ پر درود شریف پڑھتا ہوگا، قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہی بندہ ہوگا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک عجیب بات فرمائی، فرماتے تھے کہ "اَلصَّلٰوةُ عَلَی النَّبِیِّ اَمْحَقُ لِلذُّنُوْبِ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ لِلنَّارِ" کہ جس طرح ٹھنڈا پانی آگ کو جلدی بجھا دیتا ہے، درود شریف کا پڑھنا انسان کے گناہوں کو اس سے بھی زیادہ جلدی بجھا دیتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مَنْ نَسِیَ الصَّلٰوةَ عَلَیَّ نَسِیَ طَرِیْقَ الْجَنَّةِ" جو مجھ پر درود شریف پڑھنا بھول گیا، وہ جنت کا راستہ ہی بھول گیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ایک خوبصورت بات کہی، فرماتے تھے: "وَاللهِ" اللہ کی قسم! دیکھئے کہ اللہ کی قسم کھا کے بات کر رہے ہیں "لَوْلَا مَاذَكَرَ اللهُ ورسوله فِی فَضْلِ التَّسْبِیْحِ والتكبيرِ والتحليلِ والتحميدِ لَجعلْتُ كُلَّ أنفاسِی صلوةً علی رسولِ الله ﷺ" اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تسبیح، تحمید اور تکبیر کے فضائل بیان نہ فرمائے ہوتے تو میں اپنی زندگی کے ہر سانس کو درود شریف پڑھنے میں ہی خرچ کر دیتا۔

ایک اور حدیث مبارک سنئے! نبی ﷺ کے ساتھ صدیق اکبرؓ بیٹھے ہوئے ہیں، ایک نوجوان آیا، نبی ﷺ نے اسے اپنے اور صدیقؓ کے درمیان بیٹھا دیا، پھر فرمایا: ابوبکر! میں نے اس کو تیرے اور اپنے درمیان بیٹھا دیا، اس بات پہ حیرت تو ہوئی ہوگی؟ کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! بڑی حیرت ہو رہی ہے، فرمایا: "اِنَّ هٰذَا الْفَتٰی یُصَلِّیْ عَلَیَّ صَلٰوةً مَا یُصَلِّیْهَا عَلَیَّ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِیْ" میرا یہ نوجوان امتی مجھ پر ایسا درود شریف پڑھتا ہے کہ جو درود

شریف میری امت میں سے کوئی دوسرا مجھ پر نہیں پڑھتا، اس کی وجہ سے اس کو میں نے اپنے قریب بیٹھایا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ یہ درود شریف پڑھتا تھا: ''اللّٰھم صَلِّ علٰی محمَّدٍ عَدَدَمَنْ صَلّٰی عَلَیْهِ وصَلِّ علی محمَّدٍ عَدَدَمَنْ لَمْ یَصَلِّ علیه وصَلِّ علی محمَّدٍ کماأَمَرْتَ بِالصَّلوٰةِ علیه وصَلِّ علی محمَّدٍ کماتُحِبُّ أنْ یُصَلّٰی علیه وصَلِّ علی محمدٍ کمایَنْبَغِی أنْ یُصَلّٰی علیه''

درود شریف پڑھنے کے چند اہم مقامات

ہمارے اکابر علماء دیو بند نے باقاعدہ تفصیل لکھی ہے کہ کس کس موقع پر درود شریف پڑھنا چاہئے، ''عِنْدَدخولِ الْمَسجِدِوالْخروجِ مِنْهُ'' مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اور مسجد سے نکلتے ہوئے درود شریف پڑھنا چاہئے۔ ''والتَّشَهُّدِ'' التحیات میں بھی درود شریف سب پڑھتے ہیں'' وزِیَارةِ الْمساجِد'' جب مسجد پر نظر پڑے تو اس وقت بھی درود شریف پڑھنا چاہئے۔ ''ودُخولِ الأسْوَاق'' بازار میں داخل ہوتے ہوئے درود شریف پڑھے۔ ''وَدُخولِ الْبیتِ والْخروجِ منه'' گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور گھر سے نکلتے ہوئے بھی درود شریف پڑھنا چاہئے'' ونِسیَانِ الْحاجَة'' اگر بندہ کوئی چیز رکھ کے بھول جائے یا کوئی بات بھول جائے تو اس وقت بھی نبی ﷺ پر درود شریف پڑھنا چاہئے۔ ''ووَقْتِ الْفَقْر'' تنگدستی کے وقت میں بھی درود شریف پڑھے ''وفِی الْبِدایَةِ فِی الْعِلْم'' اور جب کتاب پڑھنے بیٹھے اس وقت بھی درود شریف پڑھے۔ ''وفِی الْبِدایَةِ فِی الْخطَب'' جب خطبہ دینا ہو، بیان کرنا ہو تو بھی درود شریف پڑھے'' والْانْتِهاءِ مِنْ مَجالِسِ الْعِلْم'' جب علم کی مجلس کا اختتام ہو تو بھی درود شریف پڑھے۔ ''وفِی لِقاءِ الْاخوان'' دو مسلمان بھائی آپس میں ملیں تو بھی درود شریف پڑھے،'' و فِی مُوادَعَتِهم ومُفارَقَتِهم'' اور ایک دوسرے کو رخصت کرتے وقت اور جدا ہوتے وقت بھی درود شریف پڑھنا چاہئے'' ومُدارَسَةُ الحدیث النبوی'' نبی ﷺ کی حدیث مبارک جب پڑھائی جائے اس وقت بھی درود شریف پڑھے'' و عِنْدَتَذْکِرِہٖ ﷺ'' نبی ﷺ کا جب تذکرہ ہو تو درود شریف پڑھے۔'' و

عِندَ ذِکرِ أَصحابِه" نبی ﷺ کے صحابہ کا تذکرہ ہو تو اس وقت بھی درود شریف پڑھے "وعِندَ ذِکرِ شيئٍ مِن مَعاصِرِه" نبی ﷺ سے نسبت رکھنے والی کوئی یادگار چیز کا تذکرہ ہو تو اس وقت بھی درود شریف پڑھے۔"وعندَ دخولِ المَدِينة" مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے ہوئے بھی درود پڑھے اور "عِندَ المُرورِ عَلٰی قَبرِه ﷺ" جب نبی ﷺ کے سامنے مواجہ شریف پر حاضر ہو تو اس وقت بھی درود شریف پڑھے۔

درود شریف کے فوائد

درود شریف کے فوائد کیا ہیں؟ کچھ دیر یہ بھی ذرا سن لیجئے، فرمایا: "اِنَّهَا سَبَبُ لِهدايةِ المُصَلِّي وحَياةِ قلبِه" درود شریف کے پڑھنے سے دل زندہ ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو اللہ ہدایت کے اوپر رکھتے ہیں۔"اِنَّهَا سَبَبُ لِزِيادةِ مَحبَّةِ رسولِ اللهِ ﷺ" درود شریف کے زیادہ پڑھنے سے نبی ﷺ کے ساتھ زیادہ محبت بڑھ جاتی ہے۔"اِنَّهَا سَبَبُ لِزِيادةِ محبّةِ العَبدِ لِرسولِ اللهِ ﷺ" درود شریف زیادہ پڑھتا ہے اس بندے کی محبت نبی ﷺ کے قلب مبارک میں بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔"اِنَّهَا سَبَبُ قُربِ العَبدِ مِن ربِّه يومَ القِيٰمة" درود شریف کا زیادہ پڑھنا قیامت کے دن اللہ رب العزت کے قرب کا سبب بنتا ہے۔"اِنَّهَا أداءٌ لِشيئٍ مِن حَقِّه ﷺ" نبی ﷺ کے جو احسانات ہیں درود شریف کا زیادہ پڑھنا گویا ان احسانات کا بدلہ چکانے والی بات ہے۔"اِنَّهَا سَبَبُ كِفايةِ اللهِ عَبدَهُ مَا أَهَمَّهُ" جو پریشانیاں ہوتی ہیں درود شریف کے صدقے اللہ رب العزت ان پریشانیوں کو ختم کر دیتے ہیں "اِنَّهَا سَبَبُ اِجابةِ الدُّعاء" دعا کی قبولیت کا یہ سبب ہوتا ہے۔ "اِنَّهَا سَبَبُ زَكوٰةٍ وطَهارةٍ لِلمُصَلِّي" جو درود شریف پڑھنے والے کا دل صاف ہوتا ہے، اس کا نفس پاک ہوتا ہے اور ایسے آدمی کے بارے میں حدیث پاک میں فرمایا کہ جو درود شریف زیادہ پڑھتا ہے وہ بخیل نہیں ہوتا۔ پھر جو درود شریف زیادہ پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن کی حسرت سے بچ جاتا ہے۔ اور جو درود شریف زیادہ پڑھتا ہے ملأ اعلیٰ میں اس بندے

کی تعریفیں بہت ہوتی ہیں اور اس کی عمر میں اور اس کے وقت میں اللہ برکتیں عطا فرما دیتے ہیں اور ''اِنَّھَا سَبَبٌ لِتَثْبِیْتِ قَدَمِ الْعَبْدِ علی الصِّراطِ'' جو بندہ درود شریف زیادہ پڑھتا ہے قیامت کے دن پل صراط سے گذرتے ہوئے اس کے پاؤں مضبوط ہوں گے۔ایک اور بات ''اِنَّھَا سَبَبٌ لِثِقْلِ کَفَّۃِ الْمِیزان'' کہ یہ درود شریف میزان کے پلڑے کے بھاری ہونے کا سبب بن جائے گا۔

اب اس بارے میں ایک حدیث مبارک ہے وہ ذرا سن لیجئے کہ درود شریف کی قیامت کے دن کیا شان ہوگی۔ایک حدیث مبارک علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''التذکرہ'' میں اس کو ذکر کیا ہے اور ابن ابی الدنیا اور نمیری نے ''الاعلام'' کتاب میں ذکر کیا ہے،فرماتے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ لآدَمَ علیہ السلام مِنَ اللّٰہِ عزَّ و جلَّ مَوقِفًافِی فَسْحٍ مِنَ الْعَرشِ'' قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ عرش کے سامنے ایک جگہ عطا فرمائیں گے ''عَلیہِ ثَوْبانِ أخضرانِ'' ان پر دو سبز کپڑے ہوں گے، یوں سمجھیں کہ تہبند بھی سبز اور کرتا بھی سبز ''کَاَنَّہٗ نَخلۃٌ سَحوقٌ'' جیسے کھجور کے درخت کی شاخیں کٹی ہوئی ہوں تو سیدھا ہوتا ہے،اس طرح آدمؑ کا اونچا لمبا قد مبارک ہوگا ''یَنظُرُ اِلٰی مَنْ یَنطَلَقُ بہٖ مِنْ وَلَدِہٖ اِلَی الْجَنَّۃِ وَمَنْ یَنطَلَقُ بہٖ اِلَی النَّار'' اونچے قد کی وجہ سے آدمؑ دیکھ رہے ہوں گے کہ ان کی اولاد میں سے کس کو جنت لے جایا جا رہا ہے اور کس کو جہنم میں لے جایا جا رہا ہے ''فَبَیْنَا آدمُ عَلٰی ذٰلِکَ'' آدمؑ اس حال میں ہوں گے ''اِذْ نَظَرَ اِلٰی رجلٍ مِنْ أُمۃِ محمدٍ ﷺ'' کہ وہ نبی ﷺ کی امت میں سے ایک بندے کو دیکھیں گے ''یُنطَلَقُ بہٖ اِلَی النَّارِ'' کہ اس کو فرشتے گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے کے جا رہے ہوں گے ''فَیُنَادِیْ آدمُ'' تو آدمؑ پکاریں گے ''یا أحمد یا أحمد'' نبی ﷺ کا نام پکاریں گے،آپ ﷺ کا نام محمد بھی اور آپ ﷺ کا نام احمد بھی، ''اسمہٗ أحمد'' قرآن میں ہے، ''فَیَقُوْلُ علیہ الصلوٰۃ والسلام'' اس نام کو سن کر نبی ﷺ جواب میں کہیں گے ''لَبَّیْکَ یا أبا

اَلْبَشَر ''اے بشر کے والد! میں حاضر ہوں''فَیَقُوْلُ'' وہ بتلائیں گے'' ھٰذا رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِکَ'' یہ آپ کی امت کا ایک بندہ ہے''یُنْطَلَقُ بِہٖ اِلَی النَّار'' اس کو جہنم کی طرف لے جایا جارہا ہے''قَالَ ﷺ'' نبی ﷺ نے فرمایا:''فَأَشُدُّ الْمِئْزَرَ'' میں اپنی چادر کو کس کے باندھ لوں گا —— یہ عربوں میں ایک مقولہ تھا، جب انھیں کسی اہم کام کے لئے اٹھنا ہوتا تھا تو وہ کہتے ذرا چادر کو کس کے باندھ لو —— تو نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنی چادر کو کس کے باندھ لوں گا''وَأَسْرَعُ فِی أَثَرِ الْمَلائِکَۃِ'' اور میں ان فرشتوں کے پیچھے تیزی سے چلوں گا جو میرے امتی کو جہنم کی طرف لے کے جارہے ہوں گے''فَأَقُوْلُ'' اور میں کہوں گا:''یَارُسُلَ رَبِّی'' اے میرے رب کے نمائندو!''قِفُوْا'' رک جاؤ''فَیَقُوْلُوْنَ'' وہ آگے سے جواب دیں گے''نَحْنُ الْغِلاظُ الشِّدادُ'' ہم بڑے قوی اور سخت گیر ہیں''لَا نَعْصِی اللہَ تَعالٰی مَا أَمَرَنَا'' جو اللہ حکم دیتا ہے ہم اس کی نافرمانی نہیں کرتے''نَفْعَلُ مَانُؤْمَرُ'' اور ہم وہ کرتے ہیں جس کا ہمیں حکم ملتا ہے''فِاِذَا أَیِسَ النَّبِیُّ ﷺ'' جب اللہ کے نبی ﷺ ان سے مایوس ہوجائیں گے کہ میرے کہنے کے باوجود یہ فرشتے لے کے جہنم کی طرف جارہے ہیں، رک نہیں رہے، تو نبی ﷺ فرماتے ہیں''قَبَضَ عَلٰی لِحْیَتِہٖ بِیَدِہِ الْیُسْرٰی وَاسْتَقْبَلَ الْعَرْش بِوَجْہِہٖ'' نبی ﷺ اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی ریش مبارک کو پکڑیں گے اور اپنے چہرۂ انور کو آسمان کی طرف کر کے دیکھیں گے، عرش کی طرف کر کے دیکھیں گے —— عربوں میں یہ ایک طریقہ ہے کہ جب کسی سے معافی مانگنی ہوتی، منانا ہوتا، تو عاجزی کا طریقہ تھا کہ ڈاڑھی پہ ہاتھ رکھ کے بڑی لجاجت کے ساتھ اس کی طرف محبت سے دیکھتے تھے، فریاد کرتے تھے کہ ہم پہ رحم کھالو —— نبی ﷺ جب فرشتوں کو دیکھیں گے کہ وہ رک نہیں رہے ہیں، میرے امتی کو لے کر جہنم کی طرف جارہے ہیں، آقا ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنا بایاں ہاتھ اپنی ریش کے اوپر رکھوں گا اور میں عرش کی طرف اپنے چہرۂ انور کے ساتھ دیکھوں گا''فَیَقُوْلُ'' پھر نبی ﷺ فرمائیں گے:''یَارَبِّ قَدْ وَعَدْتَنِی أَنْ لَا تُخْزِیَنِی فِی

أُمَّتِی ‘‘ اے اللہ! آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میری امت کے معاملہ میں آپ مجھے رسوانہیں فرمائیں گے’’ فَیَأتِی النِّدَاءُ مِنْ قِبَلِ الْعَرْشِ ‘‘ عرش کے اوپر سے ایک آواز آئے گی ’’ أَطِیْعُوْا محمدًا ‘‘ او میرے فرشتو! محمد کی اطاعت کرو ’’ وَرُدُّوْا هٰذَا الْعَبْدَ اِلَى الْمَقَام ‘‘ اوراس بندے کو واپس میزان کے قریب جہاں سے لائے تھے وہیں جا کر چھوڑ کر آؤ، چنانچہ وہ فرشتے اس بندے کو وہاں جا کر چھوڑیں گے،اب دوبارہ وزن شروع ہوگا’’ فیخرج ﷺ بطاقۃ بیضاء ‘‘ نبی ﷺ ایک چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ نکالیں گے؛ جو سفید رنگ کا ہوگا، ’’ کَالْأَنْمِلَةِ ‘‘ جیسے انگلی کا پور ہوتا ہے اس کے برابر ہوگا ’’ فَیُلْقِیهَا فِی کَفَّةِ الْمِیزَانِ الْیُمْنٰی ‘‘ اس کاغذ کے ٹکڑے کو نبی ﷺ نیکیوں کے پلڑے میں ڈال دیں گے’’ وَهُوَ یَقُوْلُ: بِسْمِ اللّٰهِ ‘‘ اور نبی ﷺ ڈالتے ہوئے بسم اللہ فرمائیں گے’’ فَتَرْجَحُ الْحَسَنَاتُ عَلَى السَّیِّئَاتِ ‘‘ نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوجائے گا، گناہوں کا پلڑا ہلکا ہوجائے گا، ’’ فَیُنَادِی الْمُنَادِی ‘‘ ندا دینے والا ندا دے گا ’’ سَعِدَ وَسَعِدَ جَدُّهٗ ‘‘ اس بندے کے اجداد سعید بن گئے،’’ وَثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ‘‘ اس کی نیکیاں زیادہ ہوگئیں ’’ اِنْطَلِقُوْا بِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ ‘‘ اب اس کو جنت لے کر جاؤ ’’ فَیَقُوْلُ: یَا رُسُلَ رَبِّی ‘‘ جب جنت لے کے جانے لگیں گے تب وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب کے نمائندہ فرشتو! ’’ قِفُوْا ‘‘ ذرا رک جاؤ ’’ حَتّٰى أَسْأَلَ هٰذَا الْعَبْدَ الْكَرِیْمَ عَلَى رَبِّهٖ ‘‘ حتی کہ میں اس کریم بندے سے ذرا معلوم تو کرلوں ’’ فیقول ‘‘ پھر وہ یہ کہے گا: ’’ بِأَبِی أَنْتَ وَأُمِّی ‘‘ آپ کے اوپر میرے ماں باپ قربان جائیں ’’ مَا أَحْسَنَ وَجْهَکَ ‘‘ آپ کا چہرہ کتنا خوبصورت ہے، ’’ وَأَحْسَنَ خُلُقَکَ ‘‘ آپ کی شخصیت Personality کتنی پیاری ہے! ’’ مَنْ أَنْتَ ‘‘ آپ کون ہیں؟ ’’ فَقَدْ أَقَلْتَنِی عَثْرَتِی ‘‘ آپ نے میرے گناہوں کو مٹا کے رکھ دیا ’’ وَرَحِمْتَ عَبْرَتِی ‘‘ میری لغزشوں کو کم کردیا ’’ فَیَقُوْلُ علیہ الصلوۃ والسلام ‘‘ یعنی ﷺ جواب میں فرمائیں گے: ’’ أَنَا نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ میں تیرا نبی محمد ہوں ’’ وَهٰذِهٖ صَلَوَاتُکَ ‘‘ اور یہ وہ درود شریف ہے ’’ الَّتِی کُنْتَ تُصَلِّی عَلَیَّ ‘‘ جو تو مجھ

پر پڑھا کرتا تھا ''وَفَیْتُکَھا'' میں نے تمہیں ان کا بدلہ دیا ''أخوَجَ مَاتَکُونُ اِلَیھا'' جب تجھے اس کی بہت ضرورت تھی۔ سوچیے! آج نبی ﷺ پر درود شریف کا پڑھنا کل قیامت کے دن میزان میں نیکیوں کے بھاری ہونے کا سبب بن جائے گا۔ دعا ہے اللہ رب العزت ہمیں اپنے حبیب ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے، ان کا احترام، ان کی عزت، اور ان کا اکرام بھی دل میں عطا فرمائے، ان کی سنتوں کی محبت کے ساتھ اتباع کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور کثرت سے درود شریف پڑھ کر نبی ﷺ کی محبت دل میں بھرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

اب آپ جس خطاب کا مطالعہ اگلے صفحات پر کریں گے، یہ خطاب ۱۳/ اپریل ۲۰۱۱ء بروز بدھ، وقت: بعد نمازِ فجر ہوا تھا۔ بغیر کسی طے شدہ پوگرام کے۔

باوجود اسکے اس محفل میں بھی حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی (مہتمم دار العلوم) اور حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری نیز دیگر اساتذہ و طلبہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

قربِ الٰہی کیسے حاصل ہوتا ہے؟

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد

ایک نوجوان کی قابل رشک امانت داری

ترکی کا ایک بڑا معروف تاجر تھا، جس کو اللہ رب العزت نے رزق کی بہت فراوانی دی ہوئی تھی، اس نے ایک باغ بھی بنایا تھا، وقتاً فوقتاً وہ اس باغ میں آجایا کرتا تھا، اس باغ میں پھلوں کے مختلف درخت تھے، ایک نوجوان کو اس کی نگرانی کے لئے رکھا، جس کا نام مبارک تھا، یہ تاجر ایک دن اپنے باغ میں آیا اور مبارک کو بلا کر کہا کہ میرے لئے انار کا جوس لے آؤ، مبارک ایک پیالہ میں انار کا جوس لایا جو بہت کھٹا تھا، اس نے اس سے کہا کہ بھائی! یہ تو بہت کھٹا ہے، پیا نہیں جا رہا ہے، تم دوسرے درخت سے انار لے کر اس کا جوس لاؤ، تو مبارک گیا اور دوسرے درخت سے جوس لایا، وہ پہلے سے بھی زیادہ کھٹا تھا، اتنا کھٹا کہ پیا نہیں جا رہا تھا تو وہ مالک اس سے ناراض ہونے لگا کہ تجھے یہاں آئے ہوئے اتنے سال گذر گئے اور ابھی تک تجھے اتنا بھی پتہ نہیں چلا کہ کس درخت کا پھل میٹھا ہے اور کس درخت کا پھل کھٹا ہے، تو مبارک نے جواب دیا کہ جناب! آپ نے تو مجھے یہاں پھلوں کی نگرانی کے لئے رکھا ہے، مجھے پھل چکھنے اور کھانے کی تو اجازت نہیں، چنانچہ اتنے سال میں میں نے تو پھل چکھ کے بھی نہیں دیکھا کہ کون سا پھل میٹھا ہے اور کونسا کھٹا، تو وہ ترکی تاجر اس بات پہ حیران ہوا کہ یہ اتنا امین شخص ہے، اس قدر اس کے اندر امانت کا جذبہ ہے کہ اس نے کہا کہ

میری ڈیوٹی فقط ان کی نگرانی کرنا ہے، مجھے کھانے کی اجازت نہیں ہے اور اس وجہ سے اتنے سالوں میں اس نے کوئی پھل چکھا ہی نہیں، دل میں اس نے سوچ لیا کہ جو نوجوان دل میں اتنا خوف خدا رکھتا ہو اور جو اتنا امین ہو، وہ میری خدمت کے بجائے اس مالک الملک کی خدمت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ اس نے کہا مبارک! میں باغ کی نگرانی کے لئے کسی اور بندے کو رکھ لوں گا، بہتر ہے کہ تو اللہ کی عبادت کے لئے مشغول ہو جا، مبارک تو پہلے ہی چاہتا تھا کہ مجھے اللہ کی عبادت کے لئے اور زیادہ فرصت کا وقت ملے، چنانچہ مبارک اللہ کی عبادت کے لئے فارغ ہو گیا اور اس نے باغ کی نگرانی کے لئے دوسرا بندہ تلاش کر لیا، تو چونکہ اس تاجر کو اس نوجوان کے ساتھ عقیدت ہو گئی تھی، تو اس نے ایک مشورہ دیا کہ دیکھو جہاں میرا گھر ہے اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا گھر ہے، وہ بنایا تو تھا گھر کے ملازموں کے لئے، کتنا اچھا ہو کہ آپ اس میں آ کر رہیں تو میری ملاقات آپ سے پہلے سے زیادہ ہوا کرے گی، مبارک نے اس بات کو قبول کر لیا، چنانچہ وہ اس ترکی کے اس چھوٹے سے مکان میں رہنے لگا، یہ ترکی تاجر وقتاً فوقتاً مبارک کے پاس آتا بیٹھتا، گفتگو ہوتی، دل لگی ہوتی۔

امانت داری کا انعام

ایک مرتبہ وہ ترکی تاجر آیا تو اس کے چہرے پہ عجیب کیفیت تھی، لگتا تھا کہ جیسے بہت غم زدہ ہے، تو مبارک نے اس سے پوچھا کہ آپ غم زدہ محسوس ہو رہے ہیں، کہا: ہاں! میں بہت زیادہ غم زدہ اور پریشان ہوں پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ میری بیٹی جوان العمر ہے، اللہ نے اسے بہت اچھی شکل دی ہے، عقل دی ہے اور اس کے لئے امراء اور وزراء کے بیٹوں کے رشتے آ رہے ہیں، ہر کوئی یہی چاہتا ہے کہ اس کے بیٹے سے رشتہ ہو جائے اور مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں فیصلہ کیا کروں، تو مبارک نے اس سے کہا کہ دیکھو! ہم سے پہلے دو امتیں گذری ہیں، ایک امت یہودیوں کی تھی، وہ مال کے پجاری تھے، ان کی ہر بات میں مال کا عنصر غالب تھا Money Oriented وہ دوستیاں کرتے تو مال کی بنا پر، رشتے کرتے تو مال کی بنا پر، وہ مال کے پجاری تھے، مزاج کے اعتبار سے زر پرست تھے۔ پھر اس

کے بعد ایک قوم آئی جس کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ جمال پرست تھے، حسن کے پجاری تھے، حسن کے پیچھے بھاگتے تھے، ہمارے نبی ﷺ جب تشریف لائے تو انھوں نے ہمیں سمجھایا کہ نہ تم زر پرست بنو، نہ تم حسن پرست بنو، بلکہ تم اپنے رشتے دین کی بنیاد پر کرو، چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ اپنے رشتے کرتے ہیں خاندان کی وجہ سے، نسب کی وجہ سے، یا مال کی وجہ سے، یا جمال کی وجہ سے، یا نیکوکاری کی وجہ سے، تو تم اپنے رشتے نیکی کی بنا پر کیا کرو، پھر مبارک نے اسے بات سمجھائی کہ دیکھو بھائی! یہ جتنے Proposal (شادی کے رشتے) آرہے ہیں تمہارے لئے، ان سب میں دیکھو کہ نیک کون ہے، دین کو بنیاد بناؤ، نیکی کو بنیاد بناؤ، اور نیکی کی بنا پر اپنی بیٹی کے لئے رشتہ تلاش کرو، ترکی تاجر کو اس کی بات بہت اچھی لگی، وہ گھر آیا تو بیوی کو بھی یہی بات سمجھائی کہ دیکھو! ہمیں ان کے عہدوں کو نہیں دیکھنا، مال کو نہیں دیکھنا، مکان کو نہیں دیکھنا، دنیا کی واہ واہ کو نہیں دیکھنا ہے، ہمیں تو بس دین کو دیکھنا ہے، بیوی نے بھی کہا کہ بات تو بہت اچھی ہے، اب دونوں میاں بیوی بیٹھ کے آپس میں Discuss (تبادلۂ خیال) کرنے لگے کہ کونسا Proposal (شادی کا رشتہ) اچھا ہے، تو بیوی نے کہا کہ دیکھیں! اگر ہمیں اللہ کا خوف ہی دیکھنا ہے اور دین ہی دیکھنا ہے تو ان امیروں کے بیٹوں سے تو یہ نوجوان زیادہ بہتر ہے، اس نے مبارک کا نام لے لیا، تاجر کے دل میں بھی خیال آیا کہ ہاں واقعی بات تو ٹھیک ہے، جتنا خوفِ خدا اس نوجوان میں ہے، جتنا متقی یہ ہے، جتنا پرہیزگار یہ ہے، اتنا کوئی دوسرا نوجوان نظر نہیں آتا، اور پھر اس سے طبیعت کے اندر ایک محبت بھی ہے، چنانچہ بیوی کے کہنے پر وہ ترکی تاجر آیا اور اس نے مبارک سے بات کی کہ بھائی! ہمیں اپنی بیٹی کا رشتہ تو کرنا ہی ہے، تو اگر ہم آپ کے ساتھ کرنا چاہیں تو کیا آپ قبول کرلیں گے؟ مبارک نے بھی سوچا کہ یہ لوگ مالدار اگرچہ ہیں، لیکن نیکوکار بھی تو ہیں اور میرے محسن بھی ہیں، انھوں نے مجھے عبادت کے لئے فارغ کردیا ہے اور اگر یہ اپنی بیٹی کا رشتہ مجھ سے کرنا چاہتے ہیں تو اس سے بہتر پر رشتہ اور کیا ہوسکتا ہے، چنانچہ مبارک نے بھی ہاں کردی، اس ترکی تاجر نے اپنی بیٹی کا نکاح مبارک کے ساتھ کردیا۔ اب یہ لڑکی بھی بہت نیک تھی، اور وہ نوجوان بھی خود بہت نیک تھا۔

والدین کی تہجد کے آنسوؤں کا اثر

ان دونوں میاں بیوی کو اللہ نے ایک بیٹا دیا، جس کا نام انھوں نے عبداللہ رکھا، وہ عبداللہ گھر کے اندر بہت ناز ونعمت میں پلا، حتی کہ ترکی تاجر فوت ہوگیا، اس کا کوئی اور بیٹا نہیں تھا، اس کی ساری جائداد اس کی بیٹی کے حصے میں آگئی، جب بیٹی کے حصے میں آئی تو مبارک کو بھی خود بخود مل گئی کیونکہ وہ خاوند تھا، اب مبارک بھی اپنے وقت کا بہت امیر آدمی بن گیا، اس نے اپنے بیٹے کی پرورش کے لئے کوشش تو بہت اچھی کی، لیکن بچہ چونکہ مال و دولت میں پلا تھا، سونے کا چمچہ منہ میں لے کے پیدا ہوا تھا، اور مال میں فائدے بھی بہت ہیں اور فساد بھی بڑے ہیں اور ایک فساد اس کا یہ ہے کہ بندہ تن آسانی کا شکار ہوجاتا ہے یہ دنیا کی چکا چوند انسان کو دنیا کا متوالا بنا دیتی ہے، چنانچہ یہ نوجوان جب جوان ہوا تو یہ اپنی خواہشات میں لگ گیا، ماں سمجھاتی، باپ سمجھاتا، یہ ایک کان سے سنتا دوسرے سے نکال دیتا، وہ کیا کر سکتے تھے، تھانے دار تو نہیں تھے، سمجھا ہی سکتے تھے، یہ عبداللہ اپنے دوستوں کی صحبت میں ایسا لگا کہ اس کو شباب کے سوا کوئی کام یاد نہیں رہا، ماں باپ تہجد میں روتے، دعائیں مانگتے، مگر عبداللہ تو چکنا گھڑا تھا، اس پر کسی بات کا اثر ہوتا ہی نہیں ہوا — یہ بات ذہن میں رکھیے کہ ماں باپ کی تہجد کے جو آنسو ہیں وہ کبھی رائیگاں نہیں جایا کرتے، وقتی نتائج سامنے نظر نہ آئیں تو کوئی بات نہیں، مگر کبھی نہ کبھی ان کی دعائیں رنگ لاتی ہیں — چنانچہ عبداللہ ایک دن سویا ہوا تھا، اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: "أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ" عبداللہ کی آنکھ کھلی، وہ سوچنے لگا کہ میرے ماں باپ اتنے نیک اور میں اتنا بدکار، اب وقت آگیا ہے کہ میں توبہ کروں اور نیک بن جاؤں، چنانچہ اس نے اپنے دل میں نیک بننے کا ارادہ کرلیا۔

اس نے اپنے والد سے کہا کہ ابو! میں تجارت کرنا چاہتا ہوں، مجھے کچھ پیسے چاہئیں تو والد نے اسے تیس ہزار درہم تجارت کے لئے دئے، عبداللہ نے وہ درہم لئے اور نکل پڑا اور سیدھا علماء کے پاس گیا، ایک عالم سے علم حاصل کیا، دوسرے سے علم حاصل کیا،

تیسرے سے علم حاصل کیا، اس زمانے میں جو بڑے بڑے مشاہیر ہوتے تھے، ان کے پاس جا کر حدیث مبارک کا علم حاصل کیا جاتا تھا، چنانچہ عبداللہ نے زندگی کے دو سال علم حاصل کرنے میں لگا دیئے، دو سال کے بعد جب گھر واپس لوٹا تو والد نے پوچھا: بیٹا! تم تو تجارت کے لئے گئے تھے؟ کہا: ابا جان! میں نے وہ تجارت کی "تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ" جو تجارت تجھے عذاب الیم سے نجات دے۔ اب والد کو پتہ چلا کہ اُفوہ! میرے بیٹے کا تو دل بدل چکا ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ میری تو حسرت پوری ہوئی، میرا تو خواب پورا ہو گیا، میرے بیٹے تیری زندگی بدل گئی تو نے علم حاصل کیا؟ جی ابا جان! آپ کی دعائیں رنگ لائیں۔ اللہ اکبر کبیرا

بڑھاپے میں دین دار والدین کی حسرت وتمنا

آپ ذرا سوچیں اس بات کو کہ بچہ چھ سات سال کا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ اس وقت سے اس کو نماز پڑھاتے ہیں اور وہ بچہ اس وقت سے دعا مانگتا ہے: "رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي" اب اس کی اولاد تو کوئی نہیں، اس وقت تو وہ خود ۵، ۶ سال کا ہے، ابھی ۷ سال بھی پورا نہیں ہوا، مگر ابو نے نماز یاد کرا دی، تو وہ اس کے ساتھ کھڑا ہو کے نماز پڑھ رہا ہے اور دعا مانگ رہا ہے: "رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي" ابھی وہ بچہ ہے اور اولاد کے لئے دعا مانگ رہا ہے، حالانکہ اس کی اولاد نہیں ہے، مگر اللہ کے علم میں ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ بچہ جوان العمر ہوگا، اس کی شادی ہوگی، اس کی اولاد ہوگی، اس ہونے والی اولاد کے لئے یہ دعا ابھی سے مانگ رہا ہے، اب وہ بچہ جس نے ۶، ۷ سال کی عمر میں اولاد کے نیک ہونے کی دعا مانگی، وہ ساٹھ ستر سال کی عمر میں پہنچ کے جب وہ سفید بالوں والا ہو جائے اور اپنی اولاد کو دیکھے کہ وہ دین سے ہٹی ہوئی ہے تو سوچ سکتے ہیں کہ اس کے دل پر کیا گذر رہی ہوگی؟ اپنی اولاد کو دیکھ کے غم ہوتا ہے کہ اللہ! میں نے تو ۶، ۷ سال کی عمر سے تجھ سے دعائیں مانگنی شروع کیں اور اب بال سفید ہو گئے اور میری اولاد اب بھی دین پہ نہیں آ رہی ہے، نوجوان اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکتے، اس بات کی حقیقت تو وہی سمجھتا ہے

جو بوڑھا ہوتا ہے، بوڑھے کے دل میں ہر وقت یہ غم ہوتا ہے کہ میری اولاد کیسے دیندار ہوجائے۔ یہی تو وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي'' دیکھئے موت کا وقت ہے، اب آخری وقت میں بھی فکر ہے کہ میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟

چنانچہ عبداللہ نے جب اپنے والد سے کہا کہ ابا جان میری زندگی کا رخ اب بدل گیا تو والد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہا، اس کا تو خواب پورا ہوگیا، اس نے بیٹے کا مکمل تعاون کیا کہ بیٹا! تم اور علم حاصل کرو، چنانچہ اس نے بیس ہزار درہم اور دینار اور دیئے کہ جاؤ سفر کرو اور علم حاصل کرو، عبداللہ نے اپنے وقت کے ہر بڑے عالم سے علم حاصل کیا، حتی کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ نے اپنی زندگی میں چار ہزار محدثین سے علم حاصل کیا۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ومرتبہ

اب یہ جو بچہ تھا بڑا ہوا اور یہ عبداللہ ابن مبارکؒ کے نام سے مشہور ہوگیا، اور اللہ نے اس کو وہ مقام دیا کہ یہ عبداللہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملنے کے لئے جاتے تھے تو امام احمد بن حنبلؒ اپنی جگہ سے اٹھ جایا کرتے تھے اور ان کو اپنی جگہ پر بیٹھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے پاس مشرق ومغرب کا عالم آگیا، اتنا اللہ نے ان کو علم دیا۔

یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے، ان کے چالیس شاگرد تھے، جو مسائل کے استنباط میں ان کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے، عبداللہ بن مبارک ان چالیس میں سے ایک تھے، انھوں نے فقاہت امام ابوحنیفہؒ سے سیکھی اور حدیث کا علم محدثین سے حاصل کیا، ان کی تعریف میں اسماء الرجال کی کتب میں جتنے اچھے الفاظ لکھے گئے ہیں وہ دوسرے محدثین کے بارے میں نہیں لکھے گئے ہیں، امیر المؤمنین فی الحدیث تک ان کو کہا گیا ہے، ان کے حدیث کا درس اتنا بڑھا کہ ایک وقت میں چالیس ہزار طلبہ ان سے بیٹھ کر حدیث پڑھا کرتے تھے، آج تو دارالحدیث میں کہیں دوسو، کہیں تین سو، کہیں چار سو، ایک مرتبہ ہٹ ہزاری بنگلہ دیش میرا جانا ہوا تو وہاں کی دارالحدیث میں حدیث کے آٹھ سو طلبہ ایک وقت

میں پڑھتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں بھی امید ہے کہ آٹھ سو یا اس کے قریب قریب طلبہ ہوں گے، تو بڑے دارالعلوموں میں اتنے ہی طلبہ ہوتے ہیں، آپ سوچیں کہ اس شخص کے سامنے چالیس ہزار حدیث کے طلبہ ہوتے تھے، سبحان اللہ! اللہ نے ان کو وہ علمی جلالت شان عطا فرمائی تھی۔ جب وہ حدیث بیان کرتے تھے تو ان کے مجمع میں سننے والے بلند آواز سے بولتے تھے، اور وہ سن کے آگے بولتے تھے، گیارہ سو لوگ مکبّر ہوا کرتے تھے، اتنا مجمع ہوتا تھا، اللہ رب العزت نے ان کو قبولیت عامہ اور تامہ عطا فرمائی تھی۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی چند اہم صفات

پہلی صفت: اخلاق کریمانہ

اس عبداللہ بن مبارک کے اندر کچھ خاص صفتیں تھیں، ایک صفت تو یہ تھی کہ ان کے اخلاق بڑے اعلیٰ تھے، ہر ایک کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، چنانچہ اتنے اچھے اخلاق تھے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا، اس نے کہا کہ حضرت! میرے اوپر سات سو دینار کا قرض ہے، اگر آپ سات سو دینار مجھے دے دیں تو میرا قرض اتر جائے گا، میرا ٹینشن ختم ہو جائے گا، میں سکون کے ساتھ رہوں گا، انھوں نے ایک چٹھ لکھ کے دیا کہ میرے محاسب کے پاس لے جاؤ اور اس سے جا کے پیسے لے لو، وہ خوشی خوشی گیا اور Accountant (محاسب) کو کہتا ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے چٹھ لکھ دی ہے، میرے اوپر سات سو دینار کا قرضہ ہے، اس نے دیکھا کہ چٹھی کے اوپر تو سات ہزار لکھا ہے، وہ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بندہ کہہ رہا ہے کہ مجھے سات سو کی ضرورت ہے، لگتا ہے کہ غلطی سے ایک Digit (صفر کا ہندسہ) زیادہ ہو گئی، اس نے کہا: اچھا میں حضرت سے Verify (تصدیق) کرلوں کہ یہ کتنا ہے، وہ آیا، ساتھ میں وہ جو مانگنے والا سائل تھا وہ بھی آیا، محاسب نے کہا کہ حضرت! اس کو تو سات سو دینار کی ضرورت ہے اور آپ نے سات ہزار لکھ دیا؟ حضرت نے کہا چٹھ لاؤ چٹھ لی اور سات ہزار کو کاٹ کے اس کی جگہ چودہ ہزار لکھ دیا، اب وہ بڑا حیران ہوا، خیر اس نے چودہ ہزار Pay (ادا) تو

کر دیے، لیکن جب وہ چلا گیا تو یہ حضرت کے پاس آیا کہ حضرت! مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس نے مانگے تھے سات سو اور آپ نے لکھے تھے سات ہزار، اور جب میں پوچھنے آیا تو آپ نے کاٹ کے چودہ ہزار کر دیے، کیا مسئلہ ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ دیکھو میں چاہتا تھا کہ جتنا اس نے مانگے میں اس کی توقع سے زیادہ اس کو دوں، تا کہ اس کا دل خوش ہو جائے، اس لئے میں نے سات ہزار لکھے تھے، تم نے میرا کام خراب کر دیا کہ تم پوچھنے آ گئے، اب چونکہ اس کو پتہ چل گیا تھا کہ سات ہزار لکھے ہیں، اب میں سات ہزار دے بھی دیتا تو اس کو اتنی خوشی نہ ہوتی، تو میں نے چودہ ہزار لکھ دیا، اس نے کہا حضرت! آخر اس کا دل خوش کرنے کا اتنا کیا مسئلہ تھا؟ تو عبداللہ مبارکؒ نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کی حدیث مبارک پڑھی ہے کہ جو شخص کسی مومن کے دل کو اچانک خوشی پہنچاتا ہے، اس خوشی پہنچانے پر اللہ اس کی زندگی کے پچھلے سب گناہوں کو معاف فرما دیں گے، چنانچہ اس نے تو سات سو جھ سے مانگے تھے، لیکن میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس کو سات ہزار دوں، اس کا دل خوش ہوگا تو اللہ میرے گناہوں کو معاف فرما دیں گے، اللہ رب العزت نے ان کو ایسے اخلاق دیے تھے۔

دوسری صفت: اخلاص

دوسری صفت یہ تھی کہ وہ جو کرتے تھے اللہ کی رضا کے لئے کرتے تھے، خالصۃً لوجہ اللہ کرتے تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بار بار کوفہ جانا پڑتا تھا، راستہ میں ایک شہر تھا، وہاں ایک سرائے تھی، ایک ہوٹل تھا، وہاں چار پائی بستر ملتا تھا، میں رات میں وہیں ٹھہرا کرتا تھا، وہاں ایک نوجوان تھا جو خدمت کرتا تھا، ایک دفعہ عبداللہ بن مبارکؒ آئے تو پوچھا کہ وہ نوجوان کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ نوجوان تو گرفتار ہو گیا، اور وہ جیل میں ہے، پوچھا کہ کیا وجہ تھی؟ بتایا گیا کہ اس نے کسی سے قرض لیا تھا، اس نے وقت پہ دیا نہیں، قرض والے نے پولس والے کو بتا دیا، پولس نے اس کو گرفتار کر لیا کہ ادا کرو گے تو چھوٹو گے، عبداللہ بن مبارکؒ پولس والے کے پاس گئے، پوچھا کہ اس طرح کا ایک نوجوان ہے، آپ نے اس کو جیل میں ڈالا ہے؟ کہا ہاں، کیسے چھوٹ سکتا ہے؟ کہا کہ یا وہ ادا کرے

یا اس کی جگہ کوئی اور ادا کردے، تو عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ Payment (ادائیگی) میں کردیتا ہوں، لیکن ایک شرط ہے، پوچھا کہ کیا؟ کہا کہ میرا نام نہ بتانا، اس نے کہا: مجھے اس سے کیا غرض ہے، میں نہیں بتاؤں گا، عبداللہ بن مبارکؒ نے پیسے دیئے، اس نے ان بندوں کو، جو حق دار تھے، بلا کے پیسے دیئے اور اس نوجوان کو آزاد کردیا، اس نے پوچھا کہ مجھے کیوں چھوڑا جارہا ہے؟ بتایا گیا کہ کسی نے تیرے پیسے Payoff کردئے (چکادیئے)۔

اس کے بعد عبداللہ ابن مبارکؒ ہر سال کئی مرتبہ اس ہوٹل میں ٹھیرتے رہے اور وہ نوجوان واقعہ سناتا تھا کہ حضرت! میرے اوپر تو مصیبت آگئی تھی، میں گرفتار ہوگیا تھا، کوئی خدا کا بندہ آیا، اس نے میرا قرضہ دے دیا اور مجھے پولس نے چھوڑ دیا، حضرت سنتے تھے، مگر اس کو بتاتے نہیں تھے کہ وہ قرضہ ادا کرنے والا میں ہی ہوں، پوری زندگی اسی طرح گذر گئی، جب عبداللہ بن مبارکؒ کی وفات ہوگئی، تب پولس والے نے بتایا کہ نوجوان! تیرا قرضہ تو عبداللہ بن مبارک نے ادا کردیا۔ تو یہ دوسری صفت تھی خالصۃً لوجہ اللہ، اللہ کی رضا کے لئے ہر عمل کرنے والی۔

تیسری صفت: شہرت سے بچنا

ان کے اندر ایک تیسری صفت شہرت سے بچنے والی تھی، چنانچہ اتنے بڑے بڑے مجمع کو حدیث کا درس دیتے تھے، پھر ایک وقت آیا کہ انھوں نے حدیث کا درس دینا موقوف کیا اور ''رے'' ایک شہر تھا، اس میں جاکے ایک گمنام مقام پہ رہنے لگے، سارا دن خلوت میں گذرتا، دو سال اس طرح وہاں رہے کہ کوئی واقف نہیں، کوئی جانتا پہچانتا نہیں، بس اکیلے ہیں، ایک بندہ ملا، اس نے کہا کہ آپ تو چالیس چالیس ہزار بندوں کے مجمعوں میں حدیث کا درس دیتے تھے، آپ یہاں اکیلے ہیں، آپ کا دل اداس نہیں ہوتا؟ تو عبداللہ ابن مبارکؒ نے جواب دیا کہ میرا دل بالکل اداس نہیں ہوتا، اس نے کہا کیوں؟ کہنے لگے کہ میں نے سوچا کہ اب نبی ﷺ کی صحبت میں وقت گذاروں یعنی سارا دن وہ جو احادیث مبارکہ کو یاد کرتے تھے، حفظ کرتے تھے، اس کو انھوں نے کہا کہ میں تو سارا دن نبی ﷺ کی صحبت میں وقت گذار رہا ہوں

چوتھی صفت: خشیتِ الٰہی

ایک چوتھی صفت ان کے اندر نمایاں اور بھی تھی، وہ یہ کہ ان کے دل میں خوف خدا بہت تھا، ان کے ایک دوست تھے، وہ کہتے کہ مجھے بڑی حیرانی ہوتی تھی کہ جو کتابیں عبداللہ نے پڑھیں وہی کتابیں میں نے پڑھیں، جتنی استعداد اس میں اتنی استعداد میرے اندر، لیکن جو قبولیت عبداللہ کو ملی مجھے کوئی پوچھتا بھی نہیں، مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس میں کیا چیز زیادہ ہے، کہنے لگے کہ ایک دن میں ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، کوئی علمی بات کر رہے تھے، اچانک چراغ بجھ گیا، تو چراغ جلانے میں چند منٹ لگے تو جیسے ہی چراغ جلا تو میری نظر عبداللہ کے چہرے پہ پڑی تو میں نے کہا عبداللہ! تمہاری آنکھ میں آنسو ہیں، کہنے لگے کہ ہاں، اس اندھیرے میں مجھے قبر کا اندھیرا یاد آگیا۔ وہ کہنے لگے کہ تب مجھے پتہ چلا کہ میرے اور ان کے درمیان کیا فرق ہے، عبداللہ بن مبارک کے دل میں اتنا خوف خدا تھا کہ خلوت میں اور جلوت میں گناہوں سے بچا کرتا تھا۔

آج کا جو طالب علم چاہے کہ مجھے بھی اللہ کا قرب نصیب ہو تو اچھے اخلاق والے بنیں، ہم تو ماں باپ کے دلوں کو ستاتے ہیں، ہم تو ساتھ والوں کے دل دکھاتے ہیں، وہ سب کے دل خوش کیا کرتے تھے کہ اللہ میرے گناہ معاف کر دیں گے، ان جیسے اخلاق پیدا کریں، پھر ان جیسی تواضع پیدا کریں، پھر ان جیسا اخلاص پیدا کریں اور ان جیسا خوف خدا پیدا کریں، پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت کی کیا رحمتیں برستی ہیں۔ چنانچہ ان کو اللہ نے ایک ایسا مقام دیا کہ ان کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کی زندگی کو کئی سال قریب سے دیکھا، اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ عبداللہ بن مبارک میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں صرف ایک فرق ہے، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل تھا، جو عبداللہ بن مبارک کو حاصل نہیں تھا، اسکے سوا عبداللہ بن مبارک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آیا۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا آخری وقت

وہ عبداللہ بن مبارکؒ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو شاگردوں کو فرمایا کہ مجھے چارپائی سے اٹھا کے زمین پہ لٹادو، پہلے تو شاگرد تھوڑا گھبرائے، اس وقت قالین کے فرش تو ہوتے نہیں تھے، اس وقت تو یہی مٹی ہوتی تھی، تو شاگرد تھوڑا متردد ہوئے، دوبارہ فرمایا کہ مجھے چارپائی سے اٹھا کے زمین پہ لٹادو تو الأمر فوق الأدب کے تحت شاگردوں نے چارپائی سے حضرت کو اٹھایا اور زمین پہ لٹادیا، لیکن شاگردوں کی چیخیں نکل گئیں اس لئے کہ عبداللہ بن مبارکؒ کو جب زمین پہ لٹایا گیا تو اپنے رخسار کو زمین پہ رگڑ کے کہنے لگے کہ اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پہ رحم فرما، نہیں کہا کہ میں محدث ہوں، نہیں کہا کہ میں حدیث کا استاذ ہوں، نہیں کہا کہ میرے وعظ ونصیحت سے ہزاروں لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں، جانتے تھے کہ اللہ کے یہاں کوئی عمل پیش نہیں کر سکتے، اس کی شان بہت بڑی ہے، جو عملوں پہ نظر رکھتا ہے اللہ ان عملوں پہ ٹھوکر مار دیتے ہیں کہ یہ عمل کسی قابل نہیں ہیں، جانتے تھے کہ اللہ کے سامنے کسی کے عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ عاجزی ہے بندے کے پاس۔

عزیز طلبہ! ہم بھی اب دل لگا کے پڑھیں اور عبداللہ بن مبارکؒ جیسے اخلاق اپنے اندر پیدا کریں، اللہ کی خشیت پیدا کریں اور خلوت اور جلوت میں گناہوں سے بچیں اور اللہ کے حضور اپنا عمل تو پیش نہیں کر سکتے، بالآخر یہی کہیں گے کہ مولی! بس تو اپنا فضل فرمادے، اپنے فضل سے معاف فرمادے، اللہ رب العزت ہمیں بھی عبداللہ بن مبارکؒ جیسی خشیت عطا فرمائے، اپنا خوف عطا فرمائے، اپنی محبت عطا فرمائے، علم کا شوق عطا فرمائے، ہمارے سینوں کو علم نافع کے نور سے بھر دے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

دیوبند کے زمانۂ قیام میں ایک مخصوص مجلس مستورات کے لئے بھی منعقد کی گئی تھی، جس کا اہتمام مولنا سید محمود مدنی مدظلہ کی اہلیہ مکرمہ نے کیا تھا یہ مجلس ۱۳/۱ اپریل ۲۰۱۱ء بروز بدھ، دن میں ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوئی تھی،

آئندہ صفحات پر آپ اسی مجلس والا بیان ملاحظہ فرمائیں گے۔

مستورات مجلس

اللہ کتنا مہربان ہے!

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم
يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، و سلام علی المرسلین، و الحمد للہ رب العلمین
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک و سلم

مخلوق کی محبت دائرۂ شریعت میں ہو تو عبادت

اللہ رب العزت نے ہر انسان کو ایک دھڑکتا ہوا دل عطا کیا ہے، انسان جذبات اور احساس رکھنے والی ہستی ہے، چنانچہ انسان جب قریب رہتا ہے تو ایک دوسروں سے فطری طور پر محبت کرتا ہے، یہ محبت کا جذبہ اللہ رب العزت نے ہر بندے کو عطا کیا ہے ۔

دل بحر محبت ہے محبت یہ کرے گا
لاکھ اس کو بچا تو، یہ کسی پر تو مرے گا

مخلوق میں ایک دوسرے سے محبت کرنا اگر دائرۂ شریعت کے اندر ہو تو یہ عبادت ہے، جیسے ماں باپ کی محبت، اولاد کی محبت، میاں بیوی کی محبت، دو بھائیوں میں آپس کی محبت، بہن بھائی کی محبت، یہ تمام محبتیں اللہ رب العزت کی نظر میں عبادت ہیں۔

ماں کی مامتا

ان محبتوں میں ایک محبت سب سے زیادہ طبعی ہوتی ہے، اس کو ماں کی محبت، ماں کی مامتا کہتے ہیں، ہر مخلوق کو اللہ رب العزت نے اس نعمت سے نوازا ہے کہ ماں اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے، انسان، حیوان، چرند پرند، کوئی بھی ہو، ماں کو اپنی اولاد سے محبت ہوگی۔ آپ نے کئی مرتبہ یہ منظر دیکھا ہوگا کہ مرغی اپنے بچوں کے ساتھ پھر رہی ہے، دور سے کہیں بلی نظر آتی ہے تو وہ مرغی بچوں کے سامنے اپنے پَر پھیلا کے کھڑی ہو جاتی ہے، اس بلی کے ساتھ مقابلے کے لئے تیار ہو جاتی ہے، حالانکہ وہ مرغی جانتی ہے کہ میں بلی کے ساتھ لڑ نہیں سکتی، لیکن وہ ماں ہے، وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بچوں کو بلی کا شکار بھی ہوتا نہیں دیکھ سکتی، لہٰذا وہ فیصلہ کرتی ہے کہ گو میں مرجاؤں گی، لیکن پہلے تم مجھ سے نمٹو گی، پھر میرے بچوں کو ہاتھ لگاؤ گی۔

ہم نے کئی مرتبہ دیکھا کہ ایک چڑیے نے کمرے میں گھونسلہ بنایا ہوا ہے اور اس میں اس کا بچہ ہے تو وہ چڑیا پانی لینے یا دانہ لینے کے لئے باہر چلی جاتی ہے، قدرۃً کوئی آدمی کمرے کا دروازہ بند کر دیتا ہے، اب وہ ماں پریشان ہوتی ہے، اس کی چونچ میں دانہ ہے یا پانی کا قطرہ ہے اور وہ کبھی اڑتی ہوئی اِدھر بیٹھتی ہے اور کبھی اُدھر بیٹھتی ہے کہ دروازہ کھلے اور میں اپنے بچوں کو یہ پانی پہنچاؤں، حالانکہ بار بار اڑنے سے اس کو خود پیاس لگی ہوئی ہے اور پانی اس کی چونچ میں ہے، مگر وہ پانی خود نہیں پیتی، اپنے بچے کے لئے بچا کے رکھتی ہے اور جیسے ہی دروازہ کھلتا ہے وہ اسی وقت اندر جا کر اپنے بچے کے منہ میں پانی ڈال دیتی ہے۔

حدیث مبارک میں ایک واقعہ بھی آیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے، انھوں نے راستہ میں ایک درخت پر گھونسلہ دیکھا، جس میں چھوٹے چھوٹے بڑے خوبصورت بچے تھے، انھوں نے چڑیے کے وہ بچے اٹھا لئے اور چل پڑے، چڑیا کہیں دانہ چگنے کے لئے گئی ہوئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے محسوس کیا کہ جیسے ان کے سر کے اوپر ایک چڑیا اڑ رہی ہے اور آوازیں نکال رہی ہے، وہ اس آواز کو نہ سمجھے کہ یہ مجھے کیا پیغام دے رہی ہے، چلتے گئے، چڑیا بھی ان کے سر پر چکر لگاتی رہی، آواز نکالتی رہی، حتی

کہ کچھ دیر کے بعد وہ تھکی ہوئی چڑیا ان کے کندھے پر آکر بیٹھ گئی، انھوں نے اس چڑیا کو بھی پکڑ لیا، پھر ان سب کو لے کر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک خوب صورت عادت تھی کہ جب کوئی نئی بات پیش آتی تھی تو وہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھتے تھے، چنانچہ ان صحابیؓ نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، تو نبی ﷺ نے انھیں یہ بات سمجھائی کہ دیکھو! ماں دانہ چگنے کے لئے گئی ہوئی تھی، تم نے بچوں کو پکڑ لیا، ماں واپس آئی تو گھونسلہ خالی دیکھا، پریشان ہو کر وہ بچوں کی تلاش میں نکلی، جب تمہارے ہاتھ میں بچے دیکھے تو تمہارے سر پر چکر لگاتی رہی، فریاد کرتی رہی کہ مجھے میرے بچوں سے جدا مت کرو، میں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکوں گی، مگر تم اس کی بات کو نہ سمجھے، تو اس چڑیا نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر یہ شخص میرے بچوں کو آزاد نہیں کرتا تو پھر میرا گرفتار ہو جانا بھی بہتر ہے، میں قید تو ہو جاؤں گی، مگر بچے تو میرے ساتھ ہوں گے، اس لئے وہ چڑیا تمہارے کندھے پر آکر بیٹھ گئی، تم نے اسے بھی پکڑ لیا۔ پھر نبی ﷺ نے انھیں سمجھایا کہ جائیں اور گھونسلے میں اس ماں اور بچوں کو دوبارہ چھوڑ کر آئیں۔ اب مرغی اور چڑیا کتنی ننھی منھی سی جان ہے، لیکن ان میں بھی محبت کی یہ حد ہے، تو انسان تو انسان ہے۔

ایک ماں کو اپنی اولاد سے کتنی محبت ہوتی ہے، ہر بندہ اس چیز کا اندازہ نہیں لگا سکتا، کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس دو عورتوں کا مقدمہ آیا، وہ دونوں اپنے بچوں کو لے کر گاؤں سے شہر کی طرف کسی کام کے لئے آرہی تھیں، راستہ میں بھیڑئے نے حملہ کیا اور ان میں سے ایک عورت کے بچے کو وہ لقمہ بنا کر لے گیا، پہلے تو وہ عورت روتی رہی، پھر معلوم نہیں اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے دوسری عورت سے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ لڑکا جو تمہارے پاس ہے وہ میرا بیٹا ہے مجھے دے دو، اب دونوں کے درمیان ایک Dispute (تنازعہ) بن گیا، ایک کہتی کہ یہ میرا بچہ ہے، دوسری کہتی کہ یہ میرا بچہ ہے، سلیمانؑ کے پاس جب مقدمہ آیا تو آپ حیران تھے کہ آخر فیصلہ کیا کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بات کی حقیقت سمجھا دی، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اس بچے پر دو عورتیں ماں ہونے کا دعویٰ کر رہی ہیں، میرے پاس

چھری لاؤ، میں اس بچے کے دو ٹکڑے کروں گا، ایک ٹکڑا ایک عورت کو دوسرا دوسری عورت کو دوں گا، جب آپ نے چھری منگالی اوران عورتوں کو یقین ہوگیا کہ آپ اس بچے کے دو ٹکڑے کردیں گے، توان میں جو اصل ماں تھی وہ پریشان ہوئی، رو کر کہنے لگی کہ حضرت! یہ بچہ بھلے اس دوسری عورت کو دیدیں، کم از کم میں اس بچے کو اپنی زندگی میں زندہ تو دیکھ سکوں گی، تو سلیمانؑ کو پتہ چل گیا کہ اصل ماں کون ہے، لہٰذا انھوں نے بچہ اسی کے حوالے کردیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں تشریف فرما ہیں، ایک مانگنے والی عورت آئی، اس کے دو بچے تھے، عائشہ صدیقہؓ نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک کھجور ایک بچے کو دے دی، دوسری کھجور دوسرے بچے کو دے دی، اور تیسری کھجور خود کھانے کے بجائے انتظار کرنے لگ گئی، جب دونوں بچوں نے اپنے اپنے حصے کی کھجوریں کھالیں تو ماں نے اپنے حصے کی کھجور کے دو حصے کئے اور آدھا ٹکڑا ایک بچے کو، آدھا دوسرے کو دیا، وہ کھجور بھی بچوں نے کھالی، تو سیدہ عائشہؓ بڑی حیران ہوئیں، جب نبی ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے بتلایا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! یہ واقعہ پیش آیا، تو پھر نبی ﷺ نے بات سمجھائی کہ ماں کے دل میں بچے کی ایسی محبت ہوتی ہے کہ کھاتا بچہ ہے اور اس کی خوشی اس کی ماں کو ہوا کرتی ہے۔

یہ بالکل وہی معاملہ ہے کہ ہجرت کے سفر میں نبی ﷺ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر آئے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا ہم آپ کی بکریوں کے دودھ نکال سکتے ہیں؟ اس نے کہا کہ بکریاں بوڑھی ہیں، دودھ نہیں دیتیں، انھوں نے کہا کہ اجازت تو دے دیں، اس نے اجازت دی، صدیق اکبرؓ بڑے برتن لے کر بیٹھے، بکری نے دودھ دینا شروع کیا، تو وہ برتن بھر کر اس پر کپڑا ڈال کر اس کو نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، نبی ﷺ نے جب خوب نوش فرمایا تو صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ "فَشَرِبَ حَتّٰی رَضِیتُ" محبوب ﷺ نے جی بھر کر دودھ پیا، حتی کہ میرا دل خوش ہوگیا، اب دودھ تو اللہ کے حبیب ﷺ پی رہے ہیں، اور دل صدیق اکبرؓ کا خوش ہو رہا ہے۔ یہی حالت ماں کی ہوتی ہے کہ بچہ دودھ پیتا ہے اور ماں کا دل خوش ہو جاتا ہے کہ میرے بچے نے ٹھیک طریقہ سے دودھ کو پی لیا۔

ماں بننا ہر عورت کی فطری تمنا

یہ عجیب بات ہے کہ ہر عورت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ماں بننے کی فطری خواہش رکھی ہے، چنانچہ ہمارے ایک دوست انجینئر تھے، بہت کھلا رزق اللہ نے ان کو دیا تھا، بڑی کوٹھی تھی، کاریں تھی، دنیا کی بہاریں تھیں، بہت خوبصورت ان کا گھر تھا لیکن جو عورت ان کی بیوی سے ملنے جاتی تو ان کی بیوی اداس نظر آتی، ہر عورت سوچتی کہ یہ اتنی خوبصورت لڑکی ہے، لکھی پڑھی ہے، اونچے خاندان سے ہے مال و دولت کی کمی نہیں، محبت کرنے والا خاوند بھی موجود ہے، پھر یہ کیوں پریشان ہے، تو جب پوچھتی تو وہ عورت جواب دیتی کہ اللہ نے مجھے ہر نعمت دی، کاریں دیں، بہاریں دیں، روٹی بھی دی، بوٹی بھی دی، بس میرے دل کی ایک تمنا ہے کہ میرا اتنا خوبصورت گھر ہے، اللہ مجھے اولاد کی نعمت عطا کرتا، کوئی میرا بیٹا ہوتا، جو یہاں کھیلتا، میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، چنانچہ دنیا کی تمام نعمتیں موجود ہونے کے باوجود وہ عورت اس لئے اداس تھی کہ اس کی اولاد نہیں تھی: پھر وہ بتاتی کہ میں نماز پڑھتی ہوں تو اولاد کی دعا مانگتی ہوں، تہجد پڑھتی ہوں تو اولاد کی دعا مانگتی ہوں، قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہوں تو اس کے بعد اولاد کی دعا مانگتی ہوں، میں رمضان کے روزے افطار کرتے ہوئے اولاد کی دعا مانگتی ہوں، اگر کسی عالم یا ولی کی محفل میں جانا پڑے تو میں اس محفل میں اولاد کی دعا مانگتی ہوں، میں ایک مرتبہ عمرے پہ گئی، میں نے طواف کر کے اولاد کی دعا مانگی، غلاف کعبہ کو پکڑ کر اولاد کی دعا مانگی، مقامِ ابراہیم پہ دو نفل پڑھ کر دعا مانگی، میری تو ہر وقت اللہ سے ایک ہی فریاد ہے کہ اللہ مجھے اولاد والی نعمت عطا فرما۔

حالانکہ عورت یہ بات جانتی ہے کہ جب مجھے اولاد کی امید لگے گی تو ۹ مہینے میرے بالکل بیماری کی حالت میں گذریں گے، کئی عورتوں کو تو Pregnancy (حمل) کے دوران بلڈ پریشر زیادہ ہونے کا مرض ہوتا ہے۔ اکثر عورتوں کو کھانا اچھا نہیں لگتا، گوشت کی Smell (مہک) اچھی نہیں لگتی، جس کی وجہ سے ان کو ہر وقت اُبکائیاں آتی رہتی ہیں، اب ۹ مہینے اس بیماری کی حالت میں گذارنا کہ جسم ہر وقت تھکا ہوا ہے، کمزوری ہے، بیماری ہے، کھانے پینے

کو جی نہیں چاہتا، مگر وہ عورت اس تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔ پھر وہ یہ بھی جانتی ہے کہ جب بچے کی ولادت کا وقت آئے گا تو وہ اتنا تکلیف دہ عمل ہوتا ہے کہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا ہے لیکن ماں بننے کی تمنا ایسی کہ وہ اس تکلیف کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔

وہ یہ بھی جانتی ہے کہ جب بچے کی ولادت ہوگئی تو پھر کئی سال کے لئے مجھے چوبیں گھنٹے کی انتھک خادمہ بننا پڑے گا، میں پہلے اس کو پلاؤں گی بعد میں خود پیوں گی، پہلے میں اسے کھلاؤں گی بعد میں میں خود کھاؤں گی، میں پہلے اسے سلاؤں گی بعد میں خود سوؤں گی، مجھے ساری ساری رات بچے کی خاطر جاگنا پڑے گا، مگر وہ یہ ساری قربانی دینے کے لئے تیار ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ بچے ہونے کے بعد خاوند سے میل ملاقات کا وہ معاملہ نہ رہے گا جیسے پہلے تھا، مگر وہ اپنی جنسی خواہش کو بھی دبا دیتی ہے اور ماں بننے کی خواہش اس پر غالب آتی ہے، دعا کرواتی ہے، کہیں سے کھجوریں دم کرواتی ہے، دوائیاں لیتی ہے، ہر وقت کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ اللہ مجھے اولاد کی نعمت عطا فرما دے، تو اس سے اندازہ لگائیے کہ عورت کے دل میں فطری طور پر ماں بننے کی تمنا کیسی ہوتی ہے

ماں کی محبت وممتا

اور جب اللہ رب العزت اس کو یہ نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو وہ بچے کو گود میں لے کے بیٹھتی ہے، بچے سے اتنا پیار ہوتا ہے کہ ماں اس کا چہرہ دیکھ کر ساری زندگی کا غم بھول جاتی ہے، اسے کسی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، اس کی توجہ دنیا میں کہیں اور نہیں ہوتی، وہ تو اپنے آپ کو بھی بھول جاتی ہے، بس اسے بچہ یاد ہوتا ہے، اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب شادی ہوئی تھی تو وہ اپنے خاوند کے ساتھ بازار جاتی تھی، وہ اپنے جوتے خریدتی تھی، اپنے کپڑے خریدتی تھی، اپنی ضرورت کا سامان خریدتی تھی، اب اولاد ہونے کے بعد اس کا انداز بالکل بدل گیا، اب اگر کبھی وہ خاوند کے ساتھ جاتی بھی ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوتی ہے کہ میرے بچے کے جوتے ایسے ہوں، میرے بچے کے کپڑے ایسے ہوں، میرے

بچے کا فیڈر ایسا ہو، اب اسے اپنا آپ یاد نہیں ہوتا، اب اس کے سامنے اپنا بچہ ہوتا ہے، بس کی ضرورت کو پورا کر کے وہ خوش ہوتی ہے، چنانچہ جب دیکھو بچے میں مصروف ہے، نہ اسے سونا یاد ہے، نہ اور کوئی کام یاد ہے، اگر بچہ بیمار ہو گیا اور گود میں لے کے بیٹھنا پڑا تو وہ پوری پوری رات بیٹھ کے گذار دیتی ہے، ساری رات جاگتی رہی، بچہ سویا رہا، جب اس کے سونے کا وقت آیا تو بچہ اس وقت اٹھ گیا تو یہ پھر بچے کو گود میں لے کر بیٹھ جاتی ہے، اس کی نیند بھی قربان، کھانا پینا بھی قربان، آرام قربان، اس کی خواہشات قربان، یہ ماں بھی کیا عجیب چیز ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے محبتوں کا ایک نمونہ بنا دیا ہے کہ بچے کے ہنسنے سے وہ ہنس پڑتی ہے اور بچے کے رونے سے رو پڑتی ہے، بچہ اس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ اہم شخصیت بن جاتی ہے، حتی کہ اس کی محبتوں کے پیمانے بھی بدل جاتے ہیں، شادی سے پہلے اسے اپنی بہن سے بڑا پیار تھا، بچہ ہوا تو اگر اس کی بہن بچہ سے پیار نہیں کرتی تو یہ اس کو بھی اچھا نہیں سمجھتی، جو اس کے بچے سے پیار کرے یہ اسے اپنا سمجھتی ہے اور جو بچے سے پیار نہ کرے یہ اسے اپنا غیر سمجھتی ہے۔

چنانچہ ہم نے دیکھا کہ کچن میں کھڑی ہوتی ہے، سالن پکا رہی ہوتی ہے، دوسرے کمرے میں بچہ سویا ہوا ہے، ذرا کھٹکا ہوا سب کچھ چھوڑ چھا کے بھاگی جاتی ہے، پہلے بچے کی ضرورت پوری کرتی ہے بعد میں آ کے پھر کھانا بناتی ہے۔ اسی طرح اگر یہ کسی دن گھر کی صفائیاں کرتی رہی ہو، کپڑے دھوتی رہی ہو، بہت تھکی ہوئی ہو اور چاہتی ہے کہ میں بس عشاء کے بعد سو جاؤں، مگر عشاء کے بعد اس کا بچہ کسی بیماری کی وجہ سے رونا شروع کر دیتا ہے، تو یہ ماں کو سونا بھول گیا، پھر یہ جاگ رہی ہوتی ہے، حالانکہ جسم ٹوٹا ہوا ہے، تھکا ہوا ہے، نیند کی طلب ہے، آنکھیں بوجھل ہو رہی ہیں، مگر ماں بھی تو ہے، اب یہ اپنی نیند کو قربان کرتی ہے اور بچے کو پھر Attend (دیکھ بھال) کرتی ہے، گود میں لے کر بیٹھتی ہے۔ ہم نے تو یہاں تک واقعات سنے کہ پہلے وقتوں میں جب ماں اپنے بچے کو لے کے سوئی ہوتی تھی تو اس وقت تو ڈائی پر تو ہوتے نہیں تھے، اگر بچہ رات کو پیشاب کر دیتا تھا تو ماں بچے کو اٹھا کے خشک جگہ پہ لٹا دیتی تھی اور خود اس گیلی جگہ پہ سو جاتی تھی، ہر چیز قربان کر دیتی ہے، اس کو کوئی تنخواہ

تو نہیں مل رہی لیکن اس کی محبت اس کو مجبور کر رہی ہے، یہ اپنی محبت کی وجہ سے بچے کی باندی بن گئی ہے۔ چنانچہ اس کا بچہ کبھی بیمار ہو جائے تو اس کی حالت دیکھو، نہ اسے کھانا یاد، نہ پینا یاد، آنکھوں میں آنسو ہیں، ڈاکٹروں کے پاس لئے پھر رہی ہے، حکیم سے کہتی ہے کہ اس کو ایسی دوا دیں کہ یہ بالکل ٹھیک ہو جائے اور اگر طبیعت زیادہ خراب ہو جائے تو پھر یہ ماں بچے کو گود میں لے کے بیٹھتی ہے، اللہ سے دعا مانگتی ہے، جس ماں کا بیٹا بیمار ہو جائے، اس کو دعا مانگنا کوئی نہیں سکھاتا، اسے محبت دعا مانگنا سکھا دیتی ہے، ایسے تڑپ کے اللہ سے مانگتی ہے کہ اللہ رب العزت اس ماں کی دعا قبول فرما لیتے ہیں، اس عورت کے دل میں بچے کی محبت کا یہ عالم ہے کہ اگر بچہ اس کے بال نوچتا ہے تو یہ اسے محبت سمجھتی ہے، بچہ اس کے منہ پہ تھپڑ مار دیتا ہے تو ماں اس کے ہاتھوں کو چوم لیتی ہے، آخر کیا وجہ ہے؟ اس ماں کے دل میں بچے کی محبت ہے۔

ہم نے دیکھا کہ اس دنیا میں ہر کوئی اچھوں سے محبت کرتا ہے، بروں سے محبت کرنے والی ماں کی ذات ہے، ماں کی اولاد بری ہو جائے، سب برا برا کہنے لگیں، ایک وقت آتا ہے کہ خاوند بھی برا کہتا ہے اور دھمکیاں دیتا ہے کہ میں بچے کو گھر سے نکال دوں گا، مگر ماں تو ماں ہوتی ہے، رو کر کہتی ہے کہ آخر میں تو ماں ہوں، میرا تو دل تڑپتا ہے، اولاد سنور نہ سکی یہ ان کے مقدر تھے، مگر میں اس بچے کو آنکھوں سے دور تو نہیں کر سکتی، اس ماں کے دل میں اللہ نے اولاد کی کیا محبت رکھی ہے۔ ہم اپنے گھر میں دیکھا کہ اگر کبھی کوئی بچہ شرارت کرے اور ماں اسے سختی سے سمجھا دے اور وہ بچہ روٹھ کے گھر سے باہر نکل جائے تو ماں کا چین اور سکون ختم ہو جاتا ہے، وہی ماں جو تھوڑی دیر پہلے ڈانٹ رہی تھی، اب وضو کرتی ہے، مصلی پہ آکے بیٹھ جاتی ہے، دعا مانگتی ہے کہ اللہ! میرا بیٹا کسی برے بندے کے ہاتھ نہ لگ جائے، اللہ! میرے بچے کی حفاظت کرنا، میرے بچے کو واپس پہنچا دینا، اللہ! میرے بچے کی جان عزت آبرو ہر چیز کی حفاظت کرنا، اب یہ ماں جو آنسو بہا رہی ہے، کوئی اس سے پوچھے کہ تم ہی نے تو ڈانٹا تھا، تو وہ جواب دے گی کہ ڈانٹا تو اس لئے تھا کہ میں ماں ہوں، میں نہیں سمجھاؤں گی تو کون سمجھائے گا؟ مگر میرا دل یہ بھی نہیں چاہتا کہ میرا بچہ میری آنکھوں سے دور ہو جائے،

چنانچہ کھانے کا وقت ہو جاتا ہے، گھر کے سب لوگ پیٹ بھر کے کھانا کھا لیتے ہیں، ماں بہانا کر دیتی ہے کہ میرا جی نہیں چاہ رہا ہے، حالانکہ اس کو بھوک لگی ہوتی ہے، اس کا پیٹ خالی ہوتا ہے، اس کو کھانے کی طلب ہوتی ہے، مگر وہ ماں یہ سوچتی ہے کہ پتہ نہیں میرے بیٹے نے کھایا ہوگا کہ نہیں، تو میں کیسے کھاؤں، وہ ماں بھوکی رہتی ہے، حتیٰ کہ جب رات کا وقت ہو جاتا ہے، خاوند باہر آفس سے گھر آتا ہے، واقعہ سنتا ہے تو وہ بھی بیوی کو ڈانٹتا ہے کہ تیری بلا وجہ کی محبت نے بچے کو بگاڑ دیا، ماں کی حالت دیکھو کہ خاوند کی ڈانٹ بھی برداشت کر رہی ہے، ادھر سے بھی بری بن رہی ہے، مگر محبت کے ہاتھوں مجبور ہے، سب لوگ سو جاتے ہیں، ایک ماں ہوتی ہے جسے نیند نہیں آتی، بستر پہ کروٹیں بدل رہی ہوتی ہے، اگر کوئی پوچھے کہ کیوں نہیں سوتی، وہ جواب دے گی کہ پتہ نہیں میرا بیٹا سویا ہوگا یا نہیں، کیسے نیند آئے؟ وہ بچہ کے انتظار میں ہوتی ہے، حتیٰ کہ اگر ہوا کہ وجہ سے دروازہ بند ہو تو ماں فوراً کان لگاتی ہے کہ کہیں میرا بیٹا آ تو نہیں گیا؟ سوچئے تو سہی! اس ماں کے دل میں اللہ نے اولاد کی کتنی محبت رکھی ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اگر یہ بچہ کسی وقت واپس آئے اور دروازہ کھٹکھٹائے تو ماں دروازہ کھولنے میں دیر نہیں لگاتی کہ میرے بچے کو انتظار نہ کرنا پڑ جائے، بچہ گھر میں داخل ہوتا ہے، سیدھا کمرے میں چلا جاتا ہے، ماں اپنی بیٹی کو جگاتی ہے کہ بیٹی! اٹھو بھائی کو کھانا دو، بیٹی کہتی ہے امی! میری نیند ڈسٹرب ہو رہی ہے، وہ صبح کھا لے گا، ماں کہتی ہے بیٹی! اسے بھوک لگی ہوگی، بیٹی کھانا بناتی ہے، بھائی کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے، وہ غصہ کی وجہ سے دروازہ بند کر کے بیٹھا ہے، ماں کہتی ہے اچھا بیٹی! صبح ذرا جلدی اس کو ناشتہ دے دینا، بیٹی پوچھتی ہے امی! آخر کیوں آپ سے یہ چیز برداشت نہیں ہو رہی ہے، وہ کہے گی میرا تو بیٹا ہے، بگڑ گیا تو میں کیا کروں، میرا دل تڑپ رہا ہے، اس کی بھوک مجھ سے نہیں دیکھی جاتی، وہ مجھ سے دور ہے، مجھ سے دوری برداشت نہیں ہوتی، بیٹی پوچھتی ہے امی! چاہتی کیا ہیں؟ ماں جواب دیتی ہے بیٹی! میرا دل چاہتا ہے کہ تیرا بھائی میرے پاس آئے، مجھے آ کر Sorry (معافی مانگنا) کہہ دے کہ امی! مجھ سے غلطی ہوئی، میں اسے معاف کر دوں گی، اب اس ماں کی حالت دیکھئے، جو بیٹے کو معاف کرنے پر تلی ہوئی ہے، اگر اس کا بیٹا اس کے پاس آ جائے اور اس سے کہے کہ

امی! مجھے معاف کر دو، وہ تو پہلے ہی انتظار میں تھی، وہ اسی وقت مسکراتی ہے، بچے کا ماتھا چومتی ہے، بچے کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہے کہ میرے بیٹے! میں نے تمہیں معاف کر دیا اور اگر فرض کریں کہ ماں کو غصہ زیادہ ہے اور وہ فقط سوری کہنے سے خوش نہیں ہوتی تو اگر وہ بچہ آ کر اس ماں کے قریب بیٹھ جائے، اس کے پاؤں پکڑ کے کہے کہ امی! مجھ سے غلطی ہوئی، معاف کر دے، تو ماں کا غصہ ختم ہو جاتا ہے، اسی وقت کہتی ہے کہ بیٹے! میرے پاؤں مت پکڑو، میں نے تمہیں معاف کر دیا، اگر بالفرض اس کا غصہ اس سے بھی زیادہ تھا اور معافی مانگتے ہوئے بچے کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں تو ماں بیٹے کے آنسو برداشت نہیں کر سکتی، اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھتی ہے، بچے کو سینے سے لگا کے کہتی ہے کہ بیٹے! روؤ نہیں، میں نے تجھے معاف کر دیا، یہ ماں کی ماتا ہے۔

رحمتِ الٰہی کی وسعت

اللہ رب العزت نے اپنی محبت کا نمونہ دکھانے کے لئے دنیا میں ماں کو پیدا کیا کہ لوگو! ماں اپنے بچے پہ کیسے قربان ہوتی ہے، بچوں سے کتنی محبت کرتی ہے، بچوں کی غلطیوں کو کتنا جلدی معاف کر دیتی ہے، بچوں کے عیبوں پر کیسے پردے ڈالتی ہے، اے میرے بندو! تم میری محبت اور میری رحمت کا اندازہ لگانا چاہو تو میں نے ساری مخلوق کے اندر رحمتوں کے سو حصے میں سے ایک حصہ تقسیم کیا، رحمت کا ننانوے حصہ میرے پاس ہے، اندازہ لگاؤ مجھے اپنے بندے سے کتنی محبت ہے، اگر میرا بندہ، جو دنیا میں خطا کار تھا، گنہگار تھا، جو مجھ سے پیٹھ پھیر کے زندگی گذارتا پھرا، مجھے اس کا اسی طرح انتظار رہتا ہے جس طرح بچھڑے بچے کا انتظار اس کی ماں کو ہوتا ہے، ہمارے علماء نے لکھا کہ ماں بچھڑے بیٹے کا اتنا انتظار نہیں کرتی جتنا اللہ اپنے بگڑے ہوئے بندے کا انتظار کرتے ہیں، اسی لئے تو قرآن مجید میں فرمایا: "يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ" اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا، جیسے ماں بچے کو سمجھا رہی ہوتی ہے بیٹا! ماں سے روٹھا نہیں کرتے، ماں سے دور نہیں ہوا کرتے، لگتا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت بندوں کو اسی طرح سمجھا رہے ہیں کہ اے بندو! اپنے پروردگار سے روٹھا نہیں کرتے، اس سے

دور نہیں جایا کرتے، آؤ پروردگار کا در کھلا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ جو رب کریم کے دروازے سے پیٹھ پھیر کے جاتا، آداب شاہانہ کا تقاضا یہ تھا کہ اس بندے کی پشت میں ایک لات لگوا دی جاتی اور اس کے لئے دروازے کو بند کر دیا جاتا کہ او بد بخت! میرے دروازے سے پیٹھ پھیر کے جا رہا ہے، اب یہ دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا، مگر اللہ رب العزت ایسا نہیں کرتے، دروازہ کھلا رکھتے ہیں، چاہتے ہیں کہ بندہ میرے در پر آئے، بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ ایک نوجوان جس نے ساری زندگی شیطانی شہوانی نفسانی کاموں میں گذار دی، حتی کہ بڑھاپا آگیا، نوکری نہ رہی، کوئی کمانے کا ذریعہ نہ رہا، اولاد تھی نہیں، بیوی بھی فوت ہوگئی، اب وہ اکیلا کسی رشتہ دار کے گھر میں پڑا رہتا ہے، تو وہ بندہ جس کے پاس نہ مال ہے، نہ جمال ہے، نہ دنیا کی کوئی اور چیز ہے، ہر وقت کھانستا رہتا ہے، اس کو رشتہ دار بھی کہتا ہے کہ اے بوڑھے! تمہارے کھانسنے کی وجہ سے میرے بچے پریشان ہوتے ہیں، یہاں سے چلے جاؤ، اس نے بھی دھکہ دے دیا، اس وقت وہ بوڑھا اس گھر سے نکلتا ہے، ہاتھ میں لاٹھی پکڑی ہوئی ہے، کمر ٹیڑھی ہوگئی، اب وہ ہانپتا کانپتا ہوا چلتا ہوا سوچتا ہے کہ کہاں میں جاؤں، کوئی در نہیں، کوئی گھر نہیں، محبت کرنے والی بیوی نہیں، اولاد نہیں، میں اکیلا ہوں، بے سہارا ہوں، اس وقت اسے خدا کا در یاد آتا ہے کہ چلو میں اللہ کے گھر جاتا ہوں، اب یہ بندہ جب مسجد میں آتا ہے، اللہ رب العزت اسے طعنہ نہیں دیتے کہ جب جوانی تھی تجھے مسجد اس وقت کیوں نہ یاد آئی، جب مال تھا تو تجھے مسجد کیوں نہ یاد آئی، جب حسن و جمال تھا تب کیوں مسجد یاد نہ آئی، اب تیرے پاس ہے کیا؟ جسم پہ بوٹی نہیں، پیٹ میں آنت نہیں، اب تجھے میرے پاس آنے وقت آیا؟ اللہ تعالیٰ اس بوڑھے کو بھی کوئی طعنہ نہیں دیتے، جب وہ اس بڑھاپے میں اللہ رب العزت کے گھر کی طرف آتا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے تو نے زندگی میں احساس تو کر لیا کہ کوئی تیرا پروردگا ہے، کوئی تو تیرا ہے جسے تو اپنا کہہ سکتا ہے، اے میرے بندے! آ، تو ایک بالشت آئے گا، میری رحمت تیری طرف دو بالشت چلے گی" وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ هَرْوَلَةً" تو چل کے آئے گا میری رحمت تیری طرف دوڑ کے جائے گی، اس اللہ کی رحمتوں پہ قربان جائیں جو اپنے بندے کا اس حد تک انتظار فرماتے ہیں۔

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی رحمت ایک ہزار حصے کئے، ایک حصہ اس نے دنیا میں اتارا، اس حصے کی وجہ سے تم آپس میں محبتیں دیکھتے ہو، رحمت کے نو سو ننانوے حصے قیامت کے دن ایمان والوں کے لئے ظاہر ہوں گے، اب اگر ماں کو کہا جائے کہ تیرے بچے کو تکلیف دیتے ہیں تو ماں کبھی گوارہ نہیں کرسکتی۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کو اطلاع ملی کہ علقمہ ؓ نوجوان صحابی ہیں، روح قبض نہیں ہو رہی ہے، نبی ﷺ بلال اور صہیب ؓ کو ساتھ لے کر ان کے پاس آئے، پتہ چلا کسی کی وجہ سے ماں ناراض ہے، نبی ﷺ نے اس کی والدہ کو کہا کہ آپ بچے سے راضی ہو جائیں، وہ کہنے لگی کہ میں ہرگز نہیں ہونگی، میرا دل بہت خفا ہے، جب ماں نے انکار کر دیا تو نبی ﷺ نے اپنے صحابہ سے کہا کہ جاؤ، لکڑیاں کاٹ کے لاؤ، چنانچہ وہ گئے لکڑیاں لے کر آئے، جب ڈھیر لگ گیا تو نبی ﷺ نے کہا: اچھا اس کو ہم آگ لگائیں گے، جب خوب آگ جلے گی تو ہم علقمہ کو اس کے اندر ڈال دیں گے، بوڑھی عورت کو پتہ چلا تو پوچھنے لگی کہ میرے بیٹے کو آگ میں کیوں ڈالیں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اسے معاف نہیں کروگی تو اسے جہنم کی آگ میں جا کر جلنا ہی ہے، ہم اسے یہیں آگ میں ڈالتے ہیں، جب ماں نے دیکھا کہ معاملہ Serious (سنجیدہ) ہے، تو کہتی ہے کہ میرے بچے کو آگ میں نہ ڈالیں، میں نے اپنے بچے کو معاف کر دیا، تو جیسے ماں بچے کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتی، اللہ رب العزت کا بھی معاملہ اسی طرح ہے۔

پریشانیاں اصلاح کے لئے آتی ہیں

اگر کسی کے دل میں یہ سوال آئے کہ پھر تکلیفیں کیوں آتی ہیں؟ پریشانیاں کیوں آتی ہیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندے کے گناہوں کو دھوتے ہیں، معاف کرتے ہیں، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ خاوند ایک کمرے میں بیٹھا ہے، اسے دوسرے کمرے سے بچے کے رونے کی آواز آتی ہے، وہ پوچھتا ہے کہ بچے کے پاس کوئی ہے؟ جواب ملتا ہے کہ اس کی ماں موجود ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ کیسی ماں ہے جو پاس بھی ہے پھر بھی بچہ رو رہا ہے؟ اسے بتایا گیا کہ ماں ہی تو رلا رہی ہے، وہ حیران ہوگا کہ ماں کیوں رلا رہی ہے،

جواب ملے گا کہ بچے نے نجاست کردی تھی، نجاست میں لتھڑ گیا تھا، ماں اسے صاف کررہی ہے، نئے کپڑے پہنارہی ہے اور بچہ اس نہانے کی وجہ سے رورہا ہے، تو یہ بچے کا رونا ماں کی سختی کی وجہ سے، ناراضگی کی وجہ سے یا ماں کی دشمنی کی وجہ سے نہیں، بلکہ ماں کی محبت کی وجہ سے ہے، ماں برداشت نہیں کرتی کہ اس کے بچے سے بو آئے، اس کے بچے کے کپڑے میلے ہوں، وقتی رونے کو وہ برداشت کرتی ہے، اور بچے کو نہلا کے صاف کپڑے پہناتی ہے، پھر اس کو سینے سے لگالیتی ہے۔ بالکل یہی معاملہ انسان کا ہے، دنیا میں رہتے ہوئے ایسے گناہ کرلیتا ہے کہ اس کا باطن نجس ہوجاتا ہے، دل سیاہ ہوجاتا ہے، گناہوں کی نجاست اس کو باطنی طور پرناپاک کردیتی ہے، اللہ رب العزت اس بندے کی نجاست کو پسند نہیں فرماتے، وہ خود بھی پاک ہیں انھیں پاک بندہ اچھا لگتا ہے، لہٰذا کوئی بیماری، کوئی مصیبت، کوئی پریشانی بندے پر بھیج دیتے ہیں، ان کا اصل مقصد بندے کی میل کچیل کو اتارنا ہوتا ہے، بندے کو پاک صاف کرنا ہوتا ہے، پھر اللہ رب العزت اس بندے کو اس طرح بیماری سے پاک کر دیتے ہیں جیسے اس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا، قربان جائیں اللہ کی رحمت پر کہ یہ بیماریاں بھی رحمت کی شکل میں آجاتی ہیں، بندے کو دھونے کے لئے، آخرت کے عذاب سے بچانے کے لئے آتی ہیں، ''إِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَحِيمٌ'' اللہ رب العزت اپنے بندوں پر بڑے رحیم ہیں، لہٰذا اگر کوئی بندہ زندگی بھر گناہوں میں پڑارہا اور پھر اسے احساس ہوا کہ میں نے خطا کی، مجھے چاہئے کہ میں اپنے رب کو مناؤں، تو موت سے پہلے پہلے اللہ کا دروازہ کھلا ہے بندے کو چاہئے کہ وہ آئے اور اپنے رب کو منالے تاکہ اللہ رب العزت اس کے گناہوں کو معاف کردیں، حتی کہ اللہ اتنے خوش ہوتے ہیں ''أُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ '' کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے گناہوں کو اس کی نیکیوں میں تبدیل فرمادیتے ہیں۔

چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک گلی میں سے گذر رہا تھا، ایک دروازے کے قریب جب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دروازہ کھلا، ایک ماں اپنے آٹھ نو سال کے بچے پر خفا ہورہی تھی، ناراض ہورہی تھی، کہہ رہی تھی کہ تو ڈھیٹ

بن گیا، ضدی بن گیا، میری کوئی بات نہیں مانتا، کام چور بن گیا، کوئی کام نہیں کرتا، اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کو میری بات نہیں ماننی ہے تو دور ہو جاؤ، میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی، غصہ میں ماں نے جب بچے کو دھکا دیا تو وہ بچہ گھر کے دروازے سے باہر آ گرا، ماں نے دروازہ بند کرلیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں اس بچے کو دیکھنے کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر وہ بچہ روتا رہا، پھر بالآخر وہ بچہ اٹھا، آہستہ آہستہ قدموں کے ساتھ اس نے گلی کے ایک کونے پہ جانا شروع کیا، حتی کہ جب کونے پر پہنچا تو وہاں جا کر کھڑا ہو گیا، جیسے کچھ سوچ رہا ہو، پھر آہستہ قدموں سے واپس آیا، اپنے گھر کی دلیز پر آ کر بیٹھ گیا، تھکا ہوا تھا سو گیا، تھوڑی دیر کے بعد اس کی ماں نے کسی کام کے لئے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ بچہ دروازہ پر ہی لیٹا ہوا ہے، ماں کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا، پھر وہ کہنے لگی کہ جاتا کیوں نہیں، اگر تو نے میری بات نہیں ماننی تو یہاں سے چلا جا، میں تجھے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی، جب ماں نے اسے پھر ڈانٹا، بچے کی آنکھ کھلی، وہ کھڑا ہوا، آنکھوں سے پھر آنسو آ گئے، کہنے لگا: امی! جب آپ نے مجھے دھکا دیا تھا تو میں نے سوچ لیا تھا کہ میں یہاں سے چلا جاتا ہوں، میں نے سوچا تھا کہ میں کسی کا نوکر بن جاؤں گا، مجھے کھانا بھی مل جائے گا، مجھے رہنے کی جگہ بھی مل جائے گی اور یہ سوچ کر میں گلی کے موڑ تک پہنچ گیا تھا، لیکن وہاں جا کر مجھے یہ خیال آیا کہ مجھے روٹی بھی ملے گی، کھانا بھی ملے گا، ٹھکانا بھی ملے گا، لیکن امی! جو محبت مجھے آپ دیتی ہیں وہ محبت مجھے پوری دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی، یہ سوچ کر میں واپس آ گیا، امی! آپ ناراض ہیں تو بھی میں آپ کا بیٹا، معاف کر دیں تو بھی آپ کا بیٹا، جب بچے نے یہ بات کہی تو ماں کی مامتا جوش میں آئی، اس نے بچے کو سینے سے لگایا، اور کہا میرے بیٹے! اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ جو محبت میں تجھے دے سکتی ہوں وہ محبت تجھے دنیا میں کوئی اور نہیں دے سکتا تو میرا دروازہ کھلا ہے، آجا گھر میں زندگی گذار لے۔ ابن قیمؒ یہ واقعہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب اللہ رب العزت کا گنہگار بندہ اپنے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہو کر اللہ کے دروازے پہ حاضر ہوتا ہے اور آ کر کہتا ہے:

اِلٰهِی! عَبْدُکَ الْعَاصِی اَتَاکَا   مُقِرًّا بِالذُّنُوبِ وَقَدْ دَعَاکَا

اللہ آپ کا گنہگار بندہ آپ کے دروازے پر حاضر ہے، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے اور آپ

کی خدمت میں یہ گذارش کرتا ہے:

فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاکَ اَہْلٌ　　　وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَرْحَمْ سِوَاکَا

کہ اللہ! اگر آپ معاف کر دیں تو آپ کو یہ بات سجتی ہے، اور اللہ! اگر آپ مجھے دھکا دے دیں تو پھر میرے لئے کون ہے جو مجھ پر رحم کرنے والا ہو۔

عجیب بات ہے دنیا کی روٹی کا سوال کرنے والا کسی دروازے سے خالی چلا جائے تو اس کو کوئی حسرت نہیں، کوئی افسوس نہیں، دوسرے دروازہ پہ چلا جائے گا، نہ ملی تو تیسرے دروازے پہ چلا جائے گا، مگر معاملہ تو انسان کا ہے، اگر وہ اللہ رب العزت کے دروازہ پر آیا اور یہ دروازہ نہ کھلا تو اب اس کے لئے دوسرا کوئی دروازہ نہیں، جو اللہ کے دروازے سے خالی جاتا ہے وہی بدبخت ہوتا ہے، وہی شقی ہوتا ہے، ہم اللہ رب العزت کی رحمت کو سوچیں اور اپنے گناہوں پر نظر ڈال کر آج کی اس مجلس میں یہ فیصلہ کریں کہ اے کریم! آج تک ہم اپنی زندگی غفلت میں گذارتے رہے، نمازوں میں سستی ہوتی رہی، پردے میں کوتاہی ہوتی رہی، زبان سے دوسروں کی غیبت ہوتی رہی، بہتان بازی ہوتی رہی، اے اللہ! آج ہمیں اپنے گناہوں کا احساس ہوا، ہم آج کے بعد ایک نیک عورت بن کر زندگی گذاریں گی، اے اللہ! ہم کوئی گناہ نہیں کریں گی، اے کریم! ہمارے گناہ معاف کر دیجئے، ہم نے تو دنیا میں دیکھا ہے کہ اگر کسی گھر کی عورتیں چل کے کسی کے دروازے پہ آجائیں تو لوگ قتل کا مقدمہ بھی معاف کر دیتے ہیں کہ عورت چل کے آگئی ہے، اگر دنیا دار انسان عورت کے آنے کا اتنا لحاظ کرتا ہے تو ذرا عورتیں سوچیں کہ آج وہ اپنے گھروں سے چل کے اللہ کے اس گھر میں آکر بیٹھ گئی ہیں کہ اے مولیٰ! ہم آپ کو منانا چاہتی ہیں، اللہ! ہم اپنے دل کا غم کس کو سنائیں، آپ تو سینوں کے بھید جاننے والے ہیں، اللہ! ہمارے حال پر ترس کھا لیجئے، ہم پر رحم فرما دیجئے، اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے، جب اس طرح ہم سچی توبہ کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے، آئندہ ہمیں نیکوکاری اور پرہیزگاری کی زندگی نصیب فرمائیں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

آئندہ صفحہ سے آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، یہ خطاب ۱۳/اپریل ۲۰۱۱ء بروز بدھ، بعد نمازِ عشاء، مولانا سید محمود مدنی کے مکان منعقد ہونے والی، اس مخصوص نشست میں ہوا تھا، جس میں مولانا موصوف کی دعوت پر دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف کے اربابِ اہتمام، اساتذہ اور عمائدینِ شہر و مضافات جمع ہوئے تھے۔

اللہ کا ہر دم استحضار

گناہوں سے روکنے میں استحضار خداوندی کی تاثیر

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے اور اپنی خامیوں کو چھپاتا ہے، اس لئے کہ خوبیوں کو ظاہر کرنے سے اسے تعریف ملتی ہے، جسے وہ پسند کرتا ہے، اور خامیوں کے ظاہر ہونے سے اسے ذلت ہوتی ہے، جسے وہ ناپسند کرتا ہے، اسی لئے جب اس کو کوئی الٹا کام کرنا ہو، غلط کام کرنا ہو، تو وہ سب کے سامنے نہیں کرتا، الگ کرتا ہے، چھپ کے کرتا ہے۔ دنیا کے سائنسی دور میں آج کل انسانی فطرت کو Study (مطالعہ) کیا گیا اور اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا کہ انسان کے اندر یہ ایک اصول ہے کہ یہ اچھی صفات کو ظاہر کرے گا، عیبوں کو چھپائے گا اور اگر اسے پتہ ہو کہ کوئی مجھے دیکھنے والا ہے تو یہ غلطی کرنے سے بچے گا، گھبرائے گا۔ چنانچہ انھوں نے لوگوں کو قانون کا پابند بنانے کے لئے ویڈیو کیمرے ایجاد کئے مثال کے طور پر ایک نوجوان نئی گاڑی لے کے سڑک کے اوپر سفر کر رہا ہے، اس کا جی چاہتا ہے کہ میں تیز چلاؤں، مگر Speed (رفتار) کی ایک Limit (حد) ہے، ہر وقت تو ہر جگہ پولیس والا نہیں ہوتا تو لوگ ٹرافک قانون کو توڑتے تھے، تو حکومتوں نے ویڈیو کیمرے لگادئے کہ اگر کوئی بندہ قانون کی خلاف ورزی کرے تو اس کی تصویر بن جائے اور وہ پکڑا جائے، چنانچہ جب ٹکٹ ملنی شروع ہوئی تو لوگوں نے قانون کی پابندی کرنی شروع کردی، کیمرے ہر جگہ تو نہیں ہوتے، اب جو روز کے سفر کرنے والے تھے وہ کیمرے کی جگہ گاڑی Slow (دھیرے) کرتے تھے اور آگے پیچھے پھر تیز چلتے تھے، تو انھوں نے راڈار

کے ذریعہ چیک کرنا شروع کیا چنانچہ آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ سفر کریں تو جگہ جگہ لکھا ہوا نظر آئے گا کہ اس جگہ راڈار کے ذریعہ رفتار کو ناپا جاتا ہے، اب جب یہ ذہن میں خیال رہا کہ مجھے پورا راستہ دیکھا جا رہا ہے تو لوگ قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے Departmental store (ایک چھت کے نیچے پورا بازار) ہوتے ہیں کہ ایک محلہ ہی اس میں سما جائے اور اس میں کروڑوں ڈالر کی چیزیں Open (کھلی) پڑی ہوتی ہیں، کوئی بندہ اٹھا کے جیب میں نہیں ڈالتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک کو پتہ ہے کہ ایک سیکوریٹی کیمرے کا انتظام ہے، لوگ بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اگر میں کوئی چیز اٹھا کے جیب میں ڈالوں گا تو مجھے گیٹ سے نکلنے سے پہلے پکڑ لیا جائے گا، اب ذلت اور سزا کے خوف کی وجہ سے کوئی چوری نہیں کرتا، اس کام کو کرکے جو حکومتیں تھیں، انھوں نے کہا کہ ہم نے بڑا تیر مارا کہ ہم نے لوگوں کو قانون کا پابند بنا دیا، ہماری قوم اتنی قانون کی پابند بن گئی، مگر ایک مرتبہ تین منٹ کے لئے بجلی چلی گئی تو ان تین منٹوں میں لاکھوں ڈالر کی چوری ہوگئی، کیونکہ ہر بندے کو پتہ تھا کہ اب کیمرہ نہیں دیکھ رہا ہے، تو معلوم ہوا کہ کیمرے کے ذریعہ انسان کو قانون کا پابند بنا کے چوری سے یا کسی اور غلط بات سے منع کر لینا یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔

اگر ہم دیکھیں تو دین اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک پیغام دیا، نبی ﷺ دنیا میں تشریف لائے، آپ نے بتلایا کہ لوگو! تمہارا خدا ہے جو زندہ ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے، اگر رات کی تاریکی ہو اور کالی چٹان ہو، اس کے اوپر کوئی چیونٹی چل رہی ہو تو وہ پروردگار اس کو بھی دیکھتا ہے، تم جلوت میں ہو یا خلوت میں، تمہارا رب تمہارے ساتھ ہے، جو ہر وقت تمہیں دیکھتا ہے، یہاں تک کہا گیا کہ "يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ" کہ یہی نہیں کہ وہ صرف تمہاری حرکات وسکنات کو دیکھتا ہے، نہیں، بلکہ تمہارے دل میں جو خیالات وجذبات اٹھتے ہیں اللہ ان جذبات کو بھی دیکھتا ہے ۔

چوریاں آنکھوں کی اور سینوں کے راز
جانتا ہے سب کو تو اے بے نیاز

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں یقین کی کیفیت کا ایک نمونہ

اب یہ جب تصور دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا یقین اتنا پکا ہو گیا کہ کیا جوان، کیا بوڑھے، کیا مرد اور کیا عورت، سب کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ہمیں ہر حال میں حکمِ خدا کے مطابق زندگی گذارنی ہے۔ چنانچہ حارث رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ''کَیفَ أصبَحتَ یَاحارِثُ'' حارث! تم نے کیسے صبح کی؟ انھوں نے کہا: ''أصبَحتُ مُؤمِناحقًا'' پکا مومن ہونے کی حالت میں میں نے صبح کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک علامت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا علامت ہے؟ انھوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میری تو یہ حالت ہے کہ محسوس ہوتا ہے جیسے میں عرش کے سامنے ہوں اور کچھ لوگ ہیں جو جنت جاتے ہیں اور کچھ لوگ ہیں جو جہنم میں جاتے ہیں، فرمایا: حارث! تم نے حقیقتِ ایمان کو پہچان لیا کہ بندے کی ہر وقت یہ کیفیت ہو کہ وہ اللہ رب العزت کے سامنے ہے، اس کو حدیث مبارک کی زبان میں مقامِ احسان کہتے ہیں، ''أنْ تَعبُدَاللّٰہَ کَأنَّکَ تَراہُ'' کہ اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے کہ وہ تجھے دیکھتا ہے۔

ایک چرواہے کے دل میں اللہ جل جلالہ کا استحضار

آپ ذرا غور کیجیے کہ ایک نوجوان لڑکا نوجوانی کے اندر بکریاں چراتا ہے، عمومی طور پر جو بکریاں چرانے والے ہوتے ہیں وہ بہت لکھے پڑھے Sophisticated (مہذب) نہیں ہوتے، غیر تعلیم یافتہ غریب طبقے کے لوگ ہوتے ہیں، وہ نوجوان بچہ ریوڑ لے کر جا رہا ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بلا کر کہتے ہیں کہ بھائی! ایک بکری ہمیں بیچ دو، گوشت بھونیں گے، آپ کو بھی کھلائیں گے، ہم بھی کھائیں گے، اس نے کہا: جناب! یہ بکریاں میری نہیں ہیں، یہ تو مالک کی ہیں، انھوں نے آزمانے کے لئے کہہ دیا کہ تم بکری بیچ دو، مالک کو کہہ دینا کہ بھیڑیا کھا گئی، اتنا کہنا تھا کہ وہ نوجوان اس ویرانے کے اندر عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھ کر کہتا ہے: ''فَأینَ اللّٰہ'' کہ اگر میں یہ الفاظ کہوں گا تو پھر اللہ کہاں ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ ہر نوجوان، مرد، عورت، بچے بوڑھے کے دل میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ ہمارے ہر عمل کو ہمارا

پروردگار دیکھتا ہے، اسی لئے عبداللہ بن عمرؓ اس واقعہ کو بہت مزے لے کے سنایا کرتے تھے کہ دیکھو ایمان نے کیا دلوں کو بدل کے رکھ دیا کہ ویرانے کے اندر جہاں بہانے بنانا بڑا آسان تھا، مگر وہ نوجوان کہتا ہے کہ مالک تو مطمئن ہو جائے گا، مگر ''فَأَیْنَ اللّٰہ'' اللہ کہاں ہے۔

ایک نوجوان لڑکی کے دل میں خوفِ خدا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گلیوں میں Round (گشت) کر رہے تھے ،ایک گھر میں دو عورتوں کا مکالمہ ہو رہا تھا، بکری نے دودھ دے دیا؟ جی دے دیا، کتنا دیا؟ تھوڑا دیا، تو پھر مانگنے والے تو پورا مانگیں گے، کچھ پانی ملا دو، کہا کہ میں تو نہیں ملاؤں گی، امیر المؤمنین نے منع کیا ہے، تو وہ بڑھیا کہتی ہے کہ کونسا امیر المؤمنین دیکھتا ہے، تو وہ لڑکی جواب دیتی ہے کہ امیر المؤمنین اگر نہیں دیکھتے تو امیر المؤمنین کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے، عمرؓ یہ سن کر چلے گئے، اگلے دن پتہ کروایا تو وہ ایک کنواری بچی تھی، آپ نے اپنے بیٹے کے لئے اس کا رشتہ پسند فرمایا اور اس کا نکاح کر دیا۔ تو ان باتوں سے معلوم ہوا کہ ہر نوجوان بچی کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی ، ہر نوجوان بچے کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی ، یہ ایک اتنی انمول نعمت ہے کہ انسان کی زندگی سے گناہوں کو نکال کے رکھ دیتا ہے، نہ وہ لوگوں کے سامنے گناہ کرتا ہے، نہ وہ تنہائی میں گناہ کرتا ہے، گناہ کرنے کے لئے ماحول موافق ہوتا ہے، حالات سازگار ہوتے ہیں، مگر گناہ نہیں کرتا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو کھلی دعوتِ گناہ

اس لئے تو ایک صحابیؓ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے ،ایمان سے پہلے کسی عورت کے ساتھ تعلقات ہو گئے تھے، ایمان لے آئے ،ایک مرتبہ مکہ مکرمہ جانا ہوا، عشاء کا وقت ہے، اس عورت نے دیکھا تو کہنے لگی کہ اتنے عرصے کے بعد ملاقات ہوئی تم کہاں تھے، آج گھر پہ خاوند نہیں، تم میرے پاس آنا، انھوں نے کہا میں نہیں آؤں گا، اس نے کہا کہ میں وہی ہوں جس کے پاس تم گلیوں میں روتے پھرتے تھے، اور اس وقت میں تمہیں ناکرتی تھی، آج میں

بلاتی ہوں تو تم نا کر رہے ہو، اس پر انھوں نے جواب دیا کہ اب میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے، میرے دل میں ایمان کی نعمت اب پیوست ہو چکی ہے، تو دیکھئے دعوتِ گناہ مل رہی ہے، اندھیرا ہے، مکہ کے لوگوں کو پتہ نہیں ہے کہ کون آیا ہے اور کون نہیں آیا، مگر اللہ کی شان دیکھئے کہ وہ گناہ سے بچ رہے ہیں۔

حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کا خوف خدا

اس طرح کے بہت سے واقعات ہمارے اکابر نے کتابوں میں نقل فرمائے ہیں، ابوسلیمان دارانی ؒ کے بارے میں واقعہ ہے کہ تین دوست تھے، جو حج پر جارہے تھے، ایک جگہ پہنچ کر انھوں نے محسوس کیا کہ ہمارے پاس جو کھانے پینے کا سامان تھا وہ کم ہے اور آگے کافی سفر کے بعد پھر جا کے کوئی سامان ملنے کی امید ہے، تو بہتر ہے کہ ہم کہیں سے سامان لے کے چلیں، تو دو دوستوں نے کہا کہ آپ خیمے میں رہو ہم سامان لاتے ہیں، وہ بیٹھ گئے، جب خیمے میں بیٹھے تو اتنے میں ایک عورت آگئی، جو بکریاں چرانے والی تھی، اس نے آکے کوئی بات کہی، یہ سمجھے کہ شاید یہ روٹی چاہ رہی ہو، اس وقت عورت نے وضاحت کی کہ مجھے روٹی کی طلب نہیں، جو عورت مرد سے چاہتی ہے وہ تم سے میں چاہتی ہوں، ان کے دل میں فوراً خیال آیا کہ افوہ! شیطان نے مجھے اکیلا دیکھ کر مجھے میرے اللہ سے جدا کرنے کے لئے اپنا نمائندہ بھیج دیا، اس بات کو سوچ کر اتنا دل پہ غم طاری ہوا کہ آنکھوں میں آنسو طاری ہو گئے اور ان کو روتا دیکھ کر اس عورت پر حیا غالب آئی، وہ بھی نکل گئی، یہ روتے روتے سو گئے، یہ کہتے ہیں کہ ان کو خواب میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی، سیدنا یوسفؑ سے یہ خواب میں گفتگو کرنے لگے کہ اے اللہ کے نبی علیہ السلام! آپ نے اتنا کمال دکھایا کہ زلیخا کی دعوت کو ٹھکرا دیا، یوسفؑ نے فرمایا کہ میں تو گناہ سے اس لئے بچا کہ میں اللہ کا نبی تھا، میرے ساتھ اللہ کی مدد تھی، یہ اتنی حیرانی کی بات نہیں ہے، حیرانی کی بات یہ ہے کہ تم نے ولی ہو کر وہ کام کر دکھایا جو کام وقت کا نبی کیا کرتا تھا۔ ان اکابر کے دلوں میں یہ یقین بیٹھ چکا تھا کہ ہم جو کر رہے ہیں ہمارا اللہ اس کو دیکھتا ہے۔

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کی مثالی توبہ

ذرا غور کیجئے ایک عورت سے گناہ ہوتا ہے، قبیلہ غامدیہ کی عورت تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے، کہتی ہے: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں گناہ کر بیٹھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو واپس بھیج دیتے ہیں، وہ پھر لوٹ کے آتی ہے اور کہتی ہے: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر بھیج دیتے ہیں، وہ پھر لوٹ کے آتی ہے اور کہتی ہے کہ آپ مجھے کیا بار بار لوٹائیں گے، میں حاملہ ہو چکی ہوں، کوئی شک والی بات نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اچھا جاؤ، جب وضعِ حمل ہو جائے گا تب آنا۔ اب ذرا غور کیجئے کہ ایک لمحہ کے لئے اس کو ندامت ہوئی بھی تھی تو نفس وشیطان کو بہکانے کے لئے کتنا وقت تھا کہ نفس بہکا دیتا، شیطان بہکا دیتا کہ کیوں اقرار کرتی ہو، مگر نہیں، وہ پھر آئی، اب ۹ مہینے اس کے پاس ہیں، ۹ مہینے میں اس کا ذہن نہیں بدلا، ۹ مہینے وہ دن رات سوچتی ہوگی کہ میرے ساتھ ہونا کیا ہے، اس کو اچھی طرح پتہ تھا کہ اس کا انجام کیا ہے، مگر ایسا لگتا ہے کہ اس کی طبیعت میں ایک بیقراری تھی، اس کے پاس ایک اضطراب تھا، جو اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا، کہتی تھی کہ مجھے پاک کیا جائے، میں اس ناپاکی میں اپنے رب کے سامنے جانا نہیں چاہتی، حتی کہ وہ اپنے بچے کو کپڑے میں لپیٹے ہوئے لے کے آتی ہے، اور کہتی ہے: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بچے کی ولادت ہوگئی، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جاؤ اسے دودھ پلاؤ، اب پھر ''حولین کاملین'' دو سال عموماً بچے دودھ پیتے ہیں، تو ایک سال حمل کا اور دو سال دودھ کے، تو کم و بیش تین سال کے قریب کا عرصہ ہے، یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے، اس کو پتہ ہے کہ میرے ساتھ ہونا کیا ہے، اس کے اندر ایک آگ لگی ہوئی ہے، اس کے اندر ایک غم ہے، ایک فکر ہے، اسے شیطان نہ ورغلا سکا، آج تو تھوڑی سی مہلت ملے تو انسانوں کے ذہن بدل جاتے ہیں، رائے بدل جاتی ہے، بات بدل جاتی ہے، لیکن تین سال اس نے انتظار کیا، اس کا مطلب کہ یہ بات نقش کالحجر کے مانند تھی، دلوں میں بیٹھ چکی تھی، اتر چکی تھی کہ مجھے اس ناپاک حالت میں اپنے اللہ کے سامنے نہیں پیش ہونا ہے، اور مجھے پاک ہونا ہے، تین سال تقریباً گذر گئے،

بچے کو لے کے آتی ہے، بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، کہتی ہے: اے اللہ کے حبیب ﷺ! بچے نے اب روٹی کھانا شروع کر دیا، اب اس کو میرے دودھ کی ضرورت نہیں، پھر اس کو پاک کیا جاتا ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کوئی بات کر دی، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت نے ایسی توبہ کی کہ اگر ۷۰ بندوں میں تقسیم کی جاتی تو ان کے گناہوں کے لئے کافی ہو جاتی اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر زمین کے سب گنہگاروں میں تقسیم کی جاتی تو سب کے لئے کافی ہو جاتی۔

یقین اور خوف خدا کی کمی کا انجام

یہ کیا نعمت تھی؟ اس کو ایمان کامل کہتے ہیں، اس کو یقین محکم کہتے ہیں، عام بندے میں اور ایک مومن بندے کے درمیان یہ فرق کر دیتا ہے۔ ہماری زندگیوں میں اور ان اکابر کی زندگیوں میں ایک بنیادی فرق یہی ہے کہ جانتے تو ہم سب ہیں استحضار نہیں ہے، دل میں وہ خوف نہیں ہے، وہ ڈر نہیں ہے ،وہ یقین نہیں ہے، نہ آنکھ قابو میں، نہ زبان قابو میں، نہ معاملات اچھے ،نہ کچھ اور اچھا، جھوٹ بول دینا بہت آسان سی بات نظر آتی ہے، دھوکہ دے دینا آسان سی بات نظر آتی ہے، اگر آپ دیکھیں کہ ان سب کے پیچھے ہماری بنیادی بیماری کیا ہے تو وہ بے یقینی ہے، وہ یقین محکم نہیں کہ قیامت کے دن جب ہمیں پیش ہونا ہے تو ہمارا کیا بنے گا؟ خوف خدا کی کمی ہے۔ اسی لئے بچے کا تو خیال کر لیتے ہیں کہ بچے کے سامنے کوئی فضول حرکات نہیں کرتے اور جب دیکھتے ہیں کہ بچہ بھی نہیں تو یہ ذہن میں نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ بھی تو ہمیں دیکھتے ہیں۔ عطاء ابن رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ اللہ رب العزت نے مجھ پر الہام فرمایا کہ عطاء! میرے بندوں سے کہہ دو کہ جب تم گناہ کرنے لگتے ہو تو ان تمام دروازوں کو بند کر لیتے ہو جس سے مخلوق دیکھتی ہے، اور اس دروازے کو بند نہیں کرتے جس سے میں پروردگار دیکھتا ہوں، کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کم درجے کا تم مجھے سمجھتے ہو؟ اللہ اکبر کبیرا، معاملہ تو ایسا ہی ہے۔ یہ بے یقینی ہمارے یقین میں بدل جائے، یہ جو زبان سے ہم نے کلمہ پڑھا، یہ دل میں اتر جائے، اس کے لئے ہمیں کچھ محنت کرنی پڑے گی

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الٰہ الا
لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

جب تک دل گواہی نہیں دے گا تب تک یہ لا الٰہ کے الفاظ لغت غریب کے مانند ہیں، یہ وہ کیفیت تھی جو ہمارے اکابر کو گناہوں بچاتی تھی۔

شکار کرنے کو آئے، شکار ہو کے چلے

چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک عورت غسل کرنے کے بعد بال سنوار رہی تھی، وہ اپنے آپ کو دیکھ کے مسکرائی، خاوند قریب تھا، خاوند نے پوچھا: کیوں مسکرا رہی ہو؟ کہنے لگی کہ دنیا میں کوئی مرد نہیں جو مجھے دیکھے اور میری طمع نہ کرے، تو خاوند نے عمیر بن عبید رحمۃ اللہ علیہ جو ایک بزرگ تھے، جو مسجد میں وعظ کیا کرتے تھے، ان کا نام لیا کہ ان کو تو کوئی تیری پرواہ ہی نہیں، میاں بیوی کا تعلق کچھ ایسا ہوتا ہے کہ کہنے لگی: اچھا تم مجھے اجازت دو، میں دیکھتی ہوں کہ کیسے پھسلتا ہے، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، یہ عورت خوب بن سنور کے مسجد کے دروازے پہ آ گئی، جب عبید بن عمیرؒ گذرنے لگے تو اس نے کہا کہ مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، بات کرنے کے بہانے اس نے اچانک اپنا چہرہ کھول دیا، انھوں نے آنکھیں بند کر لیں اور کہا کہ اے اللہ کی بندی! یہ تم نے کیا کیا؟ پھر اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں آپ سے ملاپ چاہتی ہوں، انھوں نے کہا کہ اچھا یہ سوچو کہ اگر ہم دونوں یہ کام کر لیں جو تم کہہ رہی تو بتاؤ قیامت کے دن جب ہم اللہ رب العزت کے حضور کھڑے ہوں گے اور ہم پر اس گناہ کی فرد جرم قائم کی جائے گی تو تمہیں اس وقت شرمندگی ہوگی کہ نہیں ہوگی؟ کہنے لگی ہاں وہاں تو بڑی شرمندگی ہوگی، کہنے لگے کہ وہ کام کرتی ہی کیوں ہو جس سے انسان شرمندہ ہو، انھوں نے ایسے اخلاص سے بات کی کہ اس عورت کے دل میں یہ بات اتر گئی، لوٹ کے گھر آئی اور خاوند سے کہنے لگی کہ کیا مرد ہی نیک ہوتے ہیں؟ عورت نیک نہیں ہو سکتی؟ پھر اس کے بعد وہ روزہ رکھتی تھی اور رات کا وقت تہجد میں گذارتی تھی، اس کا خاوند کہتا تھا کہ عبید بن عمیر نے پتہ نہیں کیا کیا کہ میری بیوی کو راہبہ بنا دیا۔ اللہ والے کے دل کی نکلی ہوئی ایک یقین والی بات تھی، جو اس عورت کے دل

میں بیٹھ گئی، اس کو کہتے ہیں "شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے"۔ آئی تھی گناہ کی دعوت دینے، اللہ نے زندگی بدل کے اس کو واپس کر دیا۔

ایک اور بزرگ کے بارے میں بھی یہی ہے کہ کسی عورت نے ان کے سامنے ایسی ہی خواہش کا اظہار کیا، وہ اس عورت سے کہنے لگے کہ آؤ میرے ساتھ، وہ مسجد کے اندر چلے گئے، مسجد کے اندر جب داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ ذرا یہاں لیٹو، وہ کہنے لگی کہ ارے مسجد میں کیا کہہ رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ جو خدا یہاں ہے وہی خدا تو باہر تھا، اس عورت کو اتنی ندامت ہوئی کہ اس نے گناہ سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی۔ تو ہمارے اکابرین کے دل میں یہ بات اچھی طرح راسخ ہو چکی تھی کہ ہم جو کر رہے ہیں ہمارا پروردگار دیکھتا ہے جانتا ہے اور ہم سے قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھے گا، اس لئے وہ دکھاوے کے لئے نہیں چھپتے تھے، وہ اللہ سے ڈرتے تھے، گناہ کے مواقع ملنے کے باوجود گناہ سے بچتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ چیز بہت پسند ہے کہ اس کے خوف کی وجہ سے کوئی بندہ گناہ چھوڑ دے۔

ایک غریب عورت کی بات پر نوجوان کی توبہ

چنانچہ حدیث پاک میں مشہور واقعہ ہے کہ بنو اسرئیل کا "الکفل" ایک نوجوان تھا، مال پیسہ بھی بہت تھا اور عیاش بھی بہت تھا، جو گناہ کا موقع ملتا ہاتھ سے جانے نہ دیتا، ایک غریب عورت بچوں کی طرف سے پریشان اس کے پاس پہنچی کہ مجھے کچھ پیسے دے دیں، کچھ قرض کی ضرورت ہے، اس نے کہا: آپ کو میں اتنے پیسے دوں گا تم میری خواہش پوری کر دو، اس نے انکار کیا، پھر حالات سے مجبور ہو کے دوسری مرتبہ آئی، حتیٰ کہ تیسری مرتبہ آئی اور تیسری مرتبہ وہ اتنی پریشان تھی کہ اس نے ہاں کر دیا، جب الکفل اس کے قریب ہوا تو وہ کانپنے لگی، اس نے پوچھا کہ تم کیوں کانپ رہی ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے زندگی میں کبھی یہ گناہ نہیں کیا، تم اللہ کی مہر کو مت توڑو، سبحان اللہ! بچوں والی ہے، بیوہ بھی ہے، یا اگر خاوند ہو گا تو مجبور تو تھی کہ دوسروں سے مانگنے کے لئے آئی، اس وقت بھی اس کا دل ڈر رہا ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں اور اس پر اس نے ایسی بات کہی کہ الکفل کے دل پر اس کا اثر ہوا کہ یہ اتنی محتاج ہو کر اللہ سے

ڈر رہی ہے اور میں اتنا غنی ہوں، اس نے پیسے بھی دے دیئے اور توبہ بھی کر لی۔ چنانچہ اسی رات الکفل کا انتقال ہوا، اللہ نے دروازے پہ لکھوادیا کہ آج کی اس توبہ کو اللہ نے قبول کر کے الکفل کے سب گناہوں کو معاف کر دیا۔ اب یہاں تک تو بات اپنی جگہ، آگے مزے کی بات ہے کہ اس کی روایت کرنے والے جو راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ نبی ﷺ سے ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں، کم از کم میں نے ۲۵ مرتبہ یہ واقعہ نبی ﷺ کی زبان سے سنا ہوگا۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ ۲۵ مرتبہ اس واقعہ کو دہرایا، اس کا مطلب کہ نبی ﷺ ذہن سازی فرماتے تھے، ایسے واقعات کا اکثر تذکرہ کرتے تھے کہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اس بندے نے گناہوں کو کیسے چھوڑا، اور یہ چیز اللہ کو کیسے پسند آئی، اور ۲۵ مرتبہ تو انھوں نے سنا، تو کتنی مرتبہ نہیں بھی سنا ہوگا، اس کا مطلب کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے یہ واقعہ درجنوں مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف مجالس میں سنایا، اس کو کہتے ہیں ذہن سازی کرنا، ان کے دلوں میں یقین بیٹھا دینا، یہی چیز تھی کہ جس وجہ سے وہ گناہوں سے بچتے تھے۔

نیک بننے کی نیت کرنے پر اللہ کی رحمت کا سایہ

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک قصائی نوجوان تھا، ہمسایہ کی باندی پر اس کی طبیعت متوجہ ہوئی، موقع کی تلاش میں تھا، ایک دن موقع ملا، وہ کہنے لگا کہ مجھے تو تم سے بہت محبت ہے، تمہارے بغیر تو میں نہیں رہ سکوں گا، وہ لڑکی بہت نیک تھی، اس نے جواب دیا کہ دیکھو جتنی محبت تمہیں ہے، اس سے بڑھ کر محبت مجھ کو تم سے ہے، مگر میں اللہ سے ڈرتی ہوں، میں گناہ نہیں کر سکتی، اس کی اخلاص والی بات ایسی دل پر پڑی کہ اس نوجوان نے سوچا کہ میں بھی اللہ سے ڈرتا ہوں، گناہوں کو چھوڑتا ہوں، اب گناہوں کو چھوڑنے کی نیت سے یہ چل پڑا کہ میں کسی اچھی بستی میں جا کر کسی عالم سے علم حاصل کرتا ہوں، دین سیکھتا ہوں، ایک اور بزرگ جو اسی راستہ سے جا رہے تھے، دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں تین چار دن

کی مسافت طے کرنی ہے تو اکٹھا کرلیں، فائدہ ہوگا، اس دوران دونوں نے دیکھا کہ ایک بادل دونوں کے اوپر سایہ کررہا ہے، نوجوان یہ سمجھتا ہے کہ بڑے میاں کی وجہ سے ہے اور بڑے میاں بھی یہی سمجھتے ہیں کہ میری وجہ سے ہے، جب تین دن کے بعد منزل کے قریب ہوئے اور ایک جگہ راستے سے جدا ہوئے تو بادل اس نوجوان کے سر پہ تھا، تو بڑے میاں آئے کہ نوجوان! تیرا کونسا عمل اللہ کو پسند آیا؟ نوجوان کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ میری زندگی میں تو کوئی بھی نیک عمل نہیں ہے، ہاں میں نے گناہ کا ارادہ کیا ہوا تھا، توبہ کر کے میں نیک بننے کی نیت سے چل پڑا ہوں، میرا اللہ کتنا کریم ہے کہ گرمی کے موسم میں اس نے مجھے بادل کا سایہ عطا فرما دیا۔

گناہ پر قدرت کے باوجود بچ جانے پر جنت میں ٹھکانا

اور اللہ تعالیٰ اس چیز کو پسند کرتے ہیں کہ اس کا بندہ گناہ پر قادر ہونے کے باوجود اللہ رب العزت کی عظمت کی وجہ سے، اللہ رب العزت کے ڈر اور خوف کی وجہ سے گناہ سے بچ جائے۔ چنانچہ کتابوں میں مشہور واقعہ لکھا ہے کہ ایک حاکم وقت تھا، وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے موڈ میں تھا اور بیوی کسی بات سے اس پر خفا تھی، اب جتنا یہ پیار کا اظہار کرتا اتنا وہ خفا ہوتی، یہ جتنا میٹھا بننے کی کوشش کرتا، اتنی ہی اسے زہر چڑھتی، حتیٰ کہ وہ غصہ ہو کر کہنے لگی کہ جہنمی! پیچھے ہٹ، اب جہنمی کا لفظ سن کے اس کو بھی غصہ آگیا اور اس نے کہا کہ اگر میں جہنمی تو تجھے طلاق، تین طلاق دے بیٹھا، صبح جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس وقت خاوند نے بھی سوچا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے طلاق ہی نہیں دینی چاہئے تھی، جب یہ اتنی خوبصورت ہے کہ میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا تو کیوں طلاق دی اور بیوی نے بھی سوچا کہ مجھے یہ بات تو نہیں کہنی چاہئے تھی جو میں کہہ گئی، اب فیصلہ کیا ہو، علماء سے رجوع کیا تو علماء نے کہا کہ اس کا جواب تو نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ یہ طلاق Conditional (مشروط) ہے کہ ''اگر میں جہنمی تو تجھے طلاق'' تو فیصلہ کون کرے، کوئی نہیں فیصلہ کرسکتا، لہٰذا یہ بات Talk of the town بن

گئی، (خوب مشہور ہوگئی) ہر طالب علم، ہر عالم کی زبان پہ یہی مسئلہ، مگر جواب کہیں سے نہیں آتا تھا، سنا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جوان العمر تھے، ان کو یہ مسئلہ بتایا گیا، تو وہ کہنے لگے کہ میں اس کا جواب دے سکتا ہوں، یہ بات حاکم تک پہنچی، اس نے بلوالیا، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں آپ سے تنہائی میں کوئی بات پوچھوں گا پھر اس کا جواب دوں گا، اس نے کہا کہ بہت اچھا، امام صاحب نے کچھ دیر اس سے الگ گفتگو کی، پھر فیصلہ کر دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی، اب جب دوسرے علماء کو پتہ چلا تو انھوں نے کہا کہ آپ کب سے جنت کی ٹکٹیں تقسیم کرنے لگے؟ فرمایا کہ میں نے بادشاہ سے ایک سوال کیا تھا کہ مجھے زندگی کا کوئی ایسا واقعہ سنائیں کہ جب آپ گناہ کرنے پہ قادر تھے مگر اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ نے گناہ کو چھوڑ دیا، وہ سوچتا رہا، پھر کہنے لگا کہ ہاں ایک مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے دفتر کے کام سمیٹ کے جلدی اپنے بیڈروم میں آگیا تو محل میں کام کرنے والی ایک جوان العمر خوبصورت لڑکی ابھی میرے کمرے میں کچھ کام کر رہی تھی، میں جیسے کمرے میں داخل ہوا تو اس کو دیکھ کے میری طبیعت اس کی طرف مائل ہوئی، میں نے دروازہ بند کر دیا، وہ لڑکی نیک تھی، پاک صاف تھی، اس نے میری نیت کو پہچان لیا اور وہیں سے کھڑے کھڑے کہا: ''یامَلِک اِتَّقِ اللہ'' اے بادشاہ! اللہ سے ڈر، کہنے لگے کہ اس کی بات میں کیا تاثیر تھی کہ میرے دل میں اللہ کا خوف طاری ہوا، میں نے کنڈی کھولی، اس کو جانے دیا، اگر میں زبردستی گناہ کر لیتا تو مجھے کون پوچھنے والا تھا، مگر اللہ کا ڈر غالب آگیا، امام صاحب نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوا تو میں فتوی دیتا ہوں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی، آپ جہنمی نہیں جنتی ہیں، تو انھوں نے کہا کہ میں نے یہ فیصلہ نہیں دیا، یہ فیصلہ رب ذوالجلال نے خود دیا ہے، پوچھا: کہاں دیا ہے؟ انھوں نے کہا قرآن پڑھئے، رب کریم نے ارشاد فرمایا

''وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى'' اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

بچوں میں اللہ کے استحضار کا ایک نمونہ

تو ہمارے اکابر کے دلوں میں یہ چیز رچی بسی ہوئی تھی کہ ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ دیکھتے ہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہیں، چنانچہ ان کی زندگی سے معصیت ختم ہوگئی تھی، یہ نہیں تھا کہ وہ فرشتے بن گئے تھے، انسان تھے مگر اگر تقاضائے گناہ تھا بھی سہی تو طبیعت کے اندر یقین اتنا تھا کہ وہ اس کو قابو میں کرتے تھے، اسی کا نام ولایت ہے کہ تقاضائے گناہ کے باوجود انسان شریعت کا پابند رہے، یہی ولایت کا درجہ ہے۔ پہلے وقتوں میں چھوٹے بچوں کا بھی یقین ہوتا تھا، چنانچہ ایک صاحب اپنے بیٹے کو لے کے جا رہے تھے، انھوں نے دیکھا کہ ایک جگہ انگور کا باغ لگا ہوا ہے، وہ بہت اچھے انگور نظر آئے، بیٹے کو کہا کہ ادھر ٹھہرو، ذرا نظر رکھو، اگر باغ کا مالک یا کوئی دیکھنے والا آئے تو مجھے آواز دے دینا، میں جاتا ہوں ایک دو انگور کے خوشے توڑ کے لاتا ہوں، اب بیٹا وہیں کھڑا تھا، جب اس کے والد گئے اور انگوروں کو ہاتھ لگانے لگے تو بچے نے شور مچایا: ''یاأبي یاأبي أحذیر انا'' اے ابا جان، اے ابا جان! کوئی ہمیں دیکھتا ہے، وہ واپس آگئے، واپس آئے تو دیکھا کہ کوئی نہیں تھا، کہنے لگے کون دیکھ رہا ہے؟ اس نے کہا: ابا جان! انسانوں میں سے تو کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، انسانوں کا پروردگار تو ہمیں دیکھ رہا ہے، تو بچوں کا ایسا یقین تھا۔

ایک عورت کا یقین کامل

لڑکیوں کا بھی یقین تھا جوانوں کا بھی یقین تھا، شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ واقعہ لکھا ہے کہ رات کا اندھیرا ہے، تنہائی ہے، اس میں ایک مرد نے ایک عورت کو ہاتھ لگانا چاہا تو عورت نے اس وقت کہا: ڈر اس پروردگار سے جو اندھیرے میں اسی طرح دیکھتا ہے، جس طرح اجالے میں دیکھتا ہے، اب دیکھئے اندھیرا ہے، ہاتھ نظر نہیں آرہا ہے، لیکن ہاتھ عورت کے جسم کی طرف بڑھا تو دیکھو عورت کا یقین کتنا کامل تھا کہ اس اندھیرے میں بھی مجھے میرا رب دیکھتا ہے۔

یقین بنانے کے لئے مشائخ کی خدمت میں

ہمارے مشائخ خانقاہوں میں یہ یقین بنوایا کرتے تھے اور اس کے لئے وہ اورادو ظائف سکھاتے تھے، چنانچہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بہت قریبی شاگرد ہیں، جو اُن کے ۴۰ مجلس مشاورت کے ارکان تھے، ان میں سے ایک رکن تھے، مگر تقویٰ کے پہاڑ تھے، وہ اپنا واقعہ خود لکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ابھی ۴ سال کا تھا، میرے ماموں میرے گھر آئے، مجھے کہنے لگے داؤد! اللہ کو یاد کیا کرو، میں نے کہا ماموں! کیسے؟ کہا کہ جب سونے کے لئے بستر پر لیٹو تو تین مرتبہ یہ کہا کرو کہ اللہ میرے ساتھ ہے، اللہ مجھے دیکھتا ہے، تین دفعہ کہہ کے سو جایا کرو، چنانچہ میں نے عادت بنالی، کچھ دنوں بعد ملاقات ہوئی؛ تو کہنے لگے کہ اور زیادہ دفعہ کہو تو میں نے بیس اکیس مرتبہ کہنا شروع کردیا——اب عام طور پر جوان بچے جب رات کو لیٹنے لگتے ہیں تو نفس اور شیطان ان پر غلبہ کرتے ہیں اور الٹے سیدھے خیالات ان کے ذہنوں میں آتے ہیں، دیکھو شروعات سے ہی برائی کی جڑ ہی کاٹ ڈالی بچوں کو یہ بات سمجھائیں کہ سوتے ہوئے یہ پڑھ کے سویا کرو——وہ کہنے لگے کہ میری روزانہ کی عادت بن گئی کہ جب میں سونے لگتا تو بستر پر لیٹتے ہی کہتا کہ اللہ میرے ساتھ ہے، اللہ مجھے دیکھتا ہے، کہنے لگے کہ یہ بار بار کہنے کی وجہ سے ایسا میرا یقین بن گیا کہ سات سال کی عمر مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اس سے پہلے میں نے قرآن مجید کا حفظ مکمل کرلیا تھا، بچوں کے اندر یہ یقین آگیا اور اسی چیز کو سیکھنے کے لئے اکابر اور مشائخ کی خدمت میں وقت کے نوجوان جایا کرتے تھے۔

اور دیکھئے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کا سبق ہے: اللہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ معی، کیوں یہ ضربیں لگواتے تھے؟ کیوں یہ الفاظ کہلوائے جاتے تھے؟ ہزاروں نہیں لاکھوں مرتبہ کہلوائے جاتے تھے، تاکہ زبان سے نکلے ہوئے یہ لفظ دل میں اتر جائیں، دل کا یقین بن جائے، آج چونکہ ہمیں یہ محنت کرنے کا موقع نہیں مل پاتا، اس لئے ہمارے اندر وہ کیفیت نہیں بنتی اور ہمیں عجیب سی بات لگتی ہے۔

یقین بن جانے پر تھوڑی مدت میں نسبت کی بشارت

ہمارے علاقے میں حضرت زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے چند دنوں میں ہی اجازت وخلافت عطا کردی، تو جو وہاں پرانے رہنے والے تھے وہ بڑے حیران ہوئے، کسی نے حضرت سے کہہ دیا کہ حضرت! ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں، عمر گذر گئی، ہم پر تو وہ محبت کی نظر نہ پڑی جو اِس پر پڑگئی، تو حضرت نے فیصلہ کیا کہ ان کو حقیقت سے آگاہ کروں گا، ایک دن وہاں کچھ مہمان آئے، حضرت کو کچھ مرغیاں ذبح کروانی تھیں، دو چار چھریاں منگوالیں اور ان سب کو بلوا کر ایک چھری اور ایک مرغی ان کے حوالے کی اور کہا کہ جاؤ کسی ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، تو کوئی دیوار کے پیچھے، کوئی درخت کی اوٹ میں، کوئی فلاں جگہ، سب ذبح کر کے لے آئے اور زکریا ملتانیؒ زندہ مرغی اور چھری اسی طرح واپس لے کے آگئے، شیخ نے پوچھا کہ ذبح نہیں کی؟ تو آنکھوں میں آنسو آگئے، اور کہا: حضرت! آپ کا حکم پورا نہیں کرسکا، پوچھا کیوں نہیں کیا؟ کہا حضرت! آپ نے فرمایا تھا کہ ایسی جگہ ذبح کرو جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، میں جہاں گیا میرا پروردگار مجھے دیکھتا تھا، حضرت نے کہا کہ کوئی بات نہیں ان کو رخصت کر کے پھر باقیوں کو کہا کہ دیکھو! اس کے دل کا یہ یقین تھا، جس کی وجہ سے میں نے اس نعمت کی بشارت عطا فرمائی۔

اگر یقین درست ہوجائے تو زندگی کا رخ صحیح ہوجائے

یہ جو اللہ کے سامنے پیشی کا خوف ہے، اگر یہ انسان کو نصیب ہوجائے تو زندگی کے سارے معاملات صحیح ہوجائیں۔ ایک آدھ واقعہ مزید سنا کے بات کو مکمل کرتا ہوں، امیر شاہ ایک علاقے کا بادشاہ ہے، اور وہ جنگل میں ہرن کے شکار کے لئے نکلتا ہے، اس کے خادم یعنی پولیس والے بھی ساتھ تھے، وہاں انھیں کوئی گائے نظر آئی تو انھوں نے اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کے کھالیا، ایک بوڑھی عورت مالکہ تھی، اس نے آکر کہا کہ اس جنگل میں میرا

تو گذران اسی کے ساتھ تھا، اسی سے مجھے دودھ ملتا تھا، مکھن ملتا تھا، اس کے گوبر سے میں آگ جلاتی تھی، روٹیاں پکاتی تھی، تم نے اسے ذبح کر لیا، اب مجھے پیسے دو میں دوسری گائے لے لوں، تو انھوں نے کہا کہ ہم پیسے نہیں دیں گے، اس نے کہا کہ پھر مجھے بادشاہ سے بات کرنے دو، انھوں نے کہا کہ بادشاہ سے بات بھی نہیں کرسکتی، وہ بڑی پریشان ہوئی، کسی اور بندے کو بات سنائی، اس نے کہا کہ دیکھو بادشاہ تو اچھا آدمی ہے، اور اس کو ایک دن کے بعد واپس جانا ہے اور واپسی پر راستے میں ایک دریا ہے اور دریا کے اوپر پل ہے، واپس جانے کا ایک ہی راستہ ہے، وہاں آپ چلی جائیں اور پل کے قریب بیٹھ جائیں، جب بادشاہ گذرنے لگے تو آپ بادشاہ کی سواری روک کے ان کو بتانا، وہ آپ کو پیسے دیں گے، بڑھیا وہاں پہنچی، امیر شاہ جب وہاں سے گذرنے لگا تو بڑھیا نے اس کی سواری کو روکا، امیر شاہ نے پوچھا کہ اماں! کیوں میری سواری روکی؟ تو بڑھیا نے اسوقت کہا کہ امیر شاہ! میرا اور تیرا ایک معاملہ ہے، یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس پل پہ فیصلہ کرنا چاہتا ہے یا قیامت کے دن پل صراط پہ فیصلہ کرنا چاہتا ہے؟ کہتے ہیں کہ جب اس نے یہ کہا تو امیر شاہ کانپ اٹھا، نیچے اترا، معافی مانگی، بات سن کے سات جانوروں کی قیمت دی اور کہا: اماں! اِدھر معاف کر دینا، میں پل صراط پہ حساب دینے کے قابل نہیں ہوں۔ تو جب یہ یقین بیٹھ جاتا ہے کہ مجھے قیامت کے دن اللہ کے سامنے حساب دینا ہے تو پھر انسان وقتی لذتوں کے پیچھے نہیں بھاگتا، سب مستیاں ختم ہو جاتی ہیں، پھر اللہ کا خوف غالب آجاتا ہے۔

جب یقین آجاتا ہے تو جہاں گناہوں سے انسان بچتا ہے وہاں اس کے معاملات بھی سیدھے ہو جاتے ہیں، ایک واقعہ معاملات کے بارے میں ذرا سن لیجئے، ہم نے دیکھا ہے کہ سَوتنیں اگر ہوں تو جتنی بھی نیک ہوں، پھر بھی دل میں کچھ نہ کچھ ان میں کھٹک ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہ کچھ کینہ دل میں ہوتا ہے اور اگر عام عورتیں ہوں تو پھر تو دو کے درمیان ایک جنگ ہوتی ہے، ایک ایسا ہی واقعہ سن لیجئے، ایک شادی شدہ تاجر اجناس کا کاروبار کرتا تھا، جب اجناس خریدنی ہوتی تھیں تو اس کو تین چار مہینے کے لئے

دیہات میں جانا پڑتا تھا اور وہاں سے فصلیں دیکھ کے خرید کے اس کو گودام میں بھجوانا ہوتا تھا، اور باقی ۸ مہینے وہ اس کو بیچتا تھا، جب وہ دو چار مہینے دوسرے شہر جا کر رہتا تو وہاں بچوں کے بغیر رہنا اس کو مشکل نظر آتا تھا، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگ گناہ سے ڈرتے تھے، تو وہ گناہ نہیں کرنا چاہتا تھا، اس نے فیصلہ کیا کہ میں کوئی نکاح کرلوں، گناہ سے بھی بچوں گا، پاکیزگی کی زندگی گذرے گی، اس نے ایک عورت کو بتادیا کہ سال کے اتنے مہینے میں یہاں رہتا ہوں اور میں نکاح کروں گا اور اتنا وقت میں وہاں رہتا ہوں، اس کے ورثہ نے کہا کہ گھر لے کے دیدیں، خرچہ اٹھالیں، پھر کاروباری ضرورت کے پیچھے آتے جاتے رہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، ہماری طرف سے اجازت ہے، اس نے نکاح کیا، دو تین مہینے اس بیوی کے ساتھ رہا، لوٹ کے واپس آیا، اب عورتیں تو بہت سمجھدار ہوتی ہیں، اس نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ "بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں" مگر تھی سمجھدار، اس نے بات کچھ نہیں کی، دو چار دن بعد اور زیادہ اس کو محسوس ہوا، مگر اس نے سوچا کہ جب تک مجھے تحقیق نہ ہوجائے مجھے خاوند کے ساتھ بات نہیں کرنی ہے، پھر خاوند اگلی مرتبہ گیا، تو اب اس نے ایک بوڑھی عورت سے کہا کہ میں تمہیں اتنے پیسے دوں گی اور تم جا کے ذرا دیکھو کہ میرا خاوند وہاں کیسے رہتا ہے؟ کیسے وقت گذارتا ہے؟ وہ بوڑھی عورت وہاں گئی اور اس نے تھوڑی دیر میں سب معلومات کرلیں کہ اس نے نکاح کیا ہوا ہے، گھر لے کے دیا ہوا ہے، ان کے ساتھ رہتا ہے، پھر واپس آتا ہے، جب بوڑھی عورت نے آکر تصدیق کردی تو اس وقت اس عورت کے دل پہ بہت صدمہ ہوا کہ میرے خاوند نے مجھے بتایا بھی نہیں اور دوسری شادی کرلی، مگر اس نے سوچا کہ اب جھگڑا کرنے کا کیا فائدہ، ہے تو اس کا شرعی حق، لہٰذا صبر کرلیتی ہوں، اس نے بیوی کو نہیں بتایا، خاوند کچھ عرصہ وہاں رہتا کچھ عرصہ یہاں رہتا، اللہ کی شان دیکھیں کہ چند سال کے بعد اس خاوند کو جوانی کی عمر میں شاید کوئی ہارٹ اٹیک وغیرہ ہوا اور اس کی وفات ہوگئی، جب وفات ہوئی تو ورثاء میں اس کے مال کی تقسیم کی گئی، تو اس کی بیوی کے حصے میں درہم و دینار کی بھری ہوئی چار بوریاں آئیں، اس وقت سکے ہوتے تھے، جب

چار بوریاں اس بیوی کو ملیں تو اس بیوی نے سوچا کہ یہ تو دنیا کو پتہ نہیں ہے کہ ایک بیوی ہے یا دو، مجھے تو تصدیق ہو چکی ہے کہ دو بیویاں ہیں، لہٰذا یہ چار بوریاں میرا حق نہیں ہے، آپ دیکھئے! ایک عورت ذات ہے، پھر اس میں مال کی کتنی محبت ہوتی ہے، پھر دوسری طرف اس کی سوتن، جس سے ہمدردی تو کیا، الٹا جی چاہتا ہے کہ اس کو زندہ دفن کر دیا جائے، یہ عورت کی کیفیت تھی، مگر اس کے دل میں خوف خدا تھا وہ جانتی تھی کہ درہم و دینار کی یہ چار بوریاں میرا حق نہیں ہے، اس نے کہا کہ ہم دو بیویاں ہیں، اور چار بوریاں آئیں تو دو میری ہوئی اور دو دوسرے کی، اس نے اسی بوڑھی عورت کو بلایا، کہ میں تمہیں اتنے پیسے دوں گی، اس میں سے دو بوریاں جا کے تم اس کی دوسری بیوی کو پہنچا کے آؤ، یہ میرا حق نہیں، یہ اس کا حق ہے، وہ بوڑھی عورت وہ دو بوریاں مزدور کے ذریعے لے کے اس دوسری عورت کے گھر گئی، اس کو جا کے خاوند کے مرنے کی خبر دی، اس کو بھی صدمہ ہوا اور وہ بہت روئی، پھر اس نے یہ دو بوریاں اس کو پیش کیں کہ دیکھیں اس کی بیوی کو حصہ میں چار بوریاں ملی تھیں اور اس کے علم میں تھا کہ تم اس کی بیوی ہو، لہٰذا دو بوریاں اس نے رکھ لی ہیں، اور دو تمہیں واپس بھیجی ہیں، اس پر وہ عورت بڑی خوش ہوئی اور اس نے پہلی کی بڑی تعریفیں کیں اور خوب تعریفیں کرنے کے بعد کہنے لگی کہ اچھا میں تمہیں واپسی کے پیسے دیتی ہوں، تم ان دونوں بوریوں کو واپس لے جاؤ اور جا کر اسی پہلی کو دے دینا، اس نے کہا کیوں؟ اس نے کہا: اس لئے کہ میرا خاوند جب آخری مرتبہ مجھ سے رخصت ہونے لگا تھا تو جانے سے ایک دن پہلے اس نے مجھے طلاق دے دی تھی، یہ بات یا میں جانتی ہوں یا میرا پروردگار جانتا ہے، اس مال میں میرا حق نہیں ہے، میں اس کی بیوی نہیں ہوں۔ ذرا سوچئے کتنا خوبصورت دین ہے، یہ کتنی خوبصورت شریعت ہے کہ انسان کو ایمان دے دیتی ہے اور بندے کے معاملات کو سدھار کے رکھ دیتی ہے، جانوروں کو انسان بنا دینا، انسانوں کو فرشتوں کی صفتیں عطا کر دینا، یہ دین اسلام کی خوبی ہے، اور اس کے پیچھے یہی یقین کامل ہوتا ہے، آج اس یقین کامل کو ہمیں اندر پیدا کرنے کی محنت کرنی چاہئے، دعائیں مانگنی چاہئیں، ہمیں اس یقین محکم کو دوبارہ پیدا کرنا ہے۔

علماء دیو بند کی شان: ’’در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق‘‘

ہمارے اکابر علماء دیو بند کی ایک بنیادی صفت یہی تھی کہ جہاں ایک طرف وہ جبال العلم تھے، وہاں دوسری طرف انھوں نے اپنے مشائخ کی صحبت میں رہ کے اس یقین کو حاصل کیا، اذکار کرتے تھے اوراد کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے کہ میں جلالین شریف پڑھتا تھا، تکرار کا ذمہ دار میں ہی تھا، ایک دن اشکال پیش آیا، بڑا سوچا لیکن اس کا جواب نہیں آتا تھا، ساتھیوں نے کہا کہ چونکہ آپ ذمہ دار ہو، اس لئے اب کل کا درس ہونے سے پہلے جاکے استاذ صاحب سے پوچھنا، مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے اگلے دن جلالین شریف اٹھائی اور فجر کی نماز کے بعد استاذ کے پاس آیا، میرے پہنچنے میں تھوڑی سی دیر ہوئی اور ایک کمرہ تھا جس میں حضرت نماز پڑھنے کے بعد اشراق تک اذکار کرتے تھے، کہتے ہیں کہ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ تاخیر ہوگئی اور میں نے اپنے آپ کو کہا کہ تیری سزا یہی ہے کہ ادھر ہی کھڑے رہو، جب حضرت باہر نکلیں گے تو اس وقت پوچھنا، سردی تھی، میں باہر کھڑا تھا، حضرت کمرے کے اندر لا الٰہ الا اللہ کی ضربیں لگا رہے تھے، کہنے لگے کہ مجھے باہر کھڑے مزہ آ رہا تھا، جب اشراق کے بعد انھوں نے دروازہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ اس سردی کے موسم میں ان کی پیشانی سے پسینے ٹپک رہے تھے، اس شدومد کے ساتھ لا الٰہ کی ضربیں لگاتے تھے، پوچھا: اشرف علی! کیوں کھڑے ہو؟ عرض کیا حضرت! یہ اشکال وارد ہوا، بتا دیجئے، حضرت نے تقریر کرنی شروع کردی، مگر الفاظ بھی سارے غیر مانوس، معانی کا تو بالکل ہی پتہ نہیں تھا، جب ختم کر کے پوچھا کہ پتہ چلا؟ تو میں نے کہا کہ حضرت! کچھ سمجھ میں نہیں آیا، دل میں مَیں نے کہا کہ کچھ نزول فرمائیں تو پتہ چلے، چنانچہ حضرت نے دوبارہ تقریر شروع فرمائی، اب الفاظ تو کچھ مانوس نظر آتے تھے، معانی کا پتہ پھر بھی نہیں چل رہا تھا، دوسری مرتبہ تقریر کے بعد پوچھا کہ بات سمجھ میں آئی؟ میں نے کہا حضرت! ابھی بھی نہیں سمجھ میں آئی، فرمایا: اشرف علی! میری اس وقت کی باتیں شاید تمہاری سمجھ

میں نہیں آئیں گی، پھر کسی وقت پوچھ لینا۔

اتنے علوم ان پر وارد ہوتے تھے، جو درس نظامی کی کتابیں آج ہیں وہی ان کے زمانے میں بھی تھیں، کتابوں میں تو کوئی فرق نہیں ہے، آج دورۂ حدیث کے بچے جو بخاری شریف مسلم شریف پڑھ رہے ہیں یہی کتابیں حضرت نانوتویؒ نے پڑھیں، یہی حضرت گنگوہیؒ نے پڑھیں، یہی حضرت شیخ الہندؒ نے پڑھیں، کتابوں میں تو فرق نہیں ہے، ہاں کتابیں پڑھنے کے بعد دل کا جو یقین بنا اس یقین میں زمین اور آسمان کا فرق ہے "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" ہم گنہگاروں کو ان بزرگوں کی باطنی نسبتوں کے ساتھ کیا نسبت؟ ہم تو گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمارے لئے گناہ کرنا اتنا آسان بن گیا ہے ایسے لگتا ہے کہ جیسے مکھی بیٹھی تھی اس کو اڑا دیا، اور یہ وہ بزرگ تھے جن کے اندر ایک پختہ یقین آچکا تھا اور ان کی زندگی کے سارے معاملات شریعت کے مطابق بن چکے تھے۔

چنانچہ حضرت اقدس تھانویؒ کو گنے کا ایک بنڈل دیا گیا کہ لے جایئے، لیکن نہیں لیا، ٹکٹ والا کہتا رہا کہ میں ساتھ ہوں، فرمایا نہیں، مجھے آگے جانا ہے، اس نے کہا فلاں جگہ سے آگے تو گاڑی نہیں جاتی، فرمایا ہاں، میری منزل اس سے بھی آگے ہے، مجھے قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ چیز بتاتی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں ایک یقین تھا، آج اس یقین کی کمزوری کی وجہ سے ہمارے اندر نہ وہ احوال ہیں، نہ وہ کیفیات ہیں، نہ وہ نتائج مرتب ہو رہے ہیں، ہمارے اکابر انھیں دار العلوموں میں، انھیں درسگاہوں میں، یہی الفاظ پڑھاتے تھے، مگر اسی یقین کامل کے ساتھ پڑھاتے تھے، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ طلبہ کے دل پہ ایسا اثر ہوتا تھا کہ صدر مدرس سے لے کے دربان تک، سب کے سب تہجد گذار ہوتے تھے، سب کے سب ولایت کے مقام کے حامل ہوا کرتے تھے، اس بھولے ہوئے سبق کو ہمیں آج پھر یاد کرنے کی ضرورت ہے، اور اللہ سے اس نعمت کو پھر مانگنے کی ضرورت ہے۔

یقین کریں جس حالت میں آج ہم ہیں، ہم اس حالت میں اللہ کے سامنے پیش

نہیں ہو سکتے، ہماری زندگی کی پوری ویڈیو تیار ہے، اگر کل قیامت کے دن اللہ رب العزت نے یہ فرمادیا کہ میرے بندے! مجھے بتادے یا تمہاری ویڈیو تمہارے ساتھ والے کو دیکھا دیتے ہیں، یا تم خود جہنم چلے جاؤ، تو بیٹی کہے گی اللہ! میری ویڈیو ابو کو نہ دکھانا، بیوی کہے گی کہ میری ویڈیو خاوند کو نہ دکھانا، ماں کہے گی اللہ! میری ویڈیو میرے بچوں کو نہ دکھانا، میں خود ہی جہنم چلی جاتی ہوں، آج وقت ہے کہ ہم گناہوں سے سچی توبہ کر کے اپنی زندگی کو پاک صاف بنا سکتے ہیں اور آئندہ نیکوکاری پرہیزگاری کی زندگی گذار سکتے ہیں، پروردگار عالم ہمیں وہی یقین محکم اور ایمان کامل کی حلاوت عطا فرمادے اور معصیت کی ذلت سے محفوظ فرما کر اللہ ہمیں اطاعت کی عزت نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

آئندہ صفحات پر آپ جو خطاب ملاحظہ فرمائیں گے، یہ خطاب ۱۴/اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات، بعد نمازِ عشاء، دارالعلوم دیوبند (وقف) کے وسیع و عریض میدان میں ہوا تھا، دونوں دارالعلوموں کے اساتذہ و طلبہ، دیوبند اور قُرب و جوار کے ہزاروں علماء و طلبہ، ملک کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے اہلِ علم و طلب کا کثیر مجمع تھا۔

علم وعلماء کا مقام
اور
ہمارے اکابر دیوبند

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی
اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ.
إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین
اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم

اسلام کا پہلا حکم: علم حاصل کرنا

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اے میرے حبیب! آپ فرما دیجئے کہ جاننے والا اور نہ جاننے والا یعنی عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ "إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ" اس بات کی پرکھ وہ رکھتے ہیں جو عقلمند ہوتے ہیں، یعنی عقلمند انسان سمجھتا ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے، دین اسلام نے علم کی اہمیت کو بہت زیادہ واضح فرمایا، چنانچہ اس امت پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو نبی ﷺ کو یہ لفظ ملا: "اِقْرَأْ" یعنی پڑھیے، ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ توحید بہت اہم ہوتی ہے، اس کے بغیر

انسان کی نجات ہی نہیں، شرک والا بندہ کبھی جہنم سے نکل ہی نہیں سکتا، تو اہم پیغام تو توحید کا ہے، مگر پہلا Message (پیغام) اس کے بارے میں نہیں بھیجا، یہ بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ رسالت کی بھی بڑی اہمیت ہے، اس پر ایمان لائے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا، مگر اللہ رب العزت نے رسالت کے بارے میں بھی پیغام نہیں بھیجا، پھر یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قیامت کے دن کی بھی بڑی اہمیت ہے، اس دن انسان کے نامۂ اعمال کو دیکھا جائے گا، تولا جائے گا، اس دن انسان کے مقدر کے فیصلے ہوں گے، یا وہ زندگی کی بازی جیت جائے گا، یا زندگی کی بازی ہار جائے گا، اس دن کی اہمیت کے پیش نظر قیامت کا تصور دیا جاتا، مگر ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ فرمایا: ''إِقْرَأْ'' یعنی پڑھ، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو پڑھتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، اسی لئے علم کی بہت فضیلت ہے۔

علم کی وجہ سے انسان کو فرشتوں پر فضیلت

یہ وہ صفت ہے جس کی وجہ سے اللہ نے بشر کو امتیاز عطا فرمایا، آپ غور کریں کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، حالانکہ وہ بڑے عبادت گذار تھے، فرشتوں کے بارے میں فرمایا ''لَا يَعْصُوْنَ اللهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْن'' اب ایک طرف فرشتوں کی بزرگ جماعت ہے جو ہزاروں سال عبادت کر چکی، اور دوسری طرف چند دن پہلے پیدا ہونے والے آدمؑ ہیں، مگر میدان حضرت آدمؑ کے ہاتھ آیا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا: ''اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ '' تم آدمؑ کی طرف سجدہ کرو، یہ فضیلت اس لئے کہ ''عَلَّمَ اٰدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا'' اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو علم الاسماء عطاء کیا تھا، علم الاشیاء عطا کیا تھا، جس وجہ سے ان کو فرشتوں پر بھی فضیلت حاصل ہوگئی۔

عالم کی فضیلت

چنانچہ ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِب'' کہ جس طرح چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت ہوتی ہے، اسی طرح ایک عالم کو عابد کے اوپر فضیلت

ہوتی ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِی الْاَرْضِ کَمَثَلِ النَّجومِ فِی السَّماءِ'' کہ زمین پر علماء کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان کے اوپر روشن ستارے ہوتے ہیں، آسمان کی زینت ستاروں سے ہے تو زمین کی زینت ان پرہیزگار علماء سے ہے۔ ابودرداءؓ فرماتے ہیں ''اِنَّہٗ یَسْتَغْفِرُ لِلْعالِمِ کُلُّ شَیْئٍ حتی الْحِیتَانُ فِی جَوفِ الْبَحْرِ'' کہ عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے حتی کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی اس کے لئے استغفار کر رہی ہوتی ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یُشْفَعُ یَومَ الْقِیٰمۃِ ثَلٰثَۃٌ'' قیامت کے دن تین لوگ شفاعت کریں گے، سب سے پہلے ''الْاَنْبیاء'' پھر ''ثُمَّ الْعلماء'' دوسرے علماء، ''ثُمَّ الشُّھداء'' اور شہداء کی شفاعت کی باری تیسرے نمبر پر آئے گی، تو معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کو یہ چیز بہت پسند ہے کہ میرے بندے علم حاصل کریں۔

طالب علم کی فضیلت

صفوان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ''مَامِنْ رَجُلٍ خَرَجَ مِنْ بَیتِہٖ لِیَطْلُبَ الْعِلْمَ اِلَّا وَضَعَتْ لَہُ الْمَلٰئِکَۃُ اَجْنِحَتَھا رِضًی لِمَایَصْنَع'' کہ جب کوئی بندہ علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے اپنا پر بچھاتے ہیں اس بات سے خوش ہو کر کہ وہ کتنے عظیم کام کے لئے اپنے گھر سے نکلتا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مَنْ سَلَکَ طَرِیقًا یَطْلُبُ فِیہِ الْعِلْمَ سَھَّلَ اللّٰہُ لَہٗ طَرِیقًا اِلَی الْجَنَّۃ'' کہ جو بندہ علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے، اللہ رب العزت اس کے لئے جنت کے راستے کو آسان فرما دیتے ہیں، بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک فرمایا گیا کہ ''مَنْ کانَ فِی طَلَبِ الْعِلْمِ کانتِ الْجَنَّۃُ فِی طلَبِہٖ'' جو شخص علم کی طلب میں ہوتا ہے جنت اس بندے کی طلب میں ہوتی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ خَرَجَ فِی طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُو فِی سَبِیلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِع'' جو اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلتا ہے، وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ لوٹ کر گھر واپس آجائے۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ دو حریص ایسے ہیں جن کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی، ایک دنیا کا حریص جب تک قبر میں نہ پہنچ جائے، اور دوسرا علم کا حریص، اس کو بھی کبھی سیری نہیں ہوتی، وہ ہر لمحہ مزید علم حاصل کرنے کے لئے فکرمند رہتا ہے۔ جبل بن قیس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ سے دمشق حصول علم کے لئے آیا، ابودرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہارے اس سفر کا مقصد کیا تھا؟ انھوں نے کہا کہ فقط علم حاصل کرنا، تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے اپنے گھر سے نکلتا ہے فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں، مچھلیاں اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں، اور عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح چودھویں کے چاند کو ستاروں کے اوپر فضیلت حاصل ہے۔

احادیث پڑھنے پڑھانے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: ''اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيْ'' اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرمانا، ''قِيْلَ'' جو صحابہ موجود تھے انھوں نے عرض کیا: ''مَنْ خُلَفَائُکَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ'' اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! کون آپ کے خلفاء ہیں؟ ''قَالَ الَّذِيْنَ يَرْوُوْنَ أَحَادِيْثِي وَيُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ'' کہ وہ لوگ جو میری احادیث کی روایت کریں گے اور احادیث لوگوں کو سکھائیں گے، تعلیم دیں گے، وہ لوگ میرے خلفاء ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت خوب صورت دعا دی: ''نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا'' اللہ اس شخص کے چہرے کو تر و تازہ رکھے جو میری بات کو سنے، محفوظ کرے اور پھر اس کو دوسروں تک پہنچا دے۔ اب دیکھیں چہرہ تر و تازہ تو تب ہوگا جب کوئی دنیا کا جھمیلا نہ ہو، اگر انسان دنیا کی مصیبتوں میں گرفتار ہو تو چہرہ تو اُترا ہوا ہوتا ہے، پریشانی چہرے پہ واضح ہوتی ہے، ایک لفظ میں اتنی خوبصورت دعا دے دی کہ سارے مسئلے ہی حل ہو گئے، کہ اللہ اس کے چہرے کو تر و تازہ رکھے۔

اسلام میں پہلا مدرسہ

چنانچہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلا مدرسہ مسجد نبوی میں بنا، گو وہ اس کا نام تو نہیں تھا، لیکن آج کے زمانے میں ہم اگر اس کا نام معلوم کرنا چاہیں تو اس کو جامعہ صفہ کہہ سکتے

ہیں، یہ چند مہاجرین صحابہ تھے، جو اپنے گھر کو چھوڑ کر اللہ کے راستے میں آ گئے تھے، یہ مسجد نبوی میں رہتے تھے اور وہاں پر وہ نبی علیہ السلام سے دین سیکھتے تھے۔

مدرسہ صفہ کا نصاب

چنانچہ ہر جامعہ کے اندر کوئی Syllabus (نصاب) ہوتا ہے تو جامعہ صفہ کا Syllabus (نصاب) تھا قرآن عظیم الشان، "الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ " یہ قرآن اللہ نے اتارا، تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں تو ان کا نصاب قرآن تھا۔

پھر ہر کتاب کی تشریح ہوتی ہے تو اگر کوئی پوچھے کہ قرآن مجید کی تشریح کیسے ہوئی؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے حبیب ﷺ! میں نے آپ کو بھیجا "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ " تاکہ آپ اس واضح فرما دیجئے جو لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے، تو احادیث مبارکہ گویا اس کی تشریح تھیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ زبان سے بھی پڑھاتے تھے اور عمل سے بھی سکھاتے تھے۔

عہد نبوی میں اوقات تعلیم ۲۴ گھنٹے

ہر مدرسہ کے اندر اوقات ہوتے ہیں، کہیں پر صبح آٹھ بجے سے لے کے دو بجے تک، کہیں آٹھ سے لے کے ۴ بجے تک، لیکن یہ جامعہ صفہ ایسا تھا کہ اس کے اوقات تعلیم چوبیس گھنٹے تھے، چنانچہ رات کا وقت ہے نبی ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے، دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تہجد میں بہت ہی خفی انداز کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں، اور عمر رضی اللہ عنہ تلاوت کر رہے ہیں ذرا جہر کے ساتھ، جب دونوں نے نفل مکمل کر لئے تو حاضر خدمت ہوئے، نبی ﷺ نے پوچھا: اے ابوبکر! آپ اتنا آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے؟ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں اس ذات کو سنا رہا تھا جو سینوں کے بھید جانتی ہے، اونچا پڑھنے کی کیا ضرورت تھی، نبی ﷺ نے فرمایا: عمر! تم اونچا کیوں پڑھ رہے تھے؟ اے اللہ کے حبیب ﷺ میں سوئے ہوؤں کو جگا رہا تھا، شیطان کو بھگا رہا تھا، تو نبی ﷺ نے

ان دونوں کو سکھایا کہ عمر! تم ذرا آہستہ آواز کرلو، اور ابوبکر! تم ذرا سا جہر کرلو۔ اب یہ رات کا آخری پہر ہے، اس وقت بھی نبی ﷺ اپنے شاگردوں کو دین سکھا رہے ہیں، تو جس وقت اللہ کے حبیب ﷺ مسجد آجاتے تھے، Period (درجہ) شروع ہوجاتا تھا، سیکھنے سکھانے کا یہ عمل شروع ہوجاتا تھا، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے دین سیکھتے تھے اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم آکر ان سے پوچھتے تھے کہ آج نبی ﷺ نے کون سی آیت سکھائی، کیا بات سکھائی، تو یہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتادیتے تھے۔

جامعہ صفہ کے اندر مطبخ نہیں تھا

یہ دین اسلام کا پہلا اقامتی مدرسہ تھا، مگر فرق تھا، ہر مدرسہ کے اندر مطبخ ہوتا ہے، طباخ ہوتا ہے، شاگردوں کے لئے کھانے کا انتظام ہوتا ہے، یہ وہ مدرسہ تھا جس میں نہ مطبخ تھا، نہ کوئی طباخ تھا، اللہ ان کا رزاق تھا، اللہ تعالیٰ ان کے لئے رزق بھیج دیتے تھے، یہ کھالیتے تھے، ورنہ فاقہ ہوتا تھا، اتنا فاقہ کہ اس مدرسے کے ایک طالب علم جن کا نام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں اتنا بھوکا تھا کہ مجھ سے اٹھ کے کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا، میں مسجد کے دروازہ کے قریب آکے لیٹ گیا، نبی ﷺ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی، لوگ چلے گئے، میرے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور گذر گئے، میں سمجھ گیا کہ ان کے گھر میں بھی آج کوئی کھانا نہیں ہے، عمر رضی اللہ عنہ آئے گذر گئے، میں سمجھ گیا کہ ان کے گھر میں بھی آج کھانے کا انتظام نہیں ہے، ورنہ یہ مجھے اس حال میں دیکھ کے ضرور مجھے دعوت دیتے، نبی ﷺ تشریف لائے، پوچھا: ابو ہریرہ! کیوں لیٹے ہوئے ہو؟ بتایا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! اتنی بھوک ہے کہ بھوک کی بنا پر کھڑا نہیں ہوا جاتا، نبی ﷺ ان کو اپنے گھر لے گئے، گھر والوں سے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز ہے؟ عرض کیا کہ دودھ کا ایک پیالہ ہے، تو فرمایا کہ بھیجواؤ، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے امید لگ گئی کہ چلو ایک پیالہ دودھ تو ملے گا، لیکن جب پیالہ آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابو ہریرہ! جاؤ اور مدرسہ کے باقی طلبہ کو بھی بلا کے لاؤ ——— یہ جو آج کی مدرسی زبان ہے یہ عاجز اس کو خود استعمال کررہا ہے، تاکہ بچے جلدی سمجھیں ——— چنانچہ وہ مسجد نبوی گئے اور وہاں پر جتنے اصحاب صفہ تھے ان کو بلا کے لائے، اب وہ سوچتے ہیں کہ ۷۰ لوگ ہیں تو

میرے لئے دودھ کیا بچے گا اور ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ محبوب ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ جو دعوت دیتے کے لاتا تھا، اسی کو حکم ہوتا تھا کہ پلاؤ بھی تم ہی، اور پلانے والے کا نمبر تو آخر میں آتا ہے، تو پتہ نہیں میرے لئے کیا بچے گا، فرماتے ہیں کہ وہ سب لوگ آئے، میں نے دودھ پلانا شروع کیا، ہر بندے نے جی بھر کے پیا، سیراب ہوتے گئے، لیکن دودھ کا پیالا ویسے کا ویسے ہی، جب سب نے پی لیا تو نبی ﷺ نے وہ پیالہ مجھ کو دیا پھر میں نے پیا، مسکرا کے فرمایا کہ ابو ہریرہ! تم اور پی لو، میں نے کہا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں نے بہت پیا فرمایا اور پی لو، فرماتے ہیں کہ میں نے اور پیا، میرا پیٹ بھر گیا، نبی ﷺ مسکرائے، فرمایا اور پی لو، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! ''شَبِعتُ'' اب میرا پیٹ بھر گیا، مجھ سے نہیں پیا جا رہا ہے، تو اللہ کے حبیب ﷺ نے اس بچے ہوئے دودھ کو نوش فرمایا، تب وہ ختم ہوا۔ معلوم ہوا کہ ان طلباء کا رازق پروردگار تھا، وہ ان کے لئے رزق بھیجتا تھا، رزق میں برکت ڈال دی جاتی تھی۔

اب ہر مدرسہ میں ایک معلم ہوتا ہے، اس مدرسے کے معلم اعظم مرشد اعظم مبلغ اعظم سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ تھے۔ پھر ہر کلاس کا Monitor (امین الصف) ہوتا ہے تو اس جامعہ میں کلاس کا مانیٹر ایک صحابی تھے جن کا نام تھا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، وہ مانیٹر تھے، ان کے ذمہ تھا کہ تم ذرا ان کا خیال رکھنا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان اور ان کی کامیابی

پھر جب بھی پڑھاتے ہیں تو سال کے بعد امتحان بھی ہوتا ہے، تو اس جامعہ میں امتحان بھی ہوا۔ امتحان لینے کے لئے باہر سے کوئی نہ کوئی ممتحن آتا ہے، تو اس جامعہ کا ممتحن کون تھا؟ اور اس نے امتحان کیا لیا؟ اللہ فرماتے ہیں: ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى'' ہم نے ان کے دلوں کو دیکھا کہ تقویٰ ہے یا نہیں، ہم نے ان کا امتحان لیا، یہ وہ لوگ تھے جن کا ممتحن اللہ تھا اور پیپر کا نام تقویٰ تھا۔ پھر اس امتحان کے اندر وہ پاس ہو گئے؟ فرمایا: ''وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا''۔ یہ میرے محبوب ﷺ کے شاگرد تھے، استاذ کا اندازہ لگانا ہو تو شاگردوں کو دیکھنا ہوتا ہے، درخت کا اندازہ

لگانا ہو تو پھل کو دیکھنا ہوتا ہے، تم میرے محبوب کی عظمتوں کو دیکھنا چاہو تو میرے محبوب ﷺ کے شاگردوں کو دیکھ لو، یہ ایسے لوگ تھے جن کے دل تقویٰ سے بھرے ہوئے تھے، اللہ نے ان کو تقوے پہ جمائے رکھا تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کامیابی کا انعام

جب کوئی طالب علم امتحان میں کامیاب ہوتا ہے تو پھر اسے انعام بھی تو ملتا ہے، ہر مدرسہ میں انعام دیتے ہیں، کہیں Certificate (سند) دیتے ہیں، کہیں کچھ اور، تو اس مدرسہ کے طلبہ کو بھی کوئی Certificate (سند) ملا؟ اللہ فرماتے ہیں ہاں، میں نے ان کو Certificate (سند) دیا، فرمایا: ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' اللہ ان سے راضی، یہ اللہ سے راضی، سبحان اللہ! یہ کیسے خوش نصیب طلبہ تھے کہ جنھوں نے نبی ﷺ سے تعلیم پائی اور اللہ نے ان کو یہ شان عطا فرمائی۔ ہر مدرسہ میں کچھ اقامتی بچے ہوتے ہیں، کچھ Day scholar (غیر اقامتی طلبہ) ہوتے ہیں تو ۷۰ طلبہ تو اقامتی تھے اور باقی صحابہ Day scholar (غیر اقامتی طلبہ) تھے، وہ دن میں اپنے کام کرتے تھے، شام میں یا رات میں آ کے اس مدرسے میں پڑھا کرتے تھے، تو یہ دین اسلام کا پہلا مدرسہ ہے۔

حضور ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہنے کا حکم

یہ لوگ اللہ کو کتنے پیارے تھے؟ سنئے کہ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا کہ میرے محبوب ﷺ آپ جائیں اور ان کے پاس جا کر بیٹھیں ''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ'' اپنے آپ کو صبر دیجیے، اپنے آپ کو بٹھائیے، اپنے اپ کو نتھی رکھیے ''مَعَ الَّذِيْنَ'' ان لوگوں کے ساتھ ''يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ'' جو صبح شام اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ نبی ﷺ تشریف لائے، صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا تم کیا کر رہے تھے؟ بتایا کہ اے اللہ حبیب ﷺ سیکھ سکھا رہے تھے، مذاکرہ کر رہے تھے، تکرار کر رہے تھے جو مدرسوں میں ہوتا ہے، فرمایا کہ تم خوش نصیب لوگ ہو، اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے

درمیان آکر بیٹھوں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں طلب صادق کا ایک نمونہ

اس مدرسے کے طلبہ کی طلب عجیب تھی، سبحان اللہ، ایک طالب علم ایسے بھی تھے جو آنکھوں سے نابینا تھے، مگر من کے بینا تھے، ان کو کوئی سوال پوچھنا تھا، وہ آئے اپنے استاذ کے پاس، معلم اعظم کے پاس کہ میں سوال پوچھوں تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش مکہ کے بڑے سردار آئے ہوئے تھے اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے، اب چونکہ ان کی ظاہری بینائی تو تھی نہیں، تو ان کو پتہ نہیں تھا کہ یہ مجلس کیسی ہے، وہ آئے اور انھوں نے آکے سیدھے سوال کر دیا، تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، اب یہ جو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انتظار کروایا، یہ سچ بات تھی اس لئے کہ ڈاکٹر کے پاس اگر کوئی کینسر کا مریض آجائے تو وہ نزلے زکام کے مریض سے انتظار کروالیتا ہے کہ تم تو نزلہ زکام کے مریض ہو، کوئی مسئلہ نہیں، تمہیں بعد میں دوائی دے دوں گا، یہ کینسر کا مریض ہے، یہ تو ICU کا مریض ہے، اس کو جلدی مجھے Attend (معائنہ) کرنا ہے، تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ایسا ہی تھا، آپ اس وقت ان مشرکوں کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے، مگر اس طالب علم کو انتظار کروانا اللہ رب العزت کو اتنا عجیب لگا کہ اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبوبانہ خطاب فرمایا، ارشاد فرمایا: ''عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى'' ان آیات کے مفہوم کو جب پڑھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ طلب والے بندے کی اللہ کے یہاں کتنی قدر ہوا کرتی ہے۔

سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی شان

پھر اسی جامعہ کے ایک اور طالب علم ابن کعب ہیں جو سید القراء تھے، بہت اچھا قرآن پاک پڑھتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن کعب! سورۂ بینہ سناؤ، کہا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قرآن آپ پر نازل ہوا میں آپ کے سامنے سناؤں تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں مجھے ایسا ہی حکم ہوا ہے، وہ سمجھ گئے کہ اوپر سے اشارہ ہوا ہے، چنانچہ پوچھتے ہیں ''اللہ

سَمَّانِیْ'' اے اللہ کے حبیب ﷺ! کیا اللہ رب العزت نے میرا نام لے کر فرمائش کی ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''نَعَمْ اللّٰہُ سَمَّاکَ'' ابن کعب! تیرا نام لے کر اللہ نے فرمایا کہ ابن کعب سے کہو سورۃ البینہ پڑھیں، آپ بھی سنیں گے، میں پروردگار بھی سنوں گا۔ یہ ایسے طلبہ تھے، انھوں نے ایک نہج قائم کردی، انھوں نے دین سیکھنے کے لئے قربانیاں دیں، دن رات چٹائیوں پہ پڑے رہتے تھے۔

تمام دینی درسگاہیں جامعہ صفہ کی شاخیں ہیں

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے اصحاب صفہ! جس نہج پر تم نے زندگی گذاری، جو بندہ اس نہج پر زندگی گذارے گا قیامت کے دن اللہ کی رضا اس کو نصیب ہوگی، یہ مدرسے کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، آج دنیا میں جتنے مدارس ہیں وہ اسی جامعہ صفہ کی شاخیں ہیں، اسی شمع سے پھوٹتی ہوئی کرنیں ہیں، دنیا کے کسی خطے میں ہو یہ جامعہ دارالعلوم دیوبند وقف ہو یا دارالعلوم دیوبند ہو، یہ سب دارالعلوم اور جامعات اسی کی ایک کرنیں ہیں جو یہاں پر پڑ رہی ہیں اور روشنی پھیل رہی ہے، لہٰذا آپ لوگوں کو اصحاب صفہ کے ساتھ یہ نسبت حاصل ہے۔

تعلیمی میدان میں امت مسلمہ کی قربانیاں

اس امت کے طلبہ نے علم حاصل کرنے کے لئے کتنے مجاہدے کئے اور کتنی قربانیاں دیں، ان کے حالات انسان پڑھتا ہے تو حیران ہوتا ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

چنانچہ امام ذہبیؒ بیس سال کی عمر میں علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے، فرما رہے ہیں کہ میں سات سال میں علم مکمل کرنے کے بعد گھر لوٹا، آپ حضرات تو جمعرات کو چلے جاتے ہیں، جمعہ گھر رہ کے آتے ہیں، یا دو ہفتے بعد یا مہینے بعد چکر لگا لیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں علم حاصل کرنے کے لئے نکلا، متواتر سات سال میں علم حاصل کرتا رہا، جب علم حاصل

کرلیا، تب میں ماں باپ کو ملنے کے لئے واپس آیا

حافظ بن طاہر المقدسی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ ابن طاہر قدسیؒ طلب علم کے لئے نکلے، اس زمانے میں ایسا نہیں تھا کہ جہاں جائیں گے وہاں آپ کو کتابیں مل جائیں گی، یہ نعمت تو آج ہے کہ جس مدرسے میں داخلہ لو تو پڑھنے کے لئے ناظمِ تعلیمات وہاں کتابیں دے دیتے ہیں، اس زمانے میں استاذ کے پاس کتابیں خود لے کر جانی پڑتی تھیں، وہ فرماتے ہیں کہ کتابیں اتنی تھیں کہ میں اپنی پیٹھ پر جب لاد کر چلتا تھا تو مشقت اٹھانے کی وجہ سے پیشاب میں خون آیا کرتا تھا، میں اپنے استاذ کے پاس جانے کے لئے اتنا بوجھ اٹھاتا تھا۔

خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

خطیب تبریزیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی پشت کے اوپر کتابیں لے کر چلتا تھا اور گرمی کی وجہ سے اتنا پسینہ آتا تھا کہ میری کتابیں پسینے سے بھیگ جایا کرتی تھیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد بن حنبلؒ شروع میں غربت کے حالات میں تھے، فرماتے ہیں کہ میں علم حاصل کرتا تھا تو فاقہ ہوتا تھا، میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں کوئی مزدوری کرلوں، تو فرماتے ہیں کہ جب میں پڑھ لیتا تو شام کو میں اونٹوں کے اڈے پہ جاتا، جیسے ہمارے زمانے میں بسوں کا اڈہ اور ٹیکسی کا اڈہ ہوتا ہے، اس زمانے میں چونکہ اونٹ ذریعۂ آمد و رفت ہوتا تھا تو فرماتے ہیں کہ شہر میں ایک جگہ بنی ہوئی ہوتی تھی وہاں اونٹوں کا Stay (قیام) ہوتا تھا، میں وہاں چلا جاتا تھا، اور جب مسافر سامان اٹھا کر اونٹوں پر لادنا چاہتے تھے تو میں ان سے کہتا تھا کہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں، وہ مجھے تھوڑا کچھ دے دیتے تھے، میں ان کے بوجھ اٹھا اٹھا کر کبھی اونٹ پر چڑھاتا تھا، کبھی اونٹ سے نیچے اتارتا تھا ——— اور دنیا نہیں جانتی تھی کہ یہ دوسروں کے بوجھ اپنے سر پہ اٹھانے والا بچہ آنے والے وقت میں امام احمد بن حنبل بننے

والا ہے —— فرماتے ہیں کہ میرا ایک دوست تھا اس نے مجھے Offer (پیشکش) کیا کہ بھائی! آپ کے کھانے کا انتظام میں کردیتا ہوں، مجھے اچھا نہ لگا، میں نے کہا کہ نہیں بھائی، محنت کروں گا پھر کھاؤں گا، انھوں نے کہا کہ پھر ایسا کریں کہ مجھے دو کتابوں کی ضرورت ہے، آپ لکھ کے دے دیں، املاء کردیں، میں نے کہا ٹھیک ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے سامان اٹھانے کا کام چھوڑا، پھر میں نے کتابیں لکھنی شروع کیں، لوگ مجھ سے کتابیں لکھواتے تھے، میں فارغ وقت میں لکھتا تھا، اس پہ کچھ مل جاتا تھا، جس سے میں اپنے پیٹ بھر لیا کرتا تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر ایسا وقت تھا کہ میرے پاس لکھنے کے لئے کوئی کاغذ نہیں ہوتا تھا، تو میں بڑے جانور کی بڑی ہڈیاں ڈھونڈتا تھا، خشک ہڈی مجھے مل جاتی تو میں اس کے اوپر لکھ کے رکھتا تھا اور ان کو گھر کے کونے میں ڈال دیتا تھا، یہ میری کتاب ہوتی تھی، —— کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ بڑی ہڈیوں کو تلاش کرنے والا بچہ آنے والے وقت میں امام شافعیؒ بننے والا ہے —— فرماتے ہیں کہ علم کی طلب میرے اندر اتنی تھی کہ میں منیٰ کے میدان میں تھا، مجھے ایک بوڑھا نظر آیا، میں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ کہنے لگا مدینے سے، تو مجھے اس کے ساتھ کچھ محبت ہوئی کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دیار سے آیا ہوا ہے، میری کیفیت کو دیکھ کے اس نے مجھ سے کہا کہ میری دعوت قبول کرلو، میں نے کہا بہت اچھا، اتنا کہنے کے بعد اس بڑے میاں نے اپنی تھیلی کھولی اور اس کے اندر جو ماحضر تھا اس کو دسترخوان پہ لگا دیا اور میں نے بھی کھانا شروع کردیا، وہ مجھ سے بات چیت کرنے لگا، میں نے پوچھا بڑے میاں! سنا ہے مدینے میں کوئی امام مالک ہوتے ہیں؟ اس نے کہا کہ تمہیں ان سے ملنا ہے؟ میں نے کہا کہ خواہش تو بڑی ہے، لیکن سفر کے وسائل میرے پاس نہیں ہیں، اور لمبا سفر تھا —— اس زمانے میں اونٹوں سے سفر کرتے تو دو ہفتے لگا کرتے اور پیدل مہینوں لگتے —— اس نے کہا کہ ایک بندہ ہمارے ساتھ حج پہ آیا تھا، وہ فوت ہوگیا، اور اب اس کا اونٹ خالی ہے، اگر تم ارادہ کرو تو یہ جو بھورا اونٹ کھڑا ہے ہم اس پہ آپ کو لے جائیں گے، میں نے فوراً ارادہ

کرلیا، فرماتے ہیں کہ قافلہ والوں نے مجھے اپنے ساتھ لے لیا اور میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ۱۶ دن میں پہنچا اور اس دوران میں نے ۱۶ مرتبہ قرآن مجید مکمل پڑھ لیا ـــــ یہ اس زمانے کے طالب علم ہوتے تھے، آج عمرے والے جاتے ہیں اور پورے سفر میں ایک قرآن بھی ان کے لئے پڑھنا مشکل بن جاتا ہے ـــــ وہ فرماتے ہیں کہ ۱۶ دن سفر کیا ۱۶ قرآن مکمل پڑھ لئے، جب میں مسجد نبوی میں پہنچا تو نماز کا وقت ہو چکا تھا، میرا وضو تھا، تو میں بھی نماز میں شریک ہو گیا، کہنے لگے کہ نماز پڑھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لمبے قد کا آدمی ہے، ایک تہبند باندھی ہوئی ہے، اور چادر لپیٹی ہوئی ہے اور ایک اونچی جگہ پہ بیٹھ گیا اور لوگ ان کے سامنے بیٹھ گئے، اور وہ کہنے لگا: ''قال قال النبی ﷺ'' میں سمجھ گیا کہ یہی امام مالک ہیں، میں بھی بیٹھ گیا، ان دنوں امام مالکؒ احادیث املاء کروار ہے تھے، فرمانے لگے کہ انھوں نے حدیث روایت کرنی شروع کی اور سب نے کاغذ قلم سے لکھنی شروع کی، میں مسافر تھا، نہ کاغذ نہ قلم، کوئی وسائل ہی نہیں تھے، میرا دل بڑا چاہا کہ کاش مجھے بھی ان طلبہ سے مشابہت ہو جاتی، میں بھی حدیث کی کتابت کرتا، کہنے لگے کہ میں یہی سوچ رہا تھا کہ مجھے اپنے سامنے ایک تنکا نظر آیا میں نے وہ تنکا اٹھا لیا اور پھر میں نے کہا کہ اچھا اس کو میں اپنے ہونٹوں کی تری سے لگاتا ہوں تا کہ یہ سیاہی کا کام کرے اور جو وہ پڑھ رہے تھے میں اس کو اپنی ہتھیلی پہ لکھ رہا تھا تا کہ مجھے طلبہ کے ساتھ تشبہ حاصل ہو جائے، امام مالکؒ نے کچھ احادیث سنائیں، اگلی نماز کا وقت ہو گیا، مجلس برخاست ہوئی، لوگ اٹھ کے وضو کرنے چلے گئے، میرا وضو تھا تو میں وہیں بیٹھا رہا، تو امام مالکؒ نے مجھے بلا کے پوچھا کہ نوجوان! کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا: مکہ سے آیا ہوں، پوچھا کہ یہ تم ہتھیلی پہ کیا کر رہے تھے؟ میں نے کہا: جو آپ احادیث سنا رہے تھے میں لکھ رہا تھا، فرمایا ہتھیلی دکھاؤ، جب میری ہتھیلی دیکھی تو کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا، وہ کہنے لگے کہ یہ تو حدیث پاک کی شان میں گستاخی ہے کہ تم اس طرح اپنے ہونٹوں کا لعاب لگا کے حدیث پاک لکھ رہے تھے، یہ تو مناسب نہیں ہے، میں نے عرض کیا حضرت! میں مسافر ہوں، نہ قلم ہے، نہ کاغذ ہے، میں آپ کے شاگردوں کے ساتھ تشبیہ حاصل کرنے کے لئے ایسا کر رہا

تھا، حقیقت میں آپ جو پڑھا رہے تھے میں اپنے دل پر لکھ رہا تھا، کہتے ہیں کہ میرے اس جواب پر امام مالکؒ بڑے حیران ہو گئے، کہنے لگے اچھا اگر تم دل پہ لکھ رہے تھے تو سناؤ، فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں امام مالکؒ نے ۱۲۳/۱ احادیث سنائی تھیں، میں نے تمام احادیث متن اور روایت کے ساتھ ان کو سنا دی، یہ اس زمانے کے طلبہ ہوتے تھے، جیسے اسپنج ہوتا ہے کہ آپ اس کو پانی میں ڈالیں تو نس نس میں پانی چوس لیتا ہے، بالکل یہی طلبہ کی حالت ہوتی تھی کہ اتنا حسن طلب ہوتا تھا کہ استاذ کے علم کو وہ فوراً جذب کر لیا کرتے تھے۔ جس طرح خشک زمین ہو، عرصے سے بارش نہ ہوئی ہو، تو ذرا بوند گرے تو پتہ بھی نہیں چلتا، کیوں کہ زمین پی جاتی ہے، اس زمانے کے طلبہ کی یہی حالت تھی، ان کے سامنے استاذ کلام کرتا تھا، لکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی تھی، ان کی قوت حافظہ ایسی تھی کہ ان کو Direct (سیدھا) یاد ہو جاتا تھا۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ

امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر سے نکلا تو میں نے ۳۰ برس Thirty years علم حاصل کرنے میں لگائے، اس حال میں کہ میرے پاس بستر نہیں ہوتا تھا اور میں سردی سے بچنے کے لئے جس مسجد میں ہوتا اس کی صف کے ایک کنارے پر لیٹ کر پکڑ لیتا اور گھومنا شروع کر دیتا تھا اور صف میں لپٹ جاتا تھا، تو میرے جسم کو سردی ذرا کم لگتی تھی، گو سر اور پاؤں کو لگ رہی ہوتی تھی، اس طرح میں رات گذارا کرتا تھا۔ اگر ہم طلب علم کی مثالیں دیکھیں تو دین اسلام میں علم کو طلب کرنے کے لئے نوجوان بچوں نے جو قربانیاں دیں ایسی تاریخ دنیا میں کہیں نظر نہیں آتیں۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاکمِ وقت نے قید کر دیا، تیسرا دن ہوا تو ایک نوجوان حاکم وقت کے دفتر میں آیا، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، اس کو دیکھ کے حیرت ہوئی، چہرے پہ تقویٰ تھا، چہرے پہ نورانیت تھی، معصومیت تھی، سب لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ نوجوان جو فریاد لے کے آیا ہے؛ اس فریاد کو پورا کر دینا چاہئے، تو حاکمِ وقت نے پوچھا نوجوان! تمہارے چہرے

پراتنی معصومیت ہے، تم روکیوں رہے ہو؟ کہا کہ میں ایک فریاد لے کرآیا ہوں، اس نے کہا بتاؤ، تمہاری فریاد کو پورا کیا جائے گا، اس نے کہا کہ میں یہ فریاد لے کے آیا ہوں کہ آپ مجھے جیل بھیج دیں، حاکم کہنے لگا کیا؟ جیل بھیج دیں؟ کہا جی میرے اوپر احسان فرمائیں، مجھے جیل بھیج دیں، حاکم وقت نے کہا کیوں؟ اس۔ نے کہا تین دن سے آپ نے میرے استاذ کو جیل میں بند کیا ہوا ہے، میرا سبق قضا ہو رہا ہے، مجھے بھی جیل بھیج دیں، میں جیل کی صعوبتیں تو برداشت کرلوں گا، اپنے استاذ سے وہاں سبق تو پڑھ لیا کروں گا۔ یہ اس زمانے کے طلبہ تھے جو علم حاصل کرنے کے لئے جیل میں جانے کی بھی دعائیں اور تمنائیں کیا کرتے تھے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

ایک واقعہ تو اور عجیب ہے، امام محمدؒ ایک شہر میں درس دیتے ہیں، ایک قریبی شہر کے لوگ آئے، کہنے لگے کہ حضرت سارے لوگ تو یہاں نہیں آسکتے، ہمارے یہاں بھی درس دیں، فرمایا: بھائی! مسافت اتنی ہے کہ اگر میں یہاں سے وہاں جاؤں اور پھر واپس آؤں تو پھر وقت نہیں بچے گا، انھوں نے کہا حضرت! ہم سواری کا انتظام کردیتے ہیں، آپ درس دینے کے بعد سواری پہ بیٹھیں اور تیزی سے چل کے وہاں پہنچ جائیں، وہاں درس دے کر سواری سے واپس آجائیں، امام محمدؒ نے اس بات کو قبول کرلیا، اب ادھر درس ختم ہوتا، فوراً سواری پہ سوار ہوتے، گھوڑا تھا یا اونٹ جو بھی تھا، سواری تیز چلتی، دوسری جگہ درس دیتے، پھر واپس آتے۔

ایک طالب علم آیا، امام محمدؒ سے کہتا ہے کہ حضرت! مجھے آپ سے فلاں کتاب پڑھنی ہے، حضرت نے فرمایا: میں پڑھانے کو تو تیار ہوں لیکن میرے پاس تو وقت ہی نہیں، میں یہاں درس دیتا ہوں، پھر سواری پہ سوار ہو کے وہاں جاتا ہوں، وہاں درس دے کے پھر واپس آتا ہوں، اس نے کہا: حضرت! آپ جب یہاں سے درس دے کے سواری سے روانہ ہوتے ہیں تو راستہ میں آپ سواری پر بیٹھے بیٹھے تقریر فرمادیا کرنا میں سواری کے ساتھ بھاگتا بھی رہوں گا اور آپ سے علم بھی حاصل کرتا رہوں گا۔ تاریخِ انسانیت میں طلب علم کی ایسی کوئی مثال کوئی دوسری قوم پیش نہیں کرسکتی کہ اتنا حسن طلب کہ استاذ سواری پہ سوار ہو کے جارہا

ہے اور تقریر کر رہا ہے، شاگرد بھاگ بھی رہا ہے اور اس کا تقریر بھی سن رہا ہے، ان حضرات نے قربانیاں دی تھیں۔

شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کہیں گے کہ یہ تو پہلے زمانے کے لوگ تھے، چلیں قریب کے زمانے کی بات سنیں، شاہ عبدالقادرؒ اپنے واقعات میں فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ طالبعلمی میں دارالعلوم دیو بند ایسے وقت میں پہنچا جب کہ داخلے بند ہو گئے تھے، ناظمِ تعلیمات کے پاس گیا کہ حضرت! مجھے داخل فرمالیجئے، انھوں نے کہا داخلے بند ہو گئے، میں نے کہا: حضرت! آنے میں دیر ہو گئی، انھوں نے کہا کہ ہم داخلہ ہی نہیں لے سکتے، میں نے پوچھا حضرت! وجہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ دیکھو دارالعلوم ابتدائی حالت میں ہے، نہ مطبخ ہے، نہ کوئی طباخ ہے، جو بستی ہے، اس کے لوگوں نے ایک طالب علم، دو طالب علم، تین طالب علم، اس طرح مختلف طلبہ کا کھانا اپنے ذمہ لیا ہوا ہے، وہ طلبہ پڑھتے یہاں ہیں اور کھانا ان کا کھاتے ہیں، اب پوری بستی میں ایک گھر بھی ایسا نہیں جو کسی اور طالب علم کا کھانا اپنے ذمے لے سکے، لہٰذا ہم آپ کو نہیں رکھ سکتے، فرماتے ہیں کہ میں نے کہا حضرت! کھانا میری ذمہ داری پہ، آپ مجھے کلاس میں بیٹھنے کی اجازت دیں تو مجھے مشروط داخلہ مل گیا، اب داخلہ ملنے کے بعد میں طلبہ کے ساتھ سارا دن پڑھتا، جب رات آتی تو طلبہ کے ساتھ بیٹھ کے میں تکرار کرتا، جب طلبہ سو جاتے، میں اساتذہ کی اجازت کے ساتھ دارالعلوم سے باہر نکلتا، دیو بند بستی میں اس وقت دو سبزی فروٹ کی دکانیں تھیں، میں وہاں چلا جاتا، کبھی تربوز کے چھلکے، کبھی خربوزے کے چھلکے، کبھی امرود کے چھلکے، کبھی سیب کے چھلکے، میں وہ چھلکے اٹھا کے لاتا، ان کو دھو کے پاک صاف کر لیتا اور ان کو بیٹھ کے کھا لیتا، یہ میرا چوبیس گھنٹے کا کھانا ہوتا، میں نے سارا سال پھلوں کے چھلکے کھا کر گذارا کیا، مگر اپنے سبق میں ناغہ نہیں ہونے دیا۔

فرماتے ہیں کہ دورانِ سال میرے عزیز رشتہ دار مجھے خط لکھتے تھے، میں ڈر کے مارے پڑھتا نہیں تھا کہ خوشی کی خبر ہو گی تو جانے کو دل کرے گا، غم کی خبر ہو گی تو طبیعت پڑھائی میں نہیں لگے گی، لہٰذا خط ہی مت پڑھو، میں نے ایک مٹکہ بنایا ہوا تھا، سارے خطوط اس مٹکے

میں ڈالتا جاتا تھا، جب سال کے بعد امتحان دے کر فارغ ہوجاتا، اس وقت میں ان خطوں کو نکالتا اور ان کو پڑھتا، ان کو پڑھنے کے بعد میں فہرست بناتا کہ فلاں کو خوشی ملی، فلاں کو غم ملا، فلاں بیمار ہے فلاں کے بیٹا ہوا، فلاں کے یہ ہوا، پوری فہرست بنا کے میں واپس گھر آتا اور ان رشتہ داروں کے پاس جاتا، خوشی والوں کو مبارک دیتا، غم والوں کی تعزیت کرتا، لوگ مجھ سے بڑے خوش ہوتے کہ اس بچے نے ہمارے خط کو ایک سال یاد رکھا، حالانکہ میں نے ان کے خط کو پڑھا ہی ایک سال کے بعد ہوتا تھا، یہ تو قریب کے زمانے کے بزرگ تھے، یہ تھے طلبہ جو طلبہ کہلانے کے مستحق تھے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سارے ہی طلبہ ایسے ہوتے تھے کہ پلے کچھ نہیں ہوتا تھا، نہ کھانا، نہ پینا، نہ بستر؟ نہیں، پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، غرباء میں سے بھی تھے، امراء میں سے بھی تھے، چنانچہ امراء کی مثالیں بھی سن لیجئے۔ عبداللہ ابن مبارکؒ ایک ترکی تاجر کے نواسے تھے اور ترکی تاجر کی پوری میراث ان کی والدہ کو ملی، ان کی اور کوئی اولاد تھی نہیں تو گویا یہ اپنے منہ میں سونے کا چمچ لے کے پیدا ہوئے تھے، ان کے والد نے ان کو پڑھنے کے لئے بھیجا تو انھوں نے تیس ہزار دینار سفر خرچ کے لئے دئے اور انھوں نے پھر چار ہزار اساتذہ سے علم حاصل کیا، بہت پیسہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے تھے، انھوں نے اپنی پوری دولت علم کے حاصل کرنے میں لگادی، پھر اللہ نے ان کو وہ مقام دیا کہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے آتے تھے تو امام احمد بن حنبلؒ اٹھ کر کھڑے ہوجاتے تھے، عبداللہ بن مبارک کو اپنی مسند پہ بٹھایا کرتے تھے، یہ نواب زادے تھے، اللہ نے ان کو یہ مقام عطا کیا۔

بادشاہ ہارون رشید کا بیٹا

ہارون رشید کا ایک بیٹا تھا، رہتا محل میں تھا، مگر اس کو محل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، سادہ کھانا کھاتا، سادہ کپڑے پہنتا، ہارون رشید نے اس سے کہہ دیا کہ تیری وجہ سے لوگ طعنہ دیتے ہیں کہ آپ کے بچہ کو تو کچھ ہوگیا Mental case (دماغی بیمار) ہے، علاج کرواؤ،

اس نے کہا ابا جان! اگر آپ کو باتیں سنی پڑتی ہیں تو آپ مجھے اجازت دیں، میں علم حاصل کرتا ہوں، یہاں سے جاتا ہوں، ہارون رشید نے اجازت دے دی، ماں نے اس کو جاتے ہوئے ایک انگوٹھی دے دی اور قرآن پاک دیا کہ بیٹا! تم قرآن پاک پڑھنا تو اماں کو یاد کرنا اور اگر کوئی ضرورت پڑے تو یہ انگوٹھی قیمتی ہے، بیچ کے ضرورت پوری کر لینا، وہ نوجوان گیا، مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہتا تھا، ہفتہ میں ایک دن کام کرتا تھا، وہ بھی جب مدرسہ میں چھٹی ہوتی تھی، چھٹی کے دن مزدوری کرتا تھا اور مزدوری کر کے اتنی مزدوری لیتا تھا جس سے کہ اس کو ۶ روٹیاں ملجاتی تھیں، ہر روز ایک روٹی کھاتا تھا، ۲۴ گھنٹے گذارتا تھا اور ساتویں دن پھر مزدوری کر لیتا تھا، لوگوں کے گھر بناتا، اس شہزادے کو اختیاری رزق کی تنگی تھی، مگر اس نے اس حال میں رہ کر علم حاصل کرنے کو پسند کیا، تفصیل پڑھنی ہو تو حضرت شیخ الحدیث ؒ نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اس وقت امراء کے بچے بھی علم حاصل کرتے تھے۔

حضرت نانوتوی کی اہلیہ مکرمہ رحمۃ اللہ علیہا

اور یہی نہیں کہ مرد ہی علم حاصل کرتے تھے، عورتیں بھی کرتی تھیں، چلیں میں آپ کو یہیں گھر کا واقعہ سناؤں، حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لائے، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بہت دوستانہ تھا، سب سے پہلے ان کی ملاقات ہمارے حضرت سے حرم مکہ میں ہوئی تھی، ہمارے حضرت ؒ کا چہرہ بڑا منور تھا، اتنے خوبصورت اور پر انوار تھے کہ جو بندہ دیکھتا تھا بے اختیار کہتا تھا: ''مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ '' اور یہی حال حضرت قاری محمد طیب ؒ کا بھی تھا، ایسا پر انوار چہرہ تھا کہ سبحان اللہ، جب حضرت ؒ نے دیکھا تو فرمانے لگے کہ میں نے پوچھا: قاری صاحب! آپ نے یہ چہرہ کیسے بنایا؟ تو حضرت نے بتایا کہ انھوں نے برجستہ جواب دیا کہ: یہ چہرہ میں نے نہیں بنایا، میرے شیخ نے بنایا۔

انھوں نے (حضرت قاری صاحب ؒ نے) ایک محفل میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شادی کا واقعہ سنایا، اس زمانے میں دار العلوم دیوبند کے ایک خازن تھے نواب صاحب تھے ان کو حضرت نانوتوی ؒ سے بڑی محبت تھی، عرصے سے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ میں آپ کو اپنا بیٹا

بنانا چاہتا ہوں، ان کے اصرار پر حضرت نانوتویؒ نے ہاں کر دی، نکاح ہو گیا، اس زمانے میں جب کہ استاذ کی تنخواہ دو روپیہ ہوتی تھی نواب صاحب نے اپنی بیٹی کے لئے ایک لاکھ روپے کے زیورات بنائے اور اپنی بیٹی کو رخصت کیا، جب رخصتی ہو گئی تو حضرت نانوتویؒ پہلی رات اپنی اہلیہ کے پاس آئے، تو اہلیہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس چار پائی پہ آ کر بیٹھ گئے، سلام کیا اور فرمایا کہ شادی کا مقصد ہوتا ہے کہ خاوند بیوی کے ذریعہ گناہ سے بچے اور بیوی خاوند کے ذریعہ گناہ سے بچے، اور دوسری بات یہ فرمائی کہ زندگی اچھی تب گذرتی ہے جب میاں بیوی دونوں ایک Level (سطح) پر ہوں، میں تمہارے مانند امیر بننا چاہوں تو ساری زندگی محنت کروں تب بھی نہیں بن سکتا اور تم میری طرح بننا چاہو تو ابھی بن سکتی ہو، تو میں نے پوچھا کیسے؟ تو فرمانے لگے کہ یہ جتنے زیورات ہیں یہ جو ترکی میں خلافت کا کام ہو رہا ہے، یہ سارا اللہ کے راستے میں بھیج دو، فرماتی ہیں کہ میں نے سارے زیور نکالے، ایک لاکھ روپے کے زیور حضرت نے رومال میں باندھے اور اگلے دن وہ زیورات اللہ کے راستے میں پہنچا دئے، اب اگلے دن میں گھر میں تھی، محلے کی عورتیں دیکھنے کے لئے آئیں، جب شادی ہوتی ہے تو دلہن کو دیکھنے کے لئے بوڑھی عورتیں بھی آتی ہیں، ''وہ دلہن کو کم دیکھتی ہیں اپنے دلہن کے زمانے کو زیادہ یاد کرتی ہیں'' تو کہنے لگیں کہ دو تین بوڑھی عورتیں آگئیں، اور انھوں نے مجھے دیکھا تو میرے جسم پر کوئی زیور ہی نہیں، ان میں سے ایک بڑھیا، فتنے کی پڑیا، وہ کہنے لگی : ہاں! یہ تو باپ پہ بوجھ بنی ہوئی تھی، لگتا ہے اس نے دھکے ہی دے دیا، اس سے جان چھڑائی، کہنے لگیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میری تو آنکھوں میں آنسو آ گئے، رونا ہی نہ تھمے، حضرت نانوتویؒ تشریف لائے، مجھے روتے ہوئے دیکھا، فرمایا کیوں؟ خیریت تو ہے؟ میں نے کہا نہیں نہیں، بس آپ مجھے میرے والد صاحب کے گھر چھوڑ دیں، حضرت نانوتویؒ نے میری خواہش کا احترام کیا اور مجھے اسی وقت لے کر میرے والد صاحب کے گھر چھوڑ دیا، اس زمانے میں مردان خانہ الگ ہوا کرتا تھا، زنان خانہ الگ ہوتا تھا، مرد لوگ مردان خانے میں رہتے تھے، بوقت ضرورت گھر کی عورتوں سے ملاقات کرتے تھے، کہنے لگیں کہ میں دو دن وہاں

رہی، تیسرے دن میرے والد صاحب زنان خانے میں آئے تو نظر پڑی، پوچھا: بیٹی! تم یہاں ہو؟ پتہ چلا کہ یہ تو ایک ہی دن رہ کے آگئی تھی، پوچھا کیوں؟ کہنے لگی کہ میں نے پھر رونا شروع کردیا کہ میرے ساتھ تو یہ ہوا، گو میں نے زیورات اپنی خوشی اور طیب نفس سے دئے تھے، مگر عورتوں کا جو طعنہ تھا اس نے میرا دل دکھادیا، تو نواب صاحب کہنے لگی بیٹی! یہ کونسی بڑی بات ہے، نواب صاحب نے ایک لاکھ روپئے کے زیورات پھر بنوائے اور اپنی بیٹی کو دئے اور رخصت کردیا، کہنے لگیں کہ جب میں آئی، رات کو حضرت نانوتویؒ تشریف لائے، سلام کیا، فرمانے لگے دیکھیں: میں نے تو آپ کو ایک مشورہ دیا تھا کہ اللہ کے راستے میں دے دو، تم نے اپنی چاہت اور مرضی سے دیا تھا، اگر تمہاری چاہت نہ تھی تو نہ دیتی، میں نے مجبور تو نہ کیا تھا، اب تمہارے والد صاحب کے سامنے میری رسوائی ہوئی کہ میں نے مجبور کیا اور میں نے تو اس لئے کہا تھا کہ یہ سانپ اور بچھو تم اپنے گلے اور ہاتھوں میں کیسے پہنوگی، کہتی ہیں کہ حضرت نانوتویؒ کے الفاظ میں ایسی توجہ تھی، ایسی تاثیر تھی کہ مجھے بالکل لگا کہ میری انگوٹھیاں بچھو ہیں، جو چپکے ہوئے ہیں اور یہ سانپ ہے جو میرے گلے میں لاکٹ ہے، کہنے لگیں کہ میں نے اسی وقت اپنے زیورات اتارنے شروع کردئے، حضرت کہہ رہے ہیں کہ نہیں نہیں اور میں اتارتی جارہی ہوں، سب زیورات اتاردئے اور میں نے کہا کہ اس کو پھر اللہ کے راستے میں دیدیں، میں آج کے بعد کسی کو نہیں کہوں گی، حضرت نانوتویؒ نے پھر ایک لاکھ کے زیورات اللہ کے راستے میں بھجوادئے۔ اور پھر اس کے بعد انھوں نے حضرت نانوتویؒ سے پڑھنا شروع کیا، اتنا علم پڑھا کہ حضرت قاری صاحبؒ فرمانے لگے کہ میں نے مشکوٰۃ شریف اپنی دادی اماں سے سبقاً سبقاً پڑھی ہوئی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ نہیں ہوتا تھا کہ سارے ہی غریب غرباء ہی علم حاصل کرتے تھے، امراء کے بیٹے بیٹیاں بھی حاصل کرتی تھیں، یہ علم تو ایک نعمت ہے، ہاں فقیر طلبہ بھی ہوتے تھے اور اتنی قربانیوں سے پڑھتے تھے کہ ان کی قربانیاں دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے، انھوں نے دین کے علم کو حاصل کرنے کے لئے مجاہدات کر کے مثالیں قائم کردیں۔

میر مبارک بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ

میر مبارک بلگرامی محدث تھے، پڑھانے کا وظیفہ نہیں لیتے تھے، چنانچہ کئی کئی دن کا فاقہ ہوجاتا تھا، ایک مرتبہ وضو کرکے اٹھے تو چکر آیا اور گر گئے، ان کا شاگرد جس کا نام میر طفیل تھا، اس نے حضرت کو اٹھایا، پوچھا استاذ جی! خیریت ہے؟ بتایا کہ آج فاقے کا پانچواں دن ہے، اس نے آکے حضرت کو بیٹھایا اور وہ چلا گیا، اب حضرت کے دل میں کھٹک پیدا ہوگئی کہ اس کو تو میں بتا بیٹھا ہوں کہ فاقہ ہے اور پھر وہی ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ کھانا لے کے آگیا، کہنے لگا حضرت! کھانا کھا لیجیے، فرمایا نہیں، مخلوق سے طمع رکھنے کو شریعت میں اشراف کہتے ہیں اور یہ حرام ہے، میں نہیں کھاؤں گا، ہمارے جیسا ہوتا تو کہتا کہ اللہ کی مدد آگئی، مگر ان حضرات کے اندر تقویٰ تھا، اس نے کہا کہ آپ کھا لیجئے، فرمایا نہیں، کیونکہ میرے دل میں ایک امید لگ گئی تھی کہ یہ لے آئے گا، اب میں یہ کھانا نہیں کھا سکتا، مگر وہ شاگرد بھی متقی پرہیزگار سمجھدار ہوتے تھے، اس نے اصرار نہیں کیا، اس نے کھانا لیا اور کھانا لے کے واپس چلا گیا، نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد کوئی ۵ منٹ کے بعد واپس آیا، اور کہا حضرت! جب میں نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا تو امید تو کٹ گئی تھی کہ وہ لے کر گیا، فرمایا ہاں، کہا کہ اب کھا لیجیے تو حضرت نے کھانا نوش فرمایا۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ

تین طلبہ تھے، ایک کا نام تھا ابن المقری، ایک کا نام تھا ابو شیخ، اور ایک کا نام تھا طبرانی، وہ (طبرانی) کہتے ہیں کہ ہم مسجد نبوی میں استاذ سے احادیث مبارکہ پڑھا کرتے تھے، لیکن کھانا اپنا ہوتا تھا، ہم تینوں کے پاس کھانا ختم ہوگیا، ایک دن روزہ، دوسرے دن روزہ، اب تیسرے دن اٹھا نہیں جاتا تھا، میرے دوساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ ہم گھر جاتے ہیں، بھوک نہیں برداشت ہوتی، میں نے ہمت کرلی، میں نے کہا مجھ کو رہنا ہی ہے، میں حدیث پڑھنا نہیں چھوڑوں گا، کہنے لگے کہ چوتھے دن میرے لئے اٹھ کے بیٹھنا مشکل ہوگیا، اتنی بھوک تھی،

اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ طبرانی! تم جن کے مہمان ہوتم میزبان کوجا کے کیوں نہیں بتاتے؟میں اسی وقت اٹھااور مواجہ شریف پر حاضر ہوا اور میں نے نبی ﷺ پردرودشریف پڑھا،صلاۃ وسلام پیش کیااور میں نے کہا:''یارسولَ اللہ ﷺ! الجوع'' اے اللہ کے حبیب ﷺ! بھوک لگی ہے، کہتے ہیں کہ دعامانگ کے میں وہاں سے باہر نکلا،تو دروازے کے اوپرایک علوی النسب شخص تھا،اس کے سر کے اوپر ہنڈیا تھی،اس کے ہاتھ میں پھلوں کی ایک ٹوکری سی تھی اور میرا نام لے کر پکار رہا ہے،میں نے نام سنا،میں حیران ہوا،میں نے کہا کہ تمہیں میرا نام کس نے بتایا،کہنے لگا کہ میں مسجد نبوی کا پڑوسی ہوں،دیوارایک ہے،دوپہر کے وقت قیلولہ کرر ہا تھا،قیلولہ میں مجھے محبوب ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، فرمایاعلوی! میراایک مہمان بھوکا ہے،جاؤاس کوکھانا کھلاؤ،میری آنکھ کھلی میں نے بیوی کو دیکھا کہ ہنڈیااتارہی تھی،میں نے کہااپنے لئے اورہنڈیابنالینا،مجھے ہنڈیااورروٹی دے دو، ہنڈیاسرپہ رکھی،روٹی اٹھائی اوردوچارقدم میں دروازے سے چل کے اس دروازے پرآیا اورمیں نے تمہارانام پکارناشروع کیا،تم اللہ کے حبیب ﷺ کے مہمان ہو۔اللہ کے حبیب ﷺ کوطلبہ علماء کے ساتھ کیامحبت تھی۔

امام ابوعلی بلخیؒ

امام ابوعلی بلخیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کئی دن فاقہ اٹھاناپڑااورکھانے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تھا،تو محلے میں ایک نان بائی تھا،تنورکی دوکان تھی،وہاں روٹیاں پکتی تھیں،تومیں کتاب لے کر وہاں تنور کے پاس جاکر بیٹھ جاتا کہ روٹی پکنے کی جومہک آئے گی اس سے کچھ میرے لئے بھوک کو برداشت کرنا آسان ہوجائے گا۔اللہ اکبرکبیرا،ان اکابرنے اللہ کے دین کاعلم حاصل کرنے کے لئے اتنی بھوک برداشت کی۔

بقیع الدین بن مخلدؒ

بیس اکیس سال کی عمر جوانی مستانی کی عمرہوتی ہے،نوجوان طلبہ کے لئے وساوسِ نفسانی وشہوانی سے بچنابڑامشکل ہوتا ہے،اس عمرکے اندردین کی طلب کا ہوناعجیب نعمت

ہے۔ چنانچہ اندلس کے علاقے کے بقیع الدین ابن مخلدؒ ایک نوجوان ہیں، ۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے، ۷۵ سال کی عمر پا کے ۲۷۶ھ میں وفات ہوئی، ۲۱ سال ان کی عمر تھی، اس واقعہ کو امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء کے اندر نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کا نام سن رکھا تھا، دل میں بڑی خواہش ہوئی کہ میں ان کے پاس جاؤں اور حدیث کا علم پڑھوں، لیکن راستے میں سمندر پڑتا تھا، ایک جہاز تھا، بڑی کشتی تھی، اس کے کیپٹن سے بات کی، اور سفر پہ نکل پڑا، اللہ کی شان کئی مہینے سفر کرنا پڑا اور درمیان میں کشتی راستہ بھی بھول گئی تو سفر اور زیادہ لمبا ہو گیا، پھر اس سفر کے اندر ایسا وقت بھی آ گیا جب سمندر کے اندر طوفان ہوتا ہے، High tied ہوتی ہے، اس وقت کشتی لنگر انداز ہو جاتی ہے، کیوں کہ اگر چلتی رہے گی تو الٹ جائے گی، بندے ڈوب جائیں گے، تو لنگر ڈال دیتے تھے، ایک ایک ہفتہ طوفان رہتا، کشتی ایک ہی جگہ پر پڑی رہتی اور صرف جھٹکے لگتے، اس سے بیماری ہو جاتی تھی، ابکائیاں آتی تھیں، پیٹ کی بیماریاں ہو جاتی تھیں، کہتے ہیں کہ میں اتنا بیمار ہو گیا کہ میری Dehydration (جسم میں پانی کی کمی) ہونے کے قریب ہو گئی، قسمت سے طوفان کم ہوا، ہم آگے چلے اور بالآخر زمین پر آئے، وہاں سے میں نے پیدل سفر کرنا شروع کیا اور میرا سفر بھی سیکڑوں میل کا سفر تھا، میرے کپڑے گندے، کھانے پینے کا سامان کچھ نہ بچا اور میں اپنے سامان کو کمر پر رکھے چل رہا تھا، نقاہت کی وجہ سے میں گرنے لگتا تھا، خدا خدا کر کے وہ وقت آیا کہ میں بغداد کے قریب پہنچا، جب سامنے بغداد کا شہر نظر آیا تو اتنا تھکا ہوا تھا کہ میں ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا، نیند آ گئی، جب آنکھ کھلی تو اس وقت میں نے بغداد شہر کی طرف چلنا شروع کیا، مجھے راستے میں ایک آدمی آتا ہوا، ملا سلام دعا ہوئی، میں نے پوچھا سنائیں امام احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کیوں پوچھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ میں ایک طالب علم ہوں، ان سے علم پڑھنے کے لئے ہزاروں میل کا سفر کر کے آیا ہوں، دھکے کھائے ہیں، اس نے میرا چہرہ دیکھا، کہنے لگا اے طالب علم! افسوس ہے کہ تیری یہ حسرت

پوری نہیں ہوسکتی، کہنے لگے میرے لئے یہ Shocking news (اچانک صدمہ والی خبر) تھی، میری حسرت پوری نہیں ہوسکتی، اس نے کہاہاں، حاکم وقت کسی بات پہ امام احمد بن حنبل سے ناراض ہوگیا، اس نے جامع مسجد میں ان کا درس بھی موقوف کردیا اور گھر میں نظر بند کردیا، نہ وہ لوگوں سے مل سکتے ہیں، نہ لوگ ان سے مل سکتے ہیں، تم علم حاصل نہیں کرسکتے، کہنے لگے کہ میرے لئے یہ خبر عجیب تھی، لیکن ہمت نہیں ہاری، شہر میں گیا، ایک سرائے کے اندر کمرہ کرایہ پر لے لیا اور میں نے وہاں رات گذاری، تھکاوٹ کی وجہ سے نیند گہری آئی، دوسرے دن میرے ذہن میں خیال آیا کہ کسی کا تو درس ہوتا ہوگا، میں نے سرائے والے سے پوچھا کہ شہر میں کسی کا درس ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یحییٰ بن معین کا، جو جرح اور تعدیل کے امام تھے، ان کا مسجد میں عصر کے بعد درس ہوتا ہے، میں عصر کے بعد وہاں پہنچ گیا، یحیٰ بن معینؒ نے تھوڑی دیر حدیث پاک کا درس دیا، پھر اس کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ تھا، لوگوں نے سوال پوچھنے شروع کردئے، ایک نے سوال پوچھا، دوسرے نے پوچھا تو اتنے میں میں بھی کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ مجھے ہشام بن عمارؒ کے بارے میں بتائیں، انھوں نے کہا کہ وہ اتنے ثقہ ہیں کہ ان کی چادر کے نیچے عجب بھی آجائے تو ثقاہت میں فرق نہیں پڑتا، میں نے کہا کہ مجھے دوسرا سوال پوچھنا ہے، تو ساتھ والے لوگوں نے میرے کپڑے کھینچنے شروع کردئے، انھوں نے کہا کہ تو نووارد نظر آتا ہے، اس مجلس کا دستور ہے کہ ہر بندہ ایک سوال پوچھ سکتا ہے، ایک بندہ سارے سوال پوچھے تو باقی کیسے پوچھیں گے؟ تو ایک سوال پوچھ چکا لہٰذا بیٹھ جا، میں نے کہا میں مسافر ہوں اور غریب الدیار ہوں اور میرا حال تو دیکھ ہی رہے ہیں، اصل سوال تو مجھے اور پوچھنا تھا، یہ تو میں ایسے ہی پوچھ بیٹھا، پتہ ہوتا تو میں وہی سوال پوچھ لیتا، میں نے تھوڑی منت سماجت کی تو لوگوں کو مجھ پہ ترس آیا، کہنے لگے کہ پوچھو کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ سے سوال پوچھا کہ آپ امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کہنے لگے کہ میرے سوال پہ سناٹا چھا گیا، مقامی لوگ حیران تھے کہ بادشاہ ان

کا اتنا خلاف اور یہ اس مجمع میں اس نے سوال پوچھا، یحیٰی بن معینؒ نے تھوڑی دیر سر جھکایا، پھر سر اٹھا کے کہنے لگے کہ امام احمد بن حنبل تو امام المسلمین ہیں، یہ الفاظ کہے، کہتے لگے کہ میرے دل میں یہ بات رچ گئی، اب جو مرضی ہو، جو قربانی دینی پڑے، میں امام احمد بن حنبل سے علم حاصل کر کے رہوں گا، کہنے لگے میں گھر آیا، راستے میں میں نے ایک بندے سے کہا کہ مجھے امام احمد بن حنبل کا گھر دکھا سکتے ہو، اس نے کہا: بھائی! وہ پولیس والے دیکھیں گے تو مجھے بھی سزا دیں گے تجھے بھی، میں نے کہا کہ تم سامنے سے گذر جانا اور آنکھ کے اشارے سے کہہ دینا کہ یہ ان کا دروازہ ہے پھر تم آگے چلے جانا، میں جانوں میرا کام جانے، وہ اس بات پہ آمادہ ہو گیا، اس نے مجھے گھر دکھا دیا، کہتے ہیں کہ میں سرائے میں واپس آیا، اب میں ساری رات سوچ رہا ہوں کہ میں امام احمد بن حنبل سے کیسے علم حاصل کروں، کہتے ہیں کہ ساری رات سوچتے سوچتے میرے ذہن میں ایک خیال آیا، اگلے دن میں اٹھا تو میں نے ایک کشکول بنا لیا اور میں نے اپنے گھٹنے کو ایک کپڑے سے باندھ لیا اور ایک کپڑا اپنے سر پہ بھی لپیٹ لیا اور جیسے کوئی لنگڑا کے چلتا ہے اس طرح میں سرائے سے باہر نکلا اور میں نے ہاتھ آگے کر کے فقیر کی طرح بھیک مانگنی شروع کر دی —— اس زمانے میں جو مانگنے والے سائل ہوتے تھے، وہ پیسہ نہیں مانگتے تھے، صرف اتنا کہتے تھے: "أجرُكُمْ عَلَى اللهِ" اور ان کی اس بات کو سن کے دینے والے ان کو دے دیا کرتے تھے —— کہتے ہیں جب میں نے یہ کہنا شروع کیا تو کچھ لوگ مجھے غور سے دیکھتے کہ نوجوان ہے کیوں نہیں محنت مزدوری کر لیتا، میں نے ان کی ترش نگاہیں بھی برداشت کر لیں اور میں ہر ایک کے سامنے اپنے آپ کو پامال کرتا، میں سارا دن بغداد کے مختلف راستوں پر بھیک مانگتا رہا اور مجھے اندازہ تھا کہ ظہر کے بعد کا جو وقت ہوتا ہے تو قیلولہ کے لئے لوگ گھروں میں آجاتے ہیں، آمد و رفت کم ہوتی ہے، وہ وقت نوٹ کر کے میں امام احمد بن حنبلؒ کے دروازے پر پہنچا، بڑی زور سے آواز لگائی: "أجر کم علی الله، أجر کم علی الله" اتنی درد والی آواز تھی کہ امام احمد بن حنبل نے دروازہ کھول دیا، ان

کے ہاتھ میں ایک سکہ تھا جو وہ مجھے محتاج سمجھ کے دینا چاہتے تھے، جب انھوں نے دروازہ کھولا تو میں نے کہا حضرت میں مال کا سائل نہیں ہوں، میں محبوب ﷺ کی سنتوں کو جمع کرنے والا بندہ ہوں، میں آپ سے حدیث کا علم حاصل کرنے آیا ہوں، امام صاحب نے کہا کہ پولیس تمہیں بھی سزا دے گی، مجھے بھی دے گی، میں نے کہا: حضرت! یہ سکہ اپنے پاس رکھ لیں، میں سارا دن سائل بن کے مانگتا پھروں گا اور اس وقت میں آپ کے گھر کے سامنے آ کے صدائیں لگاؤں گا، آپ دروازہ کھولنا، کوئی نہ ہو؛ تو مجھے دو چار حدیثیں سنا دیجئے گا، کوئی آ جائے تو آپ یہ سکہ ڈال دیجئے گا، میں چلا جاؤں گا، امام صاحب تیار ہو گئے، میں ایک سال تک بغداد شہر میں بھیک مانگتا رہا اور پھر میں ظہر کے بعد امام صاحب کے دروازے پر جاتا تھا، دروازہ کھلتا تھا، کبھی مجھے دو چار حدیثیں سنا دیتے تھے، کبھی کسی کے آنے کی وجہ سے سکہ ڈال دیتے تھے، میں چلا جاتا تھا، میں نے پورا سال امام احمد بن حنبل سے اس طرح علم حاصل کیا تھا، اللہ کی شان کہ حاکمِ وقت کی وفات ہوئی، جو نیا حاکم بنا اس کو امام احمد بن حنبلؒ سے عقیدت تھی، اس نے ان کی نظر بندی بھی ختم کر دی اور اس نے ان کا جو مسجد کا درس تھا وہ بھی شروع کروا دیا، فرماتے ہیں کہ جب امام احمد بن حنبلؒ کو درس دینا تھا تو بغداد کے لوگوں پر عید کا سماں تھا، عصر کا وقت ہوا، مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، میں نے بڑی کوشش کی کہ میں جاؤں اور میں استاذ کے قریب جا کر بیٹھوں، لیکن بھیڑ کی وجہ سے میں قریب نہ پہنچ سکا، ذرا دور کھڑا تھا، امام صاحب آئے، ان کی نظر مجھ پر پڑی، امام صاحب کہنے لگے لوگو! اس طالب علم کو آگے آنے دو، تم میں سے علم کا حقیقی طلب گار یہ شخص ہے۔ اللہ اکبر کبیرا

عزیز طلبہ ذرا تقابل تو کیجئے، آج دو وقت کا کھانا آرام سے ملتا ہے، پنکھے کمروں میں لگے ہوتے ہیں، استاذ پڑھانے کے لئے موجود ہوتے ہیں، پھر بھی ان کو فجر کے لئے جگانا پڑتا ہے اور ان کو اپنے درس کے اندر بھیجنا پڑتا ہے اور طلبہ درس کے اندر بیٹھے ہوتے ہیں، ان کی توجہ کہیں اور پہنچی ہوتی ہے، ایک وہ بھی طالب علم تھے کہ استاذ گھر کے اندر مقید ہے اور شاگرد سوچ رہا ہے کہ میں کیسے استاذ سے پڑھوں۔

ابو جعفر منصور رحمۃ اللہ علیہ کی تمنا

"قِیْلَ لِاَبِی جَعْفَرٍ مَنْصُور: هَلْ بَقِیَ مِنَ اللَّذاتِ شَیْئًا لَمْ تَنَلْهُ؟" ابو جعفر منصور حدیث کا عالم تھا، ایک مرتبہ وزراء نے کہہ دیا کہ آپ کو اللہ نے دنیا کی اتنی نعمتیں دیں کوئی ایسی بھی خواہش ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟ "قَالَ شَیْءٌ وَاحِدٌ" ایک بات میری پوری نہ ہوئی "قَالُوا: وَمَاهُوَ" کہنے لگے کونسی؟ "قَالَ" کہنے لگا "قَوْلُ الْمُحَدِّثِ لِلشَّیْخِ حَدِّثْنَا" کہ وہ جو شاگرد اپنے شیخ کو کہتے ہیں اے استاذ! ہمیں حدیث سنائیں، مجھے علم تھا، میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی مجھ سے بھی یہ علم حاصل کرتا "قَالَ فَغَدَا عَلَیْهِ الْوُزَرَاءُ وَالنُّدَمَاءُ بِالْمَحَابِرِ وَالدَّفَاتِرِ" دوسرا دن ہوا تو جو کام کرنے والے وزراء تھے وہ اپنے کاغذ قلم اور دواتیں لے کر آگئے اور وہ سامنے بیٹھ گئے "فَقَالُوا" کہنے لگے کہ آپ ہمیں حدیث سنائیں، "فَقَالَ" اس وقت ابو جعفر منصور نے ان وزراء کو کہا "لَسْتُمْ بِهِمْ" تم طالب علم نہیں ہو "اِنَّمَا هُمُ الدَّنِسَةُ ثِیَابُهُمْ" طالب علم تو وہ تھے جن کے کپڑے میلے ہوتے تھے "اَلْمُغْبَرَةُ وُجُوهُهُمْ" ان کے چہرے گرد آلود ہوتے تھے "اَلْمُشَقَّقَةُ اَرْجُلُهُمْ" ان کے پاؤں، ایڑیوں کے گوشت پھٹے ہوئے ہوتے تھے "اَلطَّوِیْلَةُ شُعُوْرُهُمْ" ان کے بال بڑے ہوتے تھے، "رَوَّادُ الْآفَاقِ" علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دنیا کی خاک چھانتے تھے "قُطَّاعُ الْمَسَافَاتِ" مسافتوں کو پیدل طے کرنے والے ہوتے تھے "تَارَةً بِالْعِرَاقِ وَتَارَةً بِالْحِجَازِ" حدیث لینے کے لئے کبھی وہ حجاز جاتے تھے، کبھی عراق جاتے تھے "وَتَارَةً بِالشَّامِ وَتَارَةً بِالْیَمَنِ" کبھی شام جاتے تھے، کبھی یمن جاتے تھے، "فَهٰؤُلَاءِ نَقَلَةُ الْحَدِیْثِ" حدیث کو نقل کرنے والے یہ لوگ ہوا کرتے تھے جنھوں نے دنیا کی مشقتیں تو اٹھائیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو انھوں نے جمع کیا، سینے سے لگایا۔ مبارک باد کے لائق ہیں وہ نوجوان۔

طالبان علوم دینیہ کا مقام

نوجوان طالب علمو! اپنی قسمت پہ اللہ کا شکر ادا کرو، اللہ رب العزت نے آپ کو اس دین کے لئے چنا ہے، آپ اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں اور اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے، اللہ رب العزت فرماتے ہیں ''ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ'' پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنایا ''الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا'' جو میرے چنے ہوئے بندے تھے، کتاب کے وارث وہی بنتے ہیں جن کا اللہ کے یہاں چناؤ ہوتا ہے، یہ خوش نصیب نوجوان ہیں، اگرچہ ظاہر میں معمولی کپڑے ہیں، یہ مشقتیں اٹھاتے ہیں، مگر ان کا مقام اللہ کے سامنے بڑا بلند ہے، ذرا غور کیجئے! آج مختلف لوگ صبح کرتے ہیں، کسی کے سامنے اللہ رب العزت نے کپڑا رکھ دیا، وہ کپڑے کو کاٹتا ہے، جوڑتا ہے، ہم اس کو درزی کہتے ہیں، کسی کے سامنے اللہ نے لکڑی کو رکھ دیا، وہ لکڑی کو کاٹتا ہے اور جوڑتا ہے، فرنیچر بناتا ہے، ہم اس کو کارپینٹر کہہ دیتے ہیں، کسی کے سامنے اللہ رب العزت نے اینٹ کو رکھدیا، وہ اینٹ کو دوسری اینٹ سے جوڑتا ہے، وہ مکان تعمیر کرتا ہے، ہم اسے مستری کہتے ہیں، کسی کے سامنے اللہ نے لوہے کو رکھ دیا، وہ لوہے کے پرزوں کو کھولتا ہے، پھر لوہے کو جوڑتا ہے، اس سے اس کا گذران ہوتا ہے، آج کسی کے سامنے کچھ رکھا، کسی کے سامنے کچھ رکھا، عزیز طلبہ! میں سلام کرتا ہوں آپ کی عظمت کو، کہ آپ صبح اٹھتے ہیں، اللہ آپ کی جھولی میں اپنا قرآن رکھ دیتا ہے، آپ کی جھولی میں اپنے محبوب ﷺ کا فرمان رکھ دیتا ہے، آپ اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں، اللہ نے آپ کو اس کام کے لئے چن لیا، قیامت کا دن ہوگا، اس وقت اصحابِ صفہ کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: میرے بندو! بتاؤ، کیا لے کر آئے؟ اس وقت یہ طلبہ بھی کھڑے ہوں گے، کہیں گے: اللہ! ہم علم وعمل میں ان کے پیچھے تو نہ چل سکے جیسے چلنا چاہئے تھا، مگر میرے مولی ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوششیں تو ہم نے کی تھیں

عمل کی اپنے اساس کیا ہے　　　بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت　　　میرا تو بس آسرا یہی ہے

ہمارا قیامت کے دن یہی آسرا ہے، اللہ ہمیں طالب علموں میں شمار کرلے۔

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے طلبہ کے سامنے ایک حدیث مبارک بیان کرتے تھے، قیامت کا دن ہوگا اللہ کے سامنے علماء وطلبہ کھڑے ہوں گے، اللہ فرمائیں گے: ''یَامَعْشَرَ العلماء'' اے علماء کی جماعت! ''لم أعْطِ عِلْمِي فِيكُمْ لِأعَذِّبَكُم'' میں نے تمہارے سینوں کو علم کے نور سے اس لئے نہیں بھرا تھا کہ آج میں دوسروں کے سامنے تمہیں رسوا کروں، آج میں دوسروں کے سامنے تمہارا مؤاخذہ کروں ''فَانْطَلِقُوا'' جاؤ ''قَد بَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُم حَسَنَات'' میں نے تمہارے گناہوں کو تمہاری نیکیوں میں تبدیل کردیا، اس دن طلبہ کو پتہ چلے گا کہ اللہ رب العزت کی کیا نظر کرم ہوئی اور یہ نسبت کتنی کام آگئی، ہمارے پلے کچھ نہیں ہے، مگر اتنا تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھیں گے: میرے بندو! کیا کرتے تھے؟ عرض کریں گے: اللہ! چٹائیوں پر بیٹھتے تھے، گھٹنوں کو دیکھ لیجئے، ٹخنوں کو دیکھ لیجئے، جیسے جانوروں کے نشان پڑے ہوتے ہیں، نیچے بیٹھ بیٹھ کے ہمارے نشان پڑگئے، میرے مولیٰ! بس اسی کو قبول کرلیجئے، ہمارے عملوں کو نہ دیکھئے گا، ہمارے عمل خالص نہیں ہیں، مگر مولیٰ کوشش تو کیا کرتے تھے، میرے مولیٰ! یہ وہ وقت تھا جب لوگ انگریزی تعلیموں کے لئے بھاگتے تھے، کالج اور یونیورسٹیوں کے پیچھے بھاگتے تھے، ہمارے لئے مدرسوں میں جانا بھی طعنہ بنتا جارہا تھا، اپنے پرائے سب سمجھاتے تھے کہ کن کاموں میں لگے ہوئے ہو، اللہ! یہ وہ وقت تھا مگر اللہ! اس وقت میں

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے　　　تیرے قرآن کو سینوں سے لگا ہم نے

اللہ! ہم قرآن کو سینوں سے لگا کے تفسیر کا درس پڑھنے کے لئے جایا کرتے تھے، مولیٰ! بس اسی نسبت کی لاج رکھ لیجئے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالیجئے، اللہ تعالیٰ سب طلبہ کو علم نافع عطا فرمائے اور ہمیں قیامت کے دن اپنے اکابر کے قدموں میں جگہ نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمد للہ ربّ العالمین

دلِ مغموم کو مسرور کردے
دلِ بے نور کو پُر نور کردے

فروزاں دِل میں شمعِ طور کردے
یہ گوشہ نور سے معمور کردے

میرا ظاہر سنور جائے الٰہی!
میرے باطن کی ظلمت دور کردے

مئے وحدت پلا مخمور کردے
محبت کے نشے میں چور کردے

ہے میری گھات میں خود نفس میرا
خُدایا اِسکو بے مقدور کردے

❀❀❀

خطباتِ ہند

دار العلوم دیوبند کی ایک انفرادی خصوصیت

آج ہم اگر دیکھیں تو دنیا میں کلمہ پڑھنے والے بہت ہیں لیکن یہ دیکھیں کہ یقین والے کتنے ہیں تو بہت تھوڑے ملیں گے، جن کا یقین محکم ہو کہ اللہ رب العزت کو صفات کے ساتھ اپنا خدا مانیں، اسباب پہ نظر نہ ہو، اللہ رب العزت کی ذات پہ نظر ہو، دار العلوم دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اصول ہشتگانہ بنائے تو انہوں نے ایک اصول یہ بھی رکھا کہ دار العلوم کے لئے مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

ہمارے اکابر کو یقین کا یہ مقام کیسے ملا؟

اس دنیا میں یقین کا بنانا ایک مشکل کام ہے، ہمارے اکابر کا یقین اس لئے بنا تھا کہ وہ صاحب علم بھی تھے اور صاحب ذکر بھی تھے۔ چنانچہ ان حضرات کو دیکھو کہ یہ مسند حدیث پہ بیٹھتے تھے تو عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی یادیں تازہ ہوتی تھیں اور جب یہی حضرات مسند ارشاد پر بیٹھتے تھے تو وقت کے جنید رحمۃ اللہ علیہ اور بایزید رحمۃ اللہ علیہ نظر آتے تھے، وہ مرج البحرین تھے، یہ دونوں نعمتیں اللہ نے ان کو دی ہوئی تھیں، علم بھی تھا، ذکر بھی تھا، اہتمام کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور اس نور کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان کو وہ یقین دیا تھا کہ جس یقین کی وجہ سے اللہ نے اس ادارے کو یہ قبولیت عطا فرمائی، وہ سمجھتے تھے کہ اسباب کچھ نہیں کر سکتے، جو ہونا ہے مسبب الاسباب کی وجہ سے ہونا ہے۔

محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ